ZAHOOR

-E-

QUAIM-E-AL-E-MOHAMMAD

(Urdu)
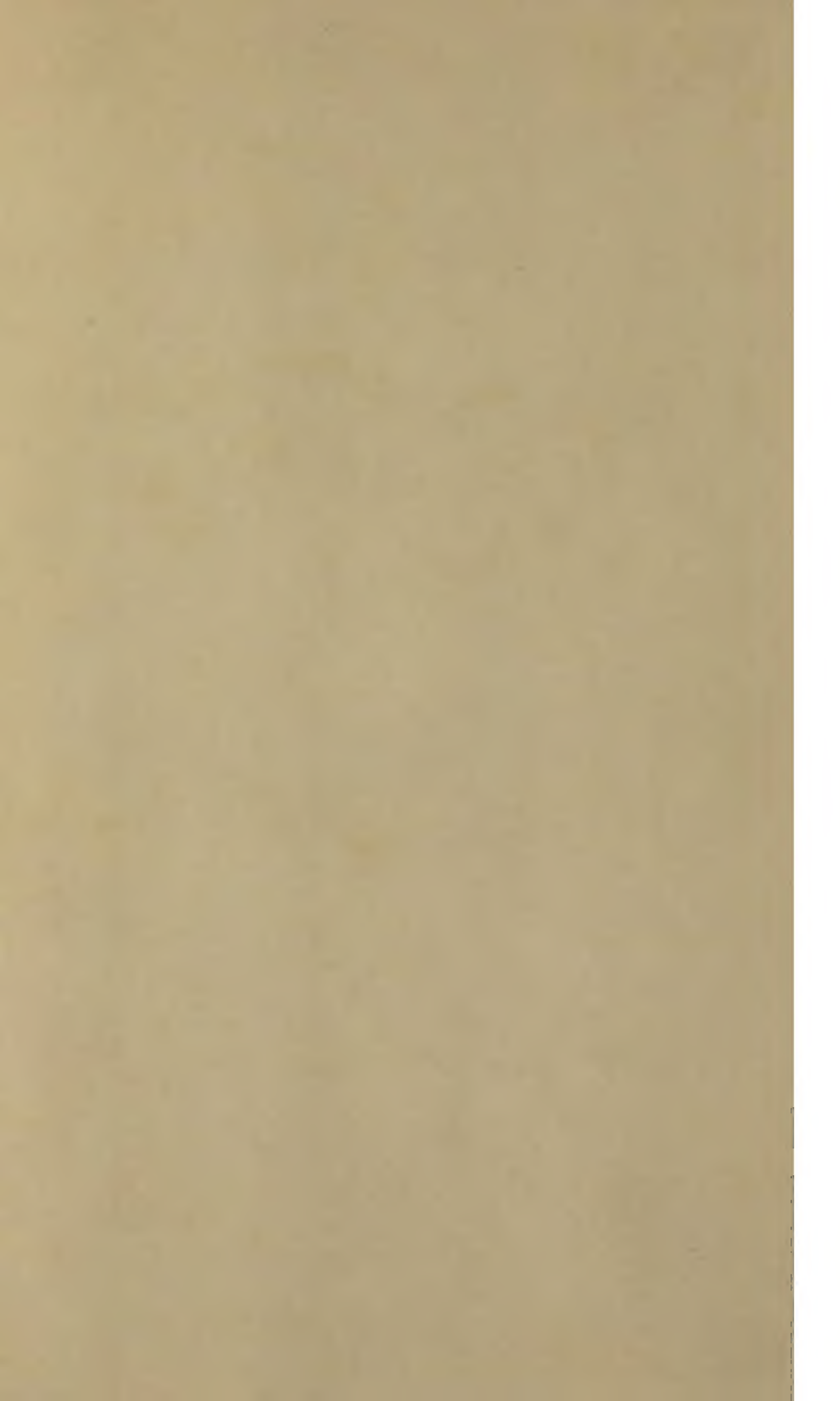
تحفہ از
جناب علامہ مضطر عباسی

ظہور قائم آلِ محمدؐ

مصنفہ

جناب سید ابو العباس صاحب رضوی جارچوی

شائع کردہ

بہائی پبلشنگ ٹرسٹ (شاخ) پاکستان

ملنے کا پتہ { (۱) بہائی ہال کراچی ۵ (پاکستان)
(۲) پوسٹ بکس ۱۹ نیو دہلی (بھارت)

(مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس میکلوڈ روڈ کراچی)

ظہور
قائم آل محمد

فہرست مضامین ظہور قائم آلِ محمدؐ

پیش لفظ

گزشتہ پندرہ سال میں رسالہ ماتم آل محمد دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے الحمد للہ کہ بہت مقبول ہوا اکثر سعید اور مستعد روحیں بیدار ہو گئیں اور رسالہ عقیدۂ ماتم و زنجیر زنی کی حقیقت بے نقاب ہوگئی انھوں نے بڑی مسرت اور انبساط کے ساتھ جدید پیغام ربانی کو قبول کیا۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا ؎

"ہونے کو گرفتار چلے آتے ہیں آہو"

یہ رسالہ جب پہلی مرتبہ شیعہ حضرات کی نظر سے گذرا تو انھوں نے سابقہ حکومت ہند کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس کو ضبط کرانے کی ناکام کوشش کی حالانکہ معقول اور بہتر طریقہ یہ تھا کہ شیعہ اہل علم و ارباب قلم اس رسالہ کی منصفانہ تردید کے لئے اٹھتے جس سے نہ صرف ہماری بلکہ خود شیعہ قوم بھی فائدہ اٹھاتی۔

برسوں کے بعد ماضی قریب میں ایک رسالہ میری نظر سے گذرا جس کے مصنف مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر پرنسپل جوادیہ کالج بنارس ہیں اور اس رسالہ کا نام "انتصار ماتم آل محمد" ہے۔ یہ رسالہ [illegible]

اور ۱۶۰ صفحات کی تطویل لاطائل پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے ہمارے رسالہ پر تنقید کی زحمت گوارا فرماتے ہوئے عقیدۂ امام دوازدہم کو ثابت کرنے کی بے سود کوشش فرمائی ہے۔ انھوں نے اپنا بھی وقت ضائع کیا اور دوسروں کا بھی۔ اس رسالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) شدت غیظ و غضب کے عالم میں مجتہد صاحب کی عنانِ قلم قابو سے باہر ہو گئی اور خود کو جواب سے عاجز پاکر انھوں نے ہمیں حسب ذیل الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:

ملّاع - حریص - بے تمیز - جاہل - چالاک - عیار - مکّار - دجال - ناخلف - مفتری - یہ سلسلہ طویل ہے بطور نمونہ چند الفاظ منتخب کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں تاکہ آپ ان حضرات کا نمونۂ اخلاق و تہذیب ملاحظہ فرمائیں جو اپنے آپ کو معلمین اخلاق حسنہ اور جانشین خدا و رسول نائب امام حجت الاسلام و نہیں معلوم کیا کیا سمجھتے ہیں۔

مذکورۂ بالا الفاظ پڑھ کر معاً ہمیں خیال آیا کہ شاید ہمارے قلم سے اپنے رسالہ میں کوئی ایسا لفظ نکل گیا ہوگا جو اصول انشا اور تہذیب اخلاق کے خلاف تھا جس نے مجتہد صاحب کو ان منتقمانہ الفاظ کے استعمال پر مجبور کیا لیکن کافی جستجو کے باوجود ہمیں کوئی ایسا لفظ دستیاب نہیں ہوا۔

اپنے رسالہ کی موجودہ اشاعت میں ہم ان الفاظ کا معقول جواب دیتے لیکن پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم کتنی بھی توجیہ صرف کریں پھر بھی ہمارا جواب اس جواب سے بہتر نہیں ہو سکتا جو ب سے صدیوں پیشتر حضرت صادق آلِ محمد

[illegible]

ارباب علم اور صاحبان جبہ و دستار کے متعلق ارشاد فرمائے گئے ہیں وہ یہ ہے۔

سَيَأْتِي زَمَانٌ عَلَى أُمَّتِي لَا يَبْقَى مِنَ	ترجمہ: عنقریب میری اُمت پر ایسا زمانہ
الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا مِنَ الْقُرْآنِ	آنے والا ہے جب اسلام کا صرف نام اور قرآن
إِلَّا رَسْمُهُ فُقَهَاءُ ذَلِكَ الزَّمَانِ	کے صرف الفاظ ہی باقی رہ جائیں گے اس زمانہ کے
شَرُّ الْفُقَهَاءِ تَحْتَ ظِلِّ السَّمَاءِ	فقہاء آسمان کے نیچے رہنے والے فقیہوں میں سب سے
مِنْهُمْ خَرَجَتِ الْفِتْنَةُ وَإِلَيْهِمْ	زیادہ شریر ہوں گے ان ہی کی وجہ سے فتنہ پیدا
تَعُودُ۔ (مشکوٰۃ)	ہوگا اور اس کی بدولت ہی ان ہی کو بھگتنی ہوگی۔

بہرحال تمام ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ مولانا کے غصہ بھرے الفاظ ہمارے معقول استدلال کا جواب ہرگز نہیں ہو سکتے۔

(۲) مجتہد صاحب نے اپنے رسالہ میں ہم پر تحریف کا الزام بھی عائد فرمایا ہے جو ان کے نزدیک ہم سے دانستہ طور پر سرزد ہو گئی ہے چونکہ ہمیں اختصار مدنظر تھا اس لئے بے ضرورت عبارتیں نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ ہم موجودہ اشاعت میں ان کی اس شکایت کا ازالہ کر دیں گے اور ناظرین خود فیصلہ کریں گے کہ ہمارا استدلال پھر بھی اپنی جگہ بدستور ہے۔

(۳) مجتہد صاحب نے اپنے ناظرین کو ان اغلاط کی طرف بھی متوجہ فرمایا ہے جو ان کے نزدیک ہم سے روایت کے ترجمہ کے متعلق سرزد ہو گئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کسی بیان یا روایت کا ترجمہ خود نہیں کیا بلکہ اصل بحار الانوار کے مستند فارسی ترجمہ کو اپنے سامنے رکھا ہے جو خود حکومت ایران کے یہاں سے تبریز میں شائع کیا گیا ہے اس لئے ترجمہ کی اگر کچھ غلطیاں ہیں تو اس کی ذمہ داری

بحار الانوار فارسی مطبوعہ تبریز پر ہے ہم پر نہیں لیکن ہمیں ان غلطیوں پر اصرار نہیں سب نے ان عبارتوں کو اصل عربی سے مطابق کرکے اگر غلط پائی گئیں تو درست کردی جائیں گی لیکن ہمارے استدلال پر ان غلطیوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ان غلطیوں کی اصلاح معترضین کو کوئی فائدہ پہونچا سکتی ہے۔

(۴) حضرت امام غائب کی ولادت باسعادت کے متعلق ہم نے جو مبینہ شہادتیں پیش کی تھیں۔ موصوف نے ان غیر مستند بیانات کو معقول بنانے کی کوشش فرمائی ہے اور معجزات کے پردہ میں ان بیانات کی غیر معقولیت کو چھپانا چاہا ہے۔ لیکن معجزات کا نرخ اس قدر ارزاں نہیں ہے جس قدر کہ بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بہرحال اس مسئلہ پر بھی اس رسالہ میں انتہائی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔

(۵) رسالہ انتظار قائم آل محمد کے مصنف محترم نے اپنے رسالہ کے پیش لفظ کی ساڑھے بتیس سطروں میں بہائی تاریخ کو بیان فرماکر دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ ان کے نزدیک بہائی تاریخ داغدار ہے انھوں نے جو واقعات قلمبند فرمائے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اہل بہا کی مصدقہ یا غیر جانبدار تاریخوں کا مطالعہ نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کے سامنے ان لوگوں کا مرتب کیا ہوا لٹریچر ہے جنہوں نے اس کی ترتیب کے وقت غیر جانبداری کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ دشمنوں کے لٹریچر سے مدد لیکر اہل بہاء کو اپنے بیان کئے ہوئے تاریخی واقعات ماننے پر مجبور کرنا مستحسن طریقہ نہیں سمجھا جا سکتا چونکہ ان غیر مستند واقعات سے غلط فہمی کا پیدا ہونا لازمی امر ہے اس لئے یہاں ان کے متعلق چند سطریں لکھنا ضروری ہے جناب موصوف فرماتے ہیں کہ :

"مرزا علی محمد باب ازلی اور بہائی فرقوں کی بنیاد و اساس کی خشت اول ہیں
ازلیوں اور بہائیوں کی حقانیت علی محمد باب کی مبشریت پر موقوف ہے لہذا جب
مبشر صاحب کا دعویٰ خود ان کی تحریرات سے باطل ہو جائے گا جن کا ذکر ہم بعد
میں کریں گے تو ازلیوں اور بہائیوں کے دعاوی خود بخود باطل ہو جائیں گے۔"

گذارش ہے کہ ازلی اور بہائی فرقوں کی بنیاد و اساس کی خشت اول حضرت
علی محمد باب ہرگز نہیں ہیں اور نہ ازلی اور بہائی بابی دین کے فرقے ہیں صرف دو ہی
دین ہیں بابی اور بہائی دونوں مستقل شریعتیں ہیں اور دونوں ایک مستقل قوم
ہیں لیکن عملی طور پر تو آج بابی شریعت کے ماننے والوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے
البتہ حضرت علی محمد باب دین بہائی کے مبشر ضرور ہیں جن کی مبشریت کو آپ
ان کی تحریروں سے باطل فرمانا چاہتے ہیں لیکن دین بہائی کی حقانیت حضرت
علی محمد باب کی مبشریت پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ ایک مستقل دین ہمیشہ
اپنی صداقت کے مستقل دلائل اپنے ساتھ لایا کرتا ہے۔ وہ کسی کی بشریت
کا محتاج نہیں ہوا کرتا مثلاً سرکار دو عالم حضرت پیغمبر اسلام مستقل پیغمبر ہیں اور
ان کے مستقل دلائل ان کی رسالت کو ثابت کرتے ہیں ان کی رسالت حضرت مسیح یا
حضرت موسیٰ کی مبشریت تسلیم کرنے پر ہرگز موقوف نہیں۔ بلکہ آنحضرت کی تصدیق
اور رسالت اگر نہ ہو تو خود ان دونوں عظیم الشان اور مستقل پیغمبروں کی مبشریت
بکہ نبوت بھی ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح دین بہائی چونکہ ایک مستقل دین ہے
اس لئے وہ اپنی صداقت کے لئے حضرت علی محمد باب کی بشارت کا محتاج ہرگز
نہیں ہے بلکہ دین بہائی کی صداقت اور اس کی تصدیق پر خود ان کی مبشریت کی

بقا موقوف ہے اس لئے جناب موصوف کو حضرت بہائی شریعت کی باتیں کرنے کی زحمت نہ فرمانی چاہئے بلکہ دین بہائی کے ابطال کے لئے مستقل تیاری کرنا چاہئے گرچہ

"ایں خیال است و محال است و جنوں"

اس کے بعد جناب موصوف لکھتے ہیں کہ:

"ایک مدت تک مرزا حسین علی بہاء اللہ اپنے بھائی کے مطیع بلکہ مبلغ بنے رہے —"

حضرت بہاء اللہ ابتداء میں حضرت علی محمد باب کی شریعت کے پیرو اور مطیع تھے اور ان کے بھائی بھی مطیع تھے اس لئے حضرت بہاء اللہ کے متعلق اپنے چھوٹے بھائی کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت بہاء اللہ کے چھوٹے بھائی کا دعویٰ صاحب شریعت ہونے کا کبھی نہیں ہوا اس لئے حضرت بہاء اللہ کا اپنے بھائی کا مبلغ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

موصوف فرماتے ہیں کہ:

مصلحت وقت کی بنا پر ہمارے سامنے اہل بہاء ہمارے خدا نبی اور کتاب کا انکار نہیں کرتے لیکن درحقیقت ان کا خدا الگ کتاب نبی سب نئے ہیں —

اس ریمارک کے مستحق دراصل ہم نہیں بلکہ آپ ہیں کیونکہ ایک ہزار سال سے آپ قرآن مجید کو محرّف مانتے چلے آتے تھے دیکھئے تفسیر صافی وغیرہ لیکن اب مصلحت وقت کی بنا پر آپ نے یہ رنگ ذرا ہلکا کر دیا ہے ورنہ آپ قرآن کو اصلی قرآن نہیں مانتے جب آپ کے نزدیک یہ اصلی قرآن ہی نہیں ہے اور نہ

اعتراض کر دے تو ہمارے اور آپ کے دونوں کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ نے شریعت حضرت باب کی پیروی فرمائی اور کسی صاحب شریعت پیغمبر کا کسی گذشتہ شریعت کا پیرو اور مطیع ہونا اس کے پیغمبر یا بانی دین ہونے کے منافی ہرگز نہیں۔ حضرت مسیح صاحب شریعت پیغمبر تھے لیکن آپ نے حضرت یحییٰ کی شریعت کی اطاعت فرمائی اور ان کی شریعت کی تبلیغ فرماتے رہے۔ حضرت یحییٰ صاحب شریعت، و صاحب کتاب تھے بپتسمہ دینا اور خدا کی بادشاہت کے لئے لوگوں کو طیار کرنا یعنی حضرت مسیح کے ظہور کو قبول کرنے کی استعداد لوگوں میں پیدا کرنا ان کی شریعت کے قوانین میں سے ایک قانون تھا اور اگر یہ بات غلط ہے تو فرمائیے کہ شریعت تورات میں تو یہ قانون تھا نہیں پھر حضرت یحییٰ کے پاس یہ قانون کہاں سے آیا۔ یہی شریعت یحییٰ کا وہ قانون ہے جس کو حضرت مسیح نے اپنی شریعت میں باقی رکھا اور جس پر عیسائی آج تک عامل ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسی قانون کی اطاعت فرماتے ہوئے حضرت مسیح نے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لیا۔ حالانکہ حضرت یحییٰ کہتے رہے کہ اے استاد میں تجھے بپتسمہ کیونکر دوں میں تو تیری جوتیوں کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں۔ مگر حضرت مسیح نے فرمایا کہ اب تو ایسا ہی ہو جانے دے تاکہ نوشتہ پورا ہو جائے اسی طرح حضرت بہاء اللہ نے حضرت باب کی شریعت کی اطاعت کی تاکہ نوشتہ پورا ہو جائے یعنی لکھا تھا کہ "مسیح مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے"۔

قرآن مجید بھی یہی فرماتا ہے: "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ" اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ یہ وہی کتاب و شریعت تھی جو حضرت یحییٰ پر نازل ہوئی تھی

جس کی اطاعت حضرت مسیح نے فرمائی۔

حضرت پیغمبر اسلام کو خدا حکم دیتا ہے کہ "فاتبع ملّۃ ابراھیم حنیفاً" اے رسول دین ابراہیم کی اطاعت کرو اور آپ نے اطاعت فرمائی اور اس کے باوجود نئے دین کی بانی قرار پائے۔

جناب موصوف ایک اور اہم سوال فرماتے ہیں کہ:

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ یعنی جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اس آیت کی موجودگی میں کیا آپ دائرۂ اسلام میں رہ سکتے ہیں؟

جی ہاں رہ سکتے ہیں کیونکہ اسلام کے لغوی معنی ہیں "گردن نہادن اطاعت" اور اصطلاح شرعی میں اس کے معنی ہیں احکام خداوندی کی اطاعت کرنا اصلی دین اور حقیقی اسلام یہی ہے اور یہی دین ہے جو آدم سے لیکر تا خاتم سب پیغمبروں پر نازل ہوا تھا۔ حالانکہ تمام پیغمبروں کی شریعتیں الگ الگ تھیں احکام سب کتابوں کے جدا جدا تھے۔ ایک شریعت کی حلال چیزیں دوسری شریعت میں حرام تھیں اس کے باوجود ہر پیغمبر کا دین اسلام تھا اور اس کے ماننے والے مسلمان تھے اور وہ سب دائرۂ اسلام میں داخل تھے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ

ھُوَ سَمّٰکُمُ المسلمین من قبل و فی ھذا۔ ہم نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اب بھی۔

یعنی اطاعت احکام خداوندی کرنے والے اختلاف احکام کے باوجود مسلم تھے حالانکہ انھوں نے اپنے آپ کو مسلمان کبھی نہیں کہا نہ وہ مسلمان کہلائے

نہ آج تک یہودی اور عیسائی وغیرہ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن خدا ان کو مسلمان کہتا ہے کیونکہ وہ اس زمانہ میں خدائی احکام کی اطاعت کر رہے تھے۔ اس لئے دین بہائی چونکہ خدا کا دین ہے اور خدا نے اس کو حضرت بہاء اللہ پر نازل فرمایا ہے اس لئے دین بہائی وہی دین قدیم ہے جو ہمیشہ اسلام تھا اور رہے گا و اس کے ماننے والے مسلم ہیں کیونکہ آج خدائی احکام یہی ہیں جو شریعت بہائی کے ذریعہ ہمیں ملے ہیں البتہ مسلمانوں کی اصطلاح کے مطابق اہل بہاء خود کو مسلمان نہیں کہتے جس طرح کہ مسلمانوں سے پہلے کی اقوام نے خود کو مسلمان کبھی نہیں کہا۔

اس کے بعد فاضل محترم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔	یعنی خدا فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت دین کو تم پر تمام کر دی اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا دین

اگر آپ قرآن کو مانتے ہیں تو تکمیل دین کے بعد کسی دوسرے دین کا دعویٰ کرنا بارہ میں ہے یا نہیں ——

جواب: ملاحظہ فرمائیے کہ خدا سورۂ یوسف میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَا اَتَمَّهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ۔	اے یوسف خدا تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت دین کی اسی طرح تمام کرے گا جس طرح اس نے تیرے آباؤ اجداد ابراہیم و اسحاق پر تمام کی تھی۔

اس کے بعد سورۂ اعراف میں فرماتا ہے کہ:

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ مَوْعِظَةً	ہم نے موسیٰ کی لوح میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی

کامل کا مطلب درست نہیں سمجھا گیا اس لئے یہ غلطی ہوتی ہے کہ لوگ کامل دین کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ بس اب شریعت اور دین کا نزول بند ہو چکا ہے حالانکہ ہر زمانہ میں ہر قوم کی ضرورت کے مطابق ہر قوم کو کامل دین دیا گیا لیکن مقتضیات زمانہ تبدیل ہو جانے کی وجہ سے پہلا کامل دین کامل نہیں رہتا بلکہ نئے زمانہ کی ضروریات کے مطابق پھر ایک نئے کامل دین کی ضرورت ہوتی ہے آج چونکہ وہ حالات نہیں رہے جو اب سے تیرہ سو سال پہلے تھے اور آج کی ضروریات نئی ہیں اس لئے آج پھر ایک نئے کامل دین کی ضرورت ہے جو موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا کرتا ہو اسی کامل دین کا نام دین بہائی ہے۔

رسالۂ انتظار قائم آل محمد کی تاریخی فروگذاشتوں کی اصلاح اور اس کے ضروری سوالات کا جواب دینے کے بعد ہم اپنے پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں اور ہمارے اصل موضوع یعنی ظہور قائم آل محمد پر انھوں نے جو تنقیدیں فرمائی ہیں ان کا جواب ہم صفحات آیندہ میں حسب موقع و محل تحریر کریں گے۔

رسالۂ ظہور قائم آل محمد کا جدید اڈیشن حسب ضرورت ترمیم و اضافہ کے ساتھ حاضر خدمت ہے جس پر ہم معقول اور منصفانہ تنقید سننے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ شیعہ صاحبان علم اور ارباب قلم اپنے قیمتی خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔

سید ابوالحسن رضوی جارچوی

کراچی

باب اوّل

وعدہ کا دن

تمام آسمانی صحیفوں اور مقدس کتابوں میں ایک نہایت ہی شاندار زمانہ اور ایک عظیم الشان پیغمبر کی آمد کے متعلق بکثرت پیش گوئیاں پائی جاتی ہیں جو زبان زد خاص و عام ہیں۔

ہندو مذہب: ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ ست جگ یعنی سچائی صداقت اور راستبازی کے شاندار زمانہ کا آنا ضروری ہے اور اس زمانہ کو کلکی اوتار شروع کرے گا۔ اسی لئے ہندو قوم کا خیال ہے کہ جب یہ زمانہ آئے گا تو تمام دنیا میں امن قائم ہو جائے گا سب کا دینی عقیدہ ایک ہی ہوگا اور ساری دنیا ہندو مذہب قبول کرے گی۔

(شانتی پرو مہابھارت)

بودھ مذہب: کی مقدس کتابوں میں حسب ذیل بیان پایا جاتا ہے:

میں پہلا بودھ نہیں ہوں جو دنیا میں آیا ہو اور نہ ہی میں آخری ہوں وقت آنے پر ایک دوسرا بودھ دنیا میں قیام کرے گا وہ بہت مقدس نہایت نورانی۔ انسانوں کا لاشریک رہبر اور فرشتوں کا اور فانیوں کا مولیٰ

زرتشتیوں کی ایک کتاب دینکرد میں خدا فرماتا ہے کہ:

چون یک ہزار و دویست واند سال
تازی آئین بگذرد ہوشیدر پیغمبری
برانگیختہ شود۔

ترجمہ: جب دین عربی یک ہزار دو سو چند سال کا ہو جائے گا تو ہوشیدر (حضرت باب) پیغمبر مبعوث ہوگا۔

حضرت زرتشت ایرانی پیغمبر کو خدا اس طرح خطاب فرماتا ہے:۔

من ترا میانہ آفریدم ہم چناں کہ از تو
تا کیومرث سہ ہزار سال است
از تو تا روز رستاخیز سہ ہزار سال
خواہد بود۔ پس از غلبہ تازیان و پریشانی
ہمدینان در ایران بزرگی را از نژاد
خسروان برانگیزم تا جہان را
از خاور تا باختر بہ یزدان پرستی
گرد آرد۔ (دبستان مذہب)

ترجمہ: میں نے اے زرتشت تجھے درمیان میں پیدا کیا ہے اس طرح کہ کیومرث پیغمبر سے لے کر تجھ تک تین ہزار سال گذر چکے ہیں اور تجھ سے آیندہ تین ہزار سال کے بعد یوم قیامت ہوگی۔ (بہائیوں کی اصطلاح میں یوم قیامت کو یوم بعثت پیغمبر کہتے ہیں) جب عربوں کی تباہی ورعب ہوگا تب بعد ایران میں شاہی نسل سے ایک بزرگ پیدا ہوگا جو تمام دنیا کو مشرق سے لیکر مغرب تک خدا پرست بنا دے گا۔

اس لئے زرتشتیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک شاہی نسل سے پیدا شدہ ایرانی پیغمبر تمام دنیا کو زرتشتی مذہب پرست بنائے گا اور تمام دنیا زرتشتی مذہب اختیار کرے گی۔

یہودی مذہب: اشعیا نبی نعص کی آیات اس طرح شروع ہوتی ہیں:
آخری دنوں میں یوں ہوگا کہ خداوند کے گھر
کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر قائم کیا جائے گا اور ٹیلوں سے

بلند ہوگا اور سب قومیں وہاں پہنچیں گی بلکہ بہت سی اُمتیں
آئیں گی اور کہیں گی آؤ خداوند کے پہاڑ پر چڑھیں یعنی یعقوب
کے خدا کے گھر میں داخل ہوں اور وہ ہمیں اپنی راہیں بتا دیگا
ہم اس کے راستوں پر چلیں گے۔ کیونکہ شریعت صیہون سے دی
جائے گی اور خداوند کا کلام یروشلم سے صادر ہوگا اور وہ قوموں
کے درمیان عدالت کرے گا اور بہت سی امتوں کو ڈانٹے گا اور
وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر پھالیں اور اپنے بھالوں کو ہنسوے
بنا ڈالیں گے اور قوم پر قوم تلوار نہ چلائے گی اور وہ پھر کبھی
جنگ کرنا نہ سیکھیں گے"

اسی لئے تمام یہودی قوم کا یہ اعتقاد ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح آئے گا اور تلوار کے ذریعہ سے تمام دنیا میں شریعت توریت کو پھیلائے گا اور تمام دنیا یہودی دین کی پیروی کرے گی۔

دینِ عیسوی: حضرت مسیح سے جب ان کی دوبارہ آمد کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

"جب زمانہ تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا سورج تاریک
ہو جائے گا اور چاند روشنی نہ دے گا ستارے آسمان سے
گر پڑیں گے۔ زمین کی قوتیں ہلا دی جائیں گی اس وقت آسمان پر
ابن انسان کی علامات ظاہر ہوں گی اور تمام قومیں چھاتی پیٹیں گی
اور لوگ ابن انسان کو بڑے جاہ و جلال سے بادلوں پر سوار ہو کر

آتے دیکھیں گے اور وہ اپنے فرشتوں کو صور کی بڑی آواز کے
ساتھ روانہ کرے گا۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں
مگر اب تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی
سچائی کی روح آئے گا تو تم کو سچائی کی تمام راہ دکھائے گا۔
اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی
کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا"
اس وجہ سے تمام عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ آئیں گے
اور تمام دنیا عیسائی مذہب اختیار کرے گی۔

اسلام: خدا قرآن مجید کی سورۂ زمر میں اس آخری زمانہ کے متعلق اس طرح
ارشاد فرماتا ہے:

"اور صور پھونک دیا جائے گا اور آسمانوں اور زمینوں کے رہنے
والے بیہوش ہو جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جن کو خدا چاہے
پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے
اور زمین خدا کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب وضع کی جائے گی
(جس کی خبر دینے کے لئے) خبر دینے والے اور گواہی دینے والے
آئیں گے اور لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائیگا
اور وہ تاریکی میں نہ رہیں گے۔"

اسی مضمون کو سورۂ رعد میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے:

لکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم — یعنی تمام قوموں کا ایک رسول ہے جب وہ رسول

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ — آجائیگا تو قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کردیا

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ — جائیگا اور لوگ ذرا بھی ظلم میں نہ پڑے رہیں گے اور لوگ کہتے ہیں

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ — کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

(یعنی پیغمبر اسلام کے بعد ایک رہنما آئے گا جو تمام قوموں کے اختلافات کا فیصلہ کرکے دنیا میں امن قائم کردے گا اور تمام دنیا میں ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی دین ہوگا کیونکہ قوموں کے اختلافات باقی نہ رہیں گے)

"پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ جب زمین پر ظلم پھیل جائے گا تو میری امت کا ایک شخص زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور وہ ۹ سال سلطنت کرے گا۔" (بحارالانوار)

اسی لئے مسلمانوں کا یہ مستحکم عقیدہ ہے کہ مہدی اور مسیح دو شخص آئیں گے اور کافروں کو قتل کرکے تمام دنیا میں اسلام پھیلا دیں گے۔ دین اسلام کے سوا کوئی اور دین اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم باقی نہ رہے گی۔

ان تمام بیانات سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ تمام مذہبی کتابوں میں ایک روحانی و مذہبی رہنما کے روشن زمانہ کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے جبکہ تمام دنیا میں ایک ہی دین ہوگا ایک عقیدہ ہوگا اور ایک ہی قوم ہوگی۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہر قوم اور قوم کا ہر فرد اس زمانہ کی آمد کا منتظر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دنیا میں صرف ایک دین اور ایک عقیدہ کے قیام اور عمل میں لانے کا طریقہ کیا ہوگا؟

ایک طریقہ تو وہ ہے جیسا کہ بعض قوموں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں کا

ہوگئے اور آخرکار ان اختلافات کی بدولت آج اس کا یہ حال ہے کہ اسلام کا
صرف نام اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں۔ ان اختلافات میں سب سے
بڑا اور اہم اختلاف یہ ہے کہ کچھ ناگوار اور تلخ اسباب کی بنا پر خلافت اسلام
کا کوئی مضبوط اور واضح پروگرام کتاب الٰہی میں معین نہ ہو سکا اور نہ حضرت پیغمبر
اسلام کی طرف سے کوئی فیصلہ کن اقدام کیا جا سکا اور اس وجہ سے اسلام میں نہ
صرف دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ پیدا ہو گئے بلکہ ان دونو فرقوں میں بھی کثیر التعداد
فرقے عمل میں آگئے۔ جب کسی امام اور خلیفہ کی امامت و خلافت کا وقت آتا
تھا تو شدید اختلاف پیدا ہو جاتا تھا اور اس کے نتیجہ میں ایک نیا فرقہ قائم ہو جاتا
تھا فرق صرف اتنا تھا کہ سنی فرقہ میں یہ اختلافات صرف فقہی اور فروعی سے تھے
جن کی کچھ زیادہ اہمیت نہ تھی لیکن شیعوں میں اس کے علاوہ اور بہت سے
مسائل میں اختلافات ہوئے جن میں سب سے بڑا اختلاف مسئلہ امامت کے
متعلق ہوا اور چونکہ دیگر الہامی کتابوں میں ایک خاص زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں چلی
آتی تھی اور لکھا تھا کہ دو عظیم ہستیاں اس زمانہ اور روشن زمانہ کا افتتاح
کریں گی اس لئے قرآن مجید جو تمام گذشتہ الہامی کتابوں کا مصدق ہے اس میں
بھی اس پیشین گوئی کو دہرایا گیا اور حضرت پیغمبر اسلام نے اپنی مخصوص اصطلاح
میں ان دو عظیم ہستیوں کو مہدی اور مسیح کے ناموں سے بیان فرمایا تھا اور چونکہ
مہدی کے متعلق آپ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہوگا اس لئے
شیعوں نے امامت کے ساتھ مہدی کے مسئلہ کو بھی مربوط کر دیا اور امامت
کا اختلاف اس طرح شروع ہوا کہ جن لوگوں نے حضرت پیغمبر اسلام کے بعد

اس کا نام توقیع رکھتے اور کہتے کہ یہ خط امام کے پاس سے آیا ہے۔ اس حیلہ سے ان
لوگوں نے بھی "بنام مبہم امام" اس زمانہ کے شیعوں سے روپیہ وصول کرنا شروع
کیا اور ۶۹ سال تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ آہستہ آہستہ یہ عقیدہ شیعوں
کے دل میں اپنی جگہ پاتا رہا اور زیادہ تر اس عقیدہ کے حامی وہ لوگ تھے جو
دور دراز علاقوں ایران و ہندوستان میں رہتے تھے اور جن سے ان لوگوں کی
خط و کتابت تھی اور دور رہنے کی وجہ سے اصل حالات سے واقف نہ تھے لیکن
خاص اس مقام پر جہاں اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کو کچھ زیادہ فروغ
حاصل نہیں ہوا۔ عرب کے شیعہ خاص طور پر اہل سنت اس عقیدہ کو موہوم بات
کہتے تھے چنانچہ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ما آن للسرداب ان یلد الذی	سرداب کو ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اس کو پیدا کرے
کلمتموہ بزعمکم انسانا	جس کو تم اپنے خیال میں انسان کہتے ہو
فعلی عقولکم العفاء فانکم	تمہاری عقلوں پر خاک ہو تم نے عنقا اور غول کے ساتھ
ثلثتم العنقاء والغیلانا	ایک تیسرا اور ملا دیا جو ہستی نہیں رکھتا

الغرض جب چوتھے نائب محمد بن عثمان سمری کی وفات کا وقت آیا تو ان کو
اس عقیدہ کا نبھانا دشوار ہوا اور اس راز کو درون پردہ رکھنے کی کوئی تدبیر نظر
نہ آئی اس لئے انہوں نے ایک اور شگوفہ چھوڑا کہ اب غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے اب
خط و کتابت اور نائبین کے ذریعہ بھی کاروائی نہیں ہو سکتی۔ اب باب ہدایت
نامعلوم مدت تک کے لئے مسدود ہے یہ کہہ کر شیعوں کو خدا کے حوالہ کیا اور اس
جہان فانی سے رخصت ہوئے اور اس طرح یہ راز سربستہ ہو گیا۔ قرون وسطی

ہیں علمائے شیعہ نے اس مسئلہ کی طرف زیادہ توجہ فرمائی اور اس عقیدہ کے اثبات میں متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سب سے بہتر کتاب اکمال سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے لائق احترام مصنف نے اس عقیدہ کو ثابت کرنے میں بڑی محنت کی ہے لیکن ثابت پھر بھی نہ ہو سکا کیونکہ امام زمانہ کی غیبت کو غیبتِ انبیا سے تشبیہ دیتے ہوئے ایسی روایات درج کی ہیں جن سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً لکھا ہے کہ نوح نے وفات پائی اور غیبت واقع ہو گئی اس کے ایک عرصہ کے بعد صالح نبی ہوئے اس قسم کی روایات سے شخص ہزار سالہ کی غیبت ثابت نہیں ہوتی۔

جب سلاطین صفویہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے علامہ مجلسی کو حکم دیا کہ وہ شیعہ عقائد کے متعلق کچھ کتابیں مرتب کریں ان کی بحار الانوار جلد ۱۳ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو عقیدہ امام غائب سے متعلق روایات پر مشتمل ہے لیکن یہ روایات اس قدر متباین اور متناقض ہیں کہ انسان کو مبہوت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں ان کے علاوہ اور بہتوں نے بھی شیعہ عقائد کے متعلق کتابیں لکھیں اور اس عقیدہ پر بھی کافی بحث کی ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ آیا یہ بات ممکن ہے کہ امام ہزاروں برس تک جسم عنصری میں زندہ رہ سکے اور اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ خضر اور الیاس اب تک زندہ ہیں اس لئے امام ہزاروں برس زندہ رہ سکتے ہیں حالانکہ خضر و الیاس کا اب تک زندہ رہنا خود محل بحث ہے اور ثابت ہونا مشکل ہے۔ غرض یہ عقیدہ آہستہ آہستہ پھیلتا چلا گیا اور نوبت یہ پہونچی کہ اس عقیدہ کے منکر پر مرتد اور واجب القتل ہونے کے فتوے دئے جانے لگے۔

حالانکہ منکر امام کو قرن اولیٰ میں مرتد و کافر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ نہ سنی شیعوں
کو کافر کہتے تھے نہ شیعہ سنیوں کو۔ حالانکہ ان کے درمیان بہت اختلافات
تھے۔ جب اس عقیدہ نے زیادہ زور پکڑا تو حضرت امام لوگوں کو خواب میں
دکھائی دینے لگے۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں رسائی حاصل کرتا تو کوئی جنگلوں
میں ان کی زیارت سے مشرف ہوتا۔ کوئی یہ بے پر کی اڑانے لگا کہ میری کشتی
ٹوٹ گئی تو امام زمانہ نے مجھے غرق ہونے سے نجات دی۔ کسی نے ایک شہر نا بسا
گھڑ لیا اور کوئی کہنے لگا کہ میں راستہ بھول کر اتفاق سے ایک شہر میں جا پہنچا
جس کا نام جابلقا تھا۔ وہاں میں نے امام زمانہ کو مسلمانوں پر سلطنت کرتے
دیکھا۔ ان کی اولاد بھی دیکھی ایک کا نام ہاشم تھا دوسرے کا قاسم
اور تیسرے کا طاہر۔ ان بادشاہوں اور عالموں کے خوف سے جو اس عقیدہ کی
پرورش کر رہے تھے کسی شخص میں اتنی جرأت بھی نہ تھی کہ خلوت میں بیٹھ کر
اس عقیدہ پر کچھ تنقید کر سکے بلکہ اس عقیدہ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ مجتہد
لوگ بھی جب ان کے دل میں کبھی اس عقیدہ کے خلاف کوئی خیال پیدا ہوتا تھا
تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ خود ہماری خباثت نفس کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور عقیدہ
کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور تھے حتیٰ کہ تیرھویں صدی کا آفتاب غروب ہوا اور
اس تباہ کن عقیدہ کی ظلمت دور ہونی شروع ہوئی۔ وراثت آل محمد کے منصب
کے حقیقی وارث نے اپنا منصب سنبھالا۔ ان الباطل کان زھوقا۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آل
محمد کے منصب کے بارے میں اہل بہاء کا کیا عقیدہ ہے اور شیعہ کیا عقیدہ

رکھتے ہیں اور شیعوں کے اس عقیدہ کا پس منظر کیا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بہائیوں اور شیعوں کے باہمی اختلاف کو دور کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ان دونوں عقیدوں میں سے صحیح عقیدہ کس کا ہے اور کیوں؟

باب دوم

عقیدہ امام غائب پر ایک اصولی نظر

قبل اس کے کہ بہائی عقیدہ مہدویت کی روشنی میں زیر بحث لایا جائے نامناسب نہ ہوگا کہ شیعہ حضرات کے موجودہ عقیدۂ امام دوازدہم پر درایت وعقل کے لحاظ سے ایک گہری نظر ڈالی جائے۔

شیعہ استدلال اور عقل

(۱) چونکہ مخلوق گناہگار اور خطاکار ہے۔ ہادی حقیقی خداوند عالم پر فرض ہے کہ وہ کسی ایسی طاقت کو ہر وقت دنیا میں برقرار رکھے جو مخلوق کی رہنمائی کرتی رہے تاکہ لوگ صراط مستقیم سے بھٹکنے نہ پائیں اسی طاقت کا نام پیغمبر اور امام ہے۔ پیغمبر کے ذریعے سے خدا قانون نازل کرتا ہے اور اس کے بعد خدا کے حکم سے اس کا مقرر کیا ہوا جانشین امام کہلاتا ہے جو اس قانون کو نافذ کرتا رہتا اور مشکلات قوم کو حل کرتا رہتا ہے۔

(۲) حضرت پیغمبر اسلام کے بعد خدا کے حکم سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام مقرر فرمائے گئے اور اب ان کے آخری فرزند حضرت محمد بن

معاملہ بھی پیغمبر اور کتاب ہی کی مانند ہوتا ہے جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں
کہ پیغمبر خدا کے حکم سے اس کو معین کرتے ہیں تاکہ یہ منصب محض
قوم کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑا جا سکتا نہ پیغمبر کے صرف زبانی بیانات پر
چھوڑا جا سکتا ہے بلکہ اس کا اعلان باقاعدہ قانونی یعنی الہامی کتاب میں
ہونا چاہئے تاکہ اس کا انکار ممکن نہ ہو۔ اسی لئے الہامی کتابوں میں اس
منصب خلافت کا باقاعدہ اعلان فرمایا گیا ہے مثلاً توریت کا قانونی
اعلان سنئے:

"خدا نے موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے اپنے بھائی ہارون
اور اس کے بیٹوں کو اپنا مقرب بنا لے یعنی ہارون اور اس کے بیٹے
ناداب۔ ابیہو۔ العزر اور اتمار کو تاکہ وہ میرے کاہن بنیں
اور اپنے بھائی ہارون کے لئے مقدس لباس تیار کرنا کہ ان
کی عزت اور زینت میں اضافہ ہو اور تو ان سب دانشمندوں
سے جن میں میں نے اپنی روح حکمت بھر دی ہے یہ کہہ دے کہ
وہ ہارون کا لباس تیار کریں تاکہ وہ مقدس ہو کر میرا کاہن بنے"

اسی طرح انجیل مقدس کا اعلان ملاحظہ ہو۔

"حضرت عیسیٰ یعنی حضرت شمعون کے متعلق فرماتا ہے کہ "تو
میری چٹان ہے جس پر میں اپنی کلیسا بناؤں گا"

اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں کہ توریت و انجیل مقدس میں دین موسوی
و عیسوی کے یہ شاندار اعلان ہیں اور ایک فیصلہ کن ہدایت ثابت ہوئی۔

وجہ ہے کہ یہودی اور عیسائی قوم میں اس بنیادی مسئلہ پر اختلاف
نہ ہو سکا اور جیسے ہی حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح نے اپنی جگہ خالی
کی فوراً لوگوں نے خدائی تعیین کے مطابق اپنے معین مرکز کو تسلیم کر لیا
خدا کے حکم سے جانشین پیغمبر کا معیّن ہونا اسے کہتے ہیں۔ حضرت ہارون
اور حضرت شمعون کے حق میں اپنی مسلّمہ اور ناقابل انکار جانشینی کی جو
قانونی سند موجود ہے کیا فرقہ شیعہ حضرت علی بن ابی طالب اور ان کی
اولاد کے متعلق بھی ناقابل انکار قانونی دستاویز پیش کر سکتا ہے یقیناً
نہیں۔ ہم سب نے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے قابل صد احترام
جانشینوں کے تمام فضائل کے باوجود جو حضرات شیعہ بیان فرماتے
ہیں عزت سے ہمیں بھی انکار نہیں ہے جہاں تک قانونی پہلو کا
تعلق ہے وہ شیعہ حضرات کا ساتھ نہیں دیتا یعنی کتاب مقدس توریت
و انجیل مقدس کے اعلان کی طرح اسلامی خلافت کا کوئی واضح اور
غیر مبہم پروگرام نہیں دیا گیا اور حضرت علی علیہ السلام اور ان کے
گیارہ جانشینوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے اور اس مسئلہ کا
انحصار صرف احادیث و اخبار پر ہے جن میں اختلاف ہے جس کا
فیصلہ آج تک نہ ہو سکا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ دو مختلف فریق آپس میں
مدعی و مدعا علیہ تو بن سکتے ہیں مگر قاضی نہیں بن سکتے۔ اس لئے جب
کتاب الٰہی میں اسلامی خلافت کے لئے کسی شخص کی تقرری کا اعلان
نہیں کیا گیا تو انصاف یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گیارہ

جانشینوں کی خلافت و امامت تو کسی طور پر ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی جب صورت حالات یہ ہے تو امام دوازدہم کی خلافت و امامت تو ایک حرف رہی خود حضرت علی کی امامت بھی ثابت نہیں اس لئے حضرت امام دوازدہم امام نہیں اور جب امام نہیں تو منصب قائمیت تو بہت دور کی بات ہے۔

(۳) اگر بارہ جانشینوں کی خلافت و امامت کو کسی نہ کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ اگر روئے زمین پر ہر وقت امام کا وجود لازمی ہے تو امامت کا حصر بارہ شخصوں میں ہی کیوں ہے جب تک روئے زمین باقی ہے سلسلہ امامت کو جاری رہنا چاہئے صرف بارہ ہو پر امامت کو موقوف کر دینا ہرگز قرین عقل نہیں ہے مثلاً یہودی قوم میں حضرت مسیح کی آمد سے قبل برابر انبیاء یا کاہنوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس طرح اسلام میں بھی یہ سلسلہ صرف بارہ میں محدود نہ رہ کر آگے بڑھتا تو اس میں خلاف عقل کیا بات ہے۔

(۴) بالفرض گر بارہ ہی اشخاص میں امامت کا حصر کسی مصلحت پر مبنی تھا تو بارھویں جانشین کو قوم کے سامنے ہونا چاہئے تھا اس کو روپوش کیوں کیا گیا اگر خوف قتل سے کیا گیا تو وہ کون سا امام تھا جسے ایسا خوف نہیں رہا امام کو ہر حال میں فرض ادا کرنا چاہئے خوف قتل ہوتا نہ ہوتا اس روپوشی سے امام کا وہ فائدہ تو گیا جو آپ نے بتایا تھا کہ دین کے نفاذ اور قومی مشکلات کے حل کے لئے امام کا ہونا لازمی ہے بارھویں جانشین

اور ہر عالم و جاہل سے مخاطب ہیں اس لئے ہر شخص پر ان کی بات ہی حقیقی
حجت ہے نہ کہ تقلید علماء۔ چونکہ ہماری عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ان
دونوں دعوے اپنی جگہ بالکل درست اور مطابق عقل و کتاب الٰہی ہیں
اس لئے ہم ان کے دعوے پر ایمان لاتے ہیں اور ان علماء کی رائے کو
درست نہیں سمجھتے جو ان کے دعویٰ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ اور تقریباً
دیگر شیعہ علماء ایران کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ انہوں نے فقہ شیعی
مذہب کو تا حال خود تسلیم کیا اور اپنے خون سے ان کی صداقت کی عملی
شہادت دنیا کے سامنے پیش کی۔

خلاصہ

(۱) انسانوں کو خطاکار ہونے کی وجہ سے ہر وقت معصوم رہنما کی ضرورت
ہے جس کی چار قسمیں ہیں:
(۱) کتاب الٰہی (۲) پیغمبر (۳) جانشین پیغمبر جن کو کتاب الٰہی واضح طور
پر متعین کرے (۴) علماء حق جو مطابق کتاب الٰہی فیصلہ کریں۔ توریت و
انجیل و قرآن سے یہ چار حجتیں ثابت ہیں۔

(۲) علماء حق یعنی چوتھی حجت کی موجودگی میں تیسری حجت یعنی پیغمبر کے جانشینوں
کا ظہور ختم ہو جانا چاہئے۔

(۳) جو لوگ چوتھی حجت یعنی علماء حق کے فیصلہ کو معصوم تسلیم نہیں کرتے ان پر
تیسری حجت یعنی جانشین پیغمبر کی موجودگی کا باقاعدہ اور واضح ثبوت

باب سوم

عقیدۂ امام غائب اور روایات و اخبار

باب دوم میں ہم عقل و درایت اور کتاب الٰہی سے عقیدۂ امام غائب کو باطل کر چکے ہیں اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ احادیث و روایات کے لحاظ سے یہ عقیدہ کہاں تک درست اور صحیح قرار پاتا ہے اس سلسلہ میں صحیح اور کامل تحقیقات کے لئے ہم نے شیعوں کی ایک نہایت معتبر اور مستند کتاب کو منتخب کیا ہے جو بحار الانوار مجلسی کے نام سے مشہور ہے جس کی تیرھویں جلد اسی مسئلہ کے لئے مخصوص ہے اس کتاب کو ہم نے اس لئے منتخب کیا کہ یہ کتاب ہمیشہ مستند سمجھی جاتی رہی ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی محمد باب نے جس زمانہ میں مہدویت و قائمیت کا دعویٰ فرمایا اور عوام و خواص افراد ہمارا نہایت جوش و خروش سے ایمان لانے لگے تو حکومت ایران کے ایما پر اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرایا گیا اور تبریز میں چھپوا کر تمام ایران میں شائع کیا گیا تاکہ لوگ بابی فتنہ سے محفوظ رہیں اور گمراہ نہ ہوں اگر اس کے مقابلہ میں کوئی اور بہتر کتاب ہوتی تو اس کے ترجمہ اور اشاعت کا حکم دیا جاتا۔ جس وقت اس کتاب کا فارسی ترجمہ ایران میں شائع ہوا تو لوگ دفعتہً بیدار ہو گئے یعنی جس وقت اہل ایران نے اس

کتاب کو اپنی زبان میں پڑھا تو انہیں معلوم ہوا کہ جو کتاب حضرت علی محمد باب کے
دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے شائع کی گئی ہے وہی کتاب نہایت مضبوطی کے
ساتھ آپ کے دعویٰ کو حق بجانب قرار دیتی ہے اس طرح جب شیعہ علماء اپنے
بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس گئے تو اب نہ صرف ایران بلکہ ہندوستان و
پاکستان کے علماء کی طرف سے بھی یہ صدائیں آنے لگی ہیں کہ بحار الانوار میں دخیل
کی جا رہی ہے بہر حال شیعہ فرقہ کے نزدیک اس کتاب کے مستند ہونے میں کوئی شک
نہیں ہے۔ ہم اس کتاب سے جن روایات کو منتخب کر رہے ہیں اگر ان میں سے کچھ
روایات شیعہ علماء کے نزدیک غیر معتبر ہوں تو ہم بھی ان کو غیر معتبر تسلیم کریں گے
اور ان کے علاوہ جن روایات کو وہ معتبر قرار دیں گے ان کو اپنی بحث کے لئے
ہم قبول کریں گے۔

حضرت امام مہدی قائم کی ولادت و غیبت کے متعلق بحار الانوار میں متعدد
روایات موجود ہیں جن میں یہ پیشگوئی فرمائی گئی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام
کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوگا جو امام ہوگا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا
بذات خود یہ روایات کیا حیثیت اور کیا درجہ رکھتی ہیں اور کہاں تک معتبر ہیں
ان کے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ حضرت شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ کا
ایک بیان درج کرتے ہیں جو بحار الانوار فارسی مطبوعہ تبریز کے صفحہ ۸۷ پر درج شدہ ہوا۔

نیز فرزند امام حسن عسکری کی امامت و صحت غیبت پر وہ
مشہور و معروف روایات دلالت کرتی ہیں جو حضرت کے

آبائے طاہرین سے اس زمانہ سے بہت پہلے مروی ہو کر پھیل
چکی تھیں کہ صاحب الامر کے لئے غیبت ہوگی ان کی غیبت کے
یہ یہ صفات ہوں گے ان کی غیبت میں اختلاف ہوگا ان میں سے
ایک دوسری سے طولانی ہوگی پہلی غیبت میں ان کے حالات
جانے جائیں گے اور دوسری غیبت میں ان کے حالات کا علم نہ ہوگا
چنانچہ روایتوں کے مضامین کے مطابق یہ سب باتیں ہوئیں اور
اگر یہ روایات نہ ہوتیں اور حضرت حجت کی امامت درست نہ ہوتی
تو یہ مطابقت نہ ہوتی کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ انسان
نبوت سے خدا خود آگاہ نہ کردے اور یہ بھی ایک طریقہ ہے
جس پر پہلے علماء نے اعتماد کیا ہے اور ہم ان روایات میں سے
کچھ ذکر کرتے ہیں جن میں ایسی باتیں درج ہیں تاکہ ہمارے قول
کی صحت معلوم کی جا سکے۔ اس لئے ان تمام روایتوں کا ذکر کرنا
جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں طول کا موجب ہوگا۔ اور وہ سب
کتب احادیث میں موجود ہیں جو ان کو جاننا چاہتا ہو وہ ان کتابوں
سے معلوم کر سکتا ہے۔

(یہاں پر علامہ مجلسی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ پھر شیخ طوسی نے ان
روایتوں کو لکھا ہے جن کو ہم ان کے حوالہ سے سابق واقع کے باب میں نقل
کر چکے ہیں۔ اگر بطور اعتراض کہا جائے کہ یہ سب روایات احاد اور غیر متواتر ہیں
اور ایسی روایت پر اس مسئلہ میں بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے

تو ہم کہیں گے کہ ان روایات میں محل استدلال وہ حصہ ہے جس میں کسی چیز کی اس کے ہونے سے پہلے خبر دی گئی ہے اور وہ اسی طرح ہوئی جس طرح خبر دی گئی تھی تو یہ بات خود ہمارے مسلک کی صحت کی دلیل ہو گئی اس لئے کہ آئندہ ہونے والی بات کا علم بغیر عالم الغیب کے بتائے ہوئے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر صرف ایک ہی خبر وارد ہوتی اور مطابق مضمون خبر واقعہ ہو جاتا تو یہ تنہا ہی کافی ہوتا اور اس لئے قرآن کا وہ حصہ جو کسی خبر پر مشتمل ہے جو واقع ہونے سے قبل بیان ہوئی ہے نبی کی سچائی اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے اگرچہ ایسی خبروں کے مقامات قرآن میں محدود ہیں اور باوجودیکہ ایک خبر واحد سے معلوم ہوئے ہیں لیکن پھر بھی اس کی سچائی کی دلیل ہیں اسی بنا پر جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ علاوہ بریں فرزند امام حسن عسکری کی امامت کے متعلق شاذ و نادر روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت شیخ الطائفہ کا پورا بیان ہم نے درج کر دیا ہے اب ہم اس بیان کا تجزیہ کرتے ہیں حضرت شیخ الطائفہ کے مذکورہ بالا بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) پسر امام حسن عسکری کی امامت اور غیبت کے متعلق ایسی روایات و احادیث بکثرت موجود ہیں جو ان کی ولادت و امامت اور غیبت سے بہت پہلے پیشین گوئیوں کے طور پر چھپ چکی تھیں ان روایات میں وہ سب کچھ کہا ہے جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے ان میں سے چند روایات کو شیخ الطائفہ کے حوالے سے بحار الانوار میں درج کر دیا گیا ہے۔

(۲) ان روایات کے مضمون کے مطابق واقعات پیش آئے یعنی ان روایات

میں جو کچھ لکھا تھا وہ سب پورا ہوا۔

(۳) اگر پسر امام حسن عسکری کی امامت درست نہ ہوتی تو یہ مطابقت کیسے ہوتی پس معلوم ہوا کہ واقعی یہ بیانات رسول اللہ اور آئمہ معصومین کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں کیونکہ اگر رسول اللہ اور آئمہ طاہرین نے یہ بیانات ارشاد نہ فرمائے ہوتے تو یہ واقعہ کیسے بنتے۔

(۴) ان پیشگوئیوں کے متعلق اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ احادیث متواتر نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان پیشگوئیوں کا مضمون چونکہ واقعہ بن گیا ہے اس لئے اگر احاد ہیں تو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ وہ پیشگوئی جو مطابق واقعہ ہو اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا خواہ اس کا بیان کرنے والا ایک ہی ہو۔

(۵) فرزند امام حسن عسکری کی امامت کے متعلق لفظاً اور معناً روایات حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں۔

جناب شیخ الطائفہ نے اپنے بیان میں دو متضاد باتیں بیان فرمائی ہیں ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ فرزند امام حسن عسکری کی امامت کے متعلق لفظاً اور معناً روایات حدِ تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف ان کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی شخص ان روایات کو احاد یعنی غیر متواتر نہ کہدے اس لئے ان کو اس اندیشہ کے ماتحت اپنی طرف سے یہ ممکن اعتراض فرض کرنا پڑا کہ اگر ان روایات کو کوئی شخص احاد کہدے اور اس طرح ان کو ناقابل اعتبار ثابت کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پیشگوئیوں نے واقعہ بن کر اپنی صداقت کو ثابت

کہنا ہے اس لئے اگر یہ روایات احاد بھی ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ سوال یہ ہے
کہ اگر یہ روایات لفظاً اور معناً متواتر ہیں تو کوئی شخص ان روایات کو احاد کیسے
کہہ سکتا ہے اور جناب شیخ الشیخ کو یہ فکر کیوں پڑی کہ (اگر کوئی شخص ان کو
احاد بتائے) پس معلوم ہوا کہ ان روایات کے تواتر میں کوئی ایسی خاص کمزوری
ضرور تھی جس کے پیش نظر ان کو احاد بتلائے جانے کا اندیشہ ہوا اور اس کا
جواب دینا پڑا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی روایت اور کوئی پیشگوئی متواتر
نہیں ہے اور کوئی بیان بھی روایات کے مسلّمہ معیار پر پورا نہیں اترتا۔ بہرحال
جناب شیخ الشیخ نے یہ فرما کر "اگر ان روایات کو کوئی احاد بتلائے اور یہ
کہدے کہ روایات احاد علمی مسائل میں ناقابل بھروسہ ہوتی ہیں" ان تمام روایات
کی کوئی قیمت ہی باقی نہیں رکھی لیکن پھر بھی اس معاملہ کو انتہا تک پہونچانے کیلئے
ہم فرض کرتے ہیں کہ جناب شیخ الشیخ کے ارشاد گرامی کے مطابق یہ تمام روایات
لفظاً اور معناً متواتر ہیں اور ان میں یہ پیشگوئیاں جناب رسول خدا اور آئمہ طاہرین
نے فرمائی ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو امام قرار
پائے گا اور وہ غائب رہے گا حتیٰ کہ بعض روایات میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس کا
حمل ولادت تک مخفی رہے گا لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ان روایات کو لفظاً اور معناً
متواتر تسلیم کرنے کے بعد بھی ان روایات کی تہہ میں ایک صورت خرابی مضمر ہے اور
وہ یہ ہے کہ جب تک ان روایات میں مخفی اور غائب رہنے کے الفاظ باقی رہیں گے
اس وقت تک شیعہ علماء کیلئے پسر امام حسن عسکری کی ولادت کا ثابت کرنا ناممکن
اور محال ہے کیونکہ اخفا و غیبت اور ثبوت ولادت دو متضاد چیزیں ہیں اگر واقعی

جناب رسالت مآب اور حضرت آئمہ طاہرین کے یہ بیانات ہیں کہ لڑکا تو پیدا ہوگا مگر اس کی ولادت اور مقام ولادت مخفی رہے گا تو قاعدہ کے مطابق مولود کی ولادت کا علم بجز گھر والوں کے کسی دوسرے کو ہونا ممکن ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ گھر والے کسی غیر شخص کو ولادت کے متعلق کچھ بتائیں کیونکہ مخفی رکھنا ٹھہرا اور وہ پیغمبر اسلام و آئمہ طاہرین کی پیشگوئیوں کے تحت ہے۔ پس جبکہ پیشگوئیوں کے مطابق مولود کی ولادت مخفی رکھنے کی غرض سے گھر کے دو چار افراد کے سوا کسی دوسرے کو علم ہونا ناممکن ہے تو کسی عدالت میں اس مولود کی ولادت قطعی ثابت نہیں ہوسکتی اور گھر کے دو چار آدمیوں کی شہادت کو متواتر شہادت نہیں کہا جا سکتا اور جب شہادت ولادت متواتر نہیں ثابت کی جاسکتی تو جناب شیخ الطائفہ کا یہ بیان بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ ان پیشگوئیوں کے مطابق چونکہ امام حسن عسکری کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور جیسا کہ کہا تھا وہ غائب بھی ہوا اور غائب ہے اس لئے یہ پیشگوئیاں درست اور صحیح ہیں کیونکہ اگر صحیح نہ ہوتیں تو واقعہ ولادت و غیبت کس طرح وقوع میں آتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر پہلے سے یہ امر امام حسن عسکری کی ولادت کو مخفی ہونا اور ان کا غائب رہنا مقدر اور طے شدہ امر تھا تو پھر کس طرح آپ ان کی ولادت کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ متواتر بیانات و روایات اور بے شمار شہادتوں سے ولادت حضرت حجت ثابت ہے تو پھر مخفی رہنے و غائب ہونے کی پیشگوئیوں کو غلط تسلیم کیجئے۔ بہرحال دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

(۱) اگر وہ پیشگوئیاں سچی اور متواتر ہیں جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ امام حسن عسکری

کہ گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کی ولادت اور مقام ولادت کا معاملہ مخفی
رہے گا تو اس مولود کی ولادت کے ثبوت سے ہاتھ دھو لیجئے کیونکہ ولادت اور
محل ولادت کا مخفی رہنا بتلاتا ہے کہ تو کوئی شخص ولادت ثابت نہیں کر سکتا
بلکہ کسی شخص کو ولادت کا ثبوت فراہم کرنے بلکہ یہ کہنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے
کہ میں نے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا یا پیدا ہونے کے بعد دیکھا اور اگر چند بیانات
اس قسم کے ہوں بھی تو یہ بیانات درجہ تواتر ہرگز حاصل نہیں کر سکتے اور ولادت
کے وقوع کو ثابت نہیں کر سکتے۔

(۲) اگر آپ کے ہاتھ میں ایسے بیانات اور ایسی روایات موجود ہیں جن سے قطعی
اور یقینی طور پر حضرت حجت کی ولادت و غیبت ثابت ہوتی ہے تو ان تمام
پیشگوئیوں کا غلط اور جعلی ہونا تسلیم کیجئے جن کو آپ متواتر تسلیم کرتے ہیں اور
جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پسر امام حسن عسکری کی ولادت و محل ولادت کا معاملہ
مخفی رہے گا کیونکہ جس معاملہ کو مخفی رکھنا ہوتا ہے وہ ظاہر بظاہر ثابت نہیں ہو سکتا
ورنہ وہ مخفی ہی کیا رہا اور جب یہ معاملہ مخفی نہ رہا اور ظاہر ہو گیا تو پیشین گوئی
غلط ثابت ہو گئی اور غلط پیشین گوئی جناب رسالت مآب یا آئمہ طاہرین کی پیشینگوئی
نہیں کہلائی جا سکتی۔ خواہ وہ متواتر ہی کیوں نہ ہو۔

ہم مخلصانہ خلاف شیعہ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش
کرتے ہیں کہ حضرت حجت کی ولادت کے مقدمہ کو اپنے ملک کی کسی عدالت میں
لے جائیے اور پھر دیکھئے کہ عدالت کیا فیصلہ فرماتی ہے دنیا کی کوئی عدالت دو متضاد
دعوے سننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی یا تو پیشین گوئیوں کے مطابق اس معاملہ

کو مخفی ہی رکھ لیجئے یا ظاہر و آشکارا طور پر امر ولادت کو ثابت کریجئے اور خفا و غیبت کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیے۔

حضرت حجت کی مخفی ولادت و غیبت کے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہیں اور جن کے متعلق شیعہ حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ جناب رسالت مآب اور آئمہ طاہرین سے مروی ہیں اور متواتر و صحیح ہیں اگر شیعہ حضرات ان پیشگوئیوں کے تواتر اور صحت کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت حجت کی ولادت و غیبت ہمیں معلوم ہے اور ثابت ہے بلکہ ان کو یہ کہنا چاہئے کہ چونکہ یہ پیشین گوئیاں لسانِ نبوت و رسالت و امامت سے صادر ہوئی ہیں اس لئے وہ غلط نہیں ہو سکتیں اور چونکہ ان کا غلط ہونا ناممکن ہے اس لئے حضرت محمد بن حسن عسکری ضرور پیدا ہوئے ہوں گے اور غائب ہو گئے ہوں گے مگر ہمیں معلوم نہیں ہے جناب رسالت مآب اور حضرات آئمہ طاہرین کے ان بیانات کے باوجود کہ پسر امام حسن عسکری کی ولادت اور مقام ولادت کا معاملہ مخفی رہے گا شیعہ علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت محمد بن عسکری علیہ السلام سامرہ کے محلہ عسکر میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں پیدا ہوئے اور یہ بات متواتر روایات سے ثابت ہے جیسا کہ جناب شیخ اعظم فرماتے ہیں کہ اگر جناب رسالت مآب اور آئمہ طاہرین کی ان پیشگوئیوں کے متعلق کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ احاد ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ پیشین گوئیاں واقعہ بن گئی ہیں اس لئے ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ ہم نے اپنے مذکورہ بالا استدلال میں یہ بات اچھی طرح ثابت کر دی ہے کہ یہ پیشین گوئیاں کتنی ہی متواتر کیوں نہ ہوں۔

ان کے تواتر سے آپ فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ان پیشگوئیوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ امر ولادت مخفی رہے گا اس تصریح کے مطابق اگر پسر امام حسن عسکری کی ولادت وقوع میں آئی بھی ہو اور وہ غائب بھی ہوں تو بھی امر ولادت و غیبت ثابت نہیں ہو سکتا ورنہ یہ پیشین گوئیاں غلط ماننی ہوں گی اس کے باوجود اگر آپ امر ولادت و غیبت کو ثابت کرنے پر اصرار کرتے ہیں تو ہم اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے ہیں اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ امر ولادت و غیبت کو ثابت کر کے ان پیشگوئیوں کو ثابت کرنا ضروری ہے تو اب ہم بھی ان تمام روایات و بیانات کا امتحان شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ واقعی وہ روایات جن پر شیعہ عقائد کی بنیاد قائم ہے واقعات کے مطابق ہیں یا نہیں یعنی روایات میں جیسا بیان ہوا ہے واقعہ اسی طرح ہوا یا نہیں۔ ان مذکورہ بالا روایات کی ایک بات تو ہم غلط ثابت کر چکے ہیں۔ یعنی روایات میں یہ کہا تھا کہ امر ولادت و غیبت مخفی رہے گا لیکن شیعہ صاحبان کے دعوی کے مطابق یہ معاملہ مخفی نہ رہ سکا بلکہ تمام شیعوں کو اور جیسا کہ وہ کہتے ہیں بہت سے غیر شیعوں کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت امام حسن عسکری کے گھر میں سامرہ کے محلہ رصافہ میں ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں ایک لڑکا پیدا ہوا اور حضرت امام حسن عسکری نے اپنے مخصوص اصحاب کے سامنے اس مولود کو اپنے بعد اپنا جانشین اور امام مقرر کیا اور وہ ۵ سال کی عمر میں وہ غائب ہو گیا اور اب بالکل غائب ہے۔

اب وہ شہادتیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پسر امام حسن عسکری کی ولادت عمل میں آئی ان پر ہم علیحدہ علیحدہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر کسی

روایت کے بغیر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔

فصل اوّل

امام غائب کب پیدا ہوئے

اس بات کو ایک مرتبہ پھر ذہن نشین کر لیجئے کہ آئمہ معصومین کی پیشگوئیاں حضرت امام غائب کی ولادت سے پہلے منتشر ہو چکی تھیں کہ امام حسن عسکری کے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا اور وہی بارہواں امام ہوگا مگر اس کی ولادت و محل ولادت کا معاملہ مخفی رہے گا اس قاعدہ پر امام موصوف کی تاریخ - دن اور سال بھی مخفی رہنا چاہیئے لیکن شیعہ فرقہ کا دعویٰ ہے کہ آپ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ آپ ۸ شعبان ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ دراصل یہ دعویٰ کرنا ہے کہ آئمہ معصومین کی پیشگوئیاں غلط تھیں لیکن آیئے دیکھیں تاریخ و سال مذکور کیونکر ثابت ہے۔ ملا محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار جلد سیزدہم باب ولادت میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں جو خاص اس مسئلہ کے متعلق ہیں کہ حضرت امام غائب کس دن اور کس تاریخ اور کس سال میں پیدا ہوئے۔

ان جملہ روایات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام بیانات کسی ایک شخص کے نہیں ہیں بلکہ ان کے بیان کرنے والے مختلف لوگ ہیں اور ان سب کے بیانات میں اختلاف ہے۔ بعض راویوں نے اپنی کوئی عینی شہادت بیان

نہیں کی حتیٰ کہ یہ بھی نہیں بتایا کہ انھوں نے اس کے متعلق فلاں خاص شخص سے
سُنا ہے اور صرف یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ ہم سے ایک معتبر آدمی نے
بیان کیا کہ امام غائب فلاں تاریخ فلاں دن اور فلاں سنہ میں پیدا ہوئے
اس لئے اصول درایت و روایت دونوں کے لحاظ سے یہ روایات غیر معتبر
اور غیر نتیجہ بخش ہیں اور ایسے اہم مسئلہ میں کسی قاعدہ کے تحت ان روایات پر
اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ نامکمل بھی ہیں کسی نے تاریخ وسال کو بیان
کیا تو دن کا ذکر نہیں کیا کسی نے دن اور سال کو بیان کیا تو تاریخ نہیں بتائی
اور اگر کسی نے تاریخ، دن اور سال سب کچھ بیان کیا ہے تو اس قسم کے بیان
میں بھی سخت اختلاف ہے اگر ایک شخص ۱۵ رشعبان ۲۵۵ھ بیان کرتا ہے تو
دوسرا ۱۵ رشعبان ۲۵۸ھ یا ۲۵۷ھ۔ ظاہر ہے کہ اس شان کے بیانات سے کوئی
شخص بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتا البتہ ان روایات کا ایک نقطہ ایسا ہے
جس پر بہت توجہ کرنی چاہئے اور وہ ایسی روایات ہیں جن کے آخری راوی کے
نام صاف صاف مذکور ہیں ان آخری راویوں کے بیانات پر قطع نظر اس کے کہ
ان کی حیثیت کہاں تک مضبوط ہے اس لئے اور بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ لوگ
اس گھر سے تعلق رکھتے ہیں جس گھر میں امام غائب کی ولادت باسعادت ہوئی
یقیناً ان سے بہتر اور معتبر دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ جو ایک
گھر کے اندر ہر وقت رہتے ہوں اگر کوئی خاص واقعہ اس گھر میں پیش آئے
اور وہ اس واقعہ کو دوسرے لوگوں کے سامنے نقل کریں تو یہ ضروری ہے کہ
ان کے بیانات میں کوئی تضاد نہ پایا جائے تاکہ ان کے بیانات سے کوئی

تسلی بخش نتیجہ نکالا جا سکے یہ خاص راوی کون ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) پہلی راوی حکیمہ ہیں جو حضرت امام محمد تقی کی بیٹی اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپی بیان کی جاتی ہیں جنھوں نے ولادتِ امام غائب کی چشم دید شہادت پیش کی ہے اور چونکہ آپ حضرت امام حسن عسکری کی پھوپی ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں نوکروں لونڈیوں اور دیگر اشخاص کے بیانات کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) دوسرا راوی عقید ہے جو حضرت امام حسن عسکری کا خادم بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا راوی عقبہ ہے یہ بھی حضرت امام حسن عسکری کا خادم ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اس زمانہ میں بھی جو ازمنہ گذشتہ کے مقابلہ میں روشن زمانہ کہا جاتا ہے۔ اور علوم و فنون کا ہر طرف چرچا ہے نہ صرف مرد بلکہ عورتیں علوم و فنون کے میدان میں یک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہی ہیں ایسی عورتیں بہت تھوڑی تعداد میں ملیں گی اور وہ بھی وہی عورتیں ہیں گی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ کا فلاں رشتہ دار کس سنہ میں پیدا ہوا تھا تو وہ اس سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیں ورنہ ننانوے فیصدی عورتیں ایسی ہیں جو اس سوال کا جواب قطعاً نہیں دے سکتیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتی ہیں کہ سنہ کس چڑیا کا نام ہے سن بتانا تو بہت دور کی بات ہے اب ذرا اس دورِ جہالت پر نظر ڈالئے جبکہ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا یا اس کو تعلیم دینا عیب بلکہ گناہ سمجھا جاتا تھا حضرت امام حسن کی پھوپی جناب حکیمہ اسی زمانہ کی ایک

خاتون میں کیا یہ ممکن ہے کہ اس زمانہ کی ایک غیر تعلیم یافتہ خاتون سے یہ امید کی جائے کہ وہ اس سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیں کہ آپ کے بھتیجے کے یہاں فلاں لڑکا کس سنہ میں پیدا ہوا تھا۔ ہرگز نہیں اس لئے وہ بیانات جو جناب حکیمہ کی طرف منسوب ہیں اور جن میں امام غائب کا سنِ ولادت بیان کیا گیا قطعاً جعلی ہے اسی طرح نوکروں اور خادموں کے وہ بیانات بھی بالکل مصنوعی ہیں جن میں کسی نوکر یا خادم نے سنِ ولادت امام غائب بیان کیا ہے کیونکہ عام طور پر نوکر اور خادم جو گھر کی خدمات پر مامور ہوتے ہیں وہ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں انھیں تاریخ اور سن سے کیا مطلب۔ وہ تاریخ اور سن سے نابلد ہوتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ سن کیا چیز ہے اس لئے درایتاً یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ حضرت امام غائب فلاں سن میں پیدا ہوئے تھے۔ بہرحال حضرت امام حسن عسکری کے خادم عقید کا بیان ہے کہ حجت بن الحسن شب جمعہ ماہ رمضان ۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے لیکن اس کا پورا بیان دیکھنے کے بعد کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ امام غائب ماہ رمضان کی کسی شب جمعہ کو ۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے اس کا پورا بیان حسب ذیل ہے:

"ولی الامر حجۃ ابن الحسن ۲۵۴ھ میں ماہ رمضان کی کسی شب جمعہ کو پیدا ہوئے تھے ان کی کنیت ابو القاسم ہے بعض لوگ ابو جعفر بتاتے ہیں۔ ان کا لقب مہدی ہے اور وہ روئے زمین کے تمام لوگوں پر حجت خدا ہیں ان کی ماں صیقل ام ثانیہ ہیں آپ سامرہ کے محلہ ربعانہ میں پیدا ہوئے لوگ آپ کی ولادت کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں بعض لوگ ظاہر کرتے ہیں بعض چھپاتے ہیں

بعض آپ کا ذکر کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اور بعض ظاہر کرتے ہیں۔

بیان مذکور کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقید کو آپ اس بیان پر خود اعتماد نہیں ہے بلکہ وہ جیسا دوسرے لوگوں سے سنتا ہے بیان کر دیتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ امام غائب کسی شب جمعہ کو پیدا ہوئے تھے مگر تاریخ نہیں بتاتا۔ اس کے بعد حضرت کی کنیت کے متعلق اس کو یقینی طور پر کچھ نہیں معلوم اسی لئے وہ کہتا ہے کہ بعض لوگ ابوالقاسم اور بعض لوگ ابوجعفر بتاتے ہیں۔ عقید ہر وقت گھر میں رہنے والا خادم ہے اس کو حضرت کی صحیح کنیت یقیناً معلوم ہونی چاہئے مگر وہ دوسروں کے مختلف بیان پیش کرتا ہے۔ ان کی ماں کا نام صیقل بتاتا ہے حالانکہ شیعہ صاحبان متفقہ طور پر اس وقت نرجس بتاتے ہیں پھر کہتا ہے کہ ولادت کے بارے میں بھی لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رمضان کا مہینہ اور ۲۵۴ھ بیان کرتا ہے جو شیعہ عقائد کے خلاف ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ جواب دیں کہ وہ اپنے بیان پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین کے ساتھ وہ ۲۵۶ھ رمضان کا مہینہ معین کرتا ہے لیکن اس سلسلہ میں وہ لوگوں کے اختلافات کا ذکر بھی کر دیتا ہے جو سال ولادت ۲۵۶ھ کو مشتبہ نہیں کرتا اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ اگر ہم واقعی عقید کے اس بیان کو تسلیم کر لیں تو یہ شیعہ عقیدہ کے خلاف ہے موجودہ زمانہ میں شیعہ فرقہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امام غائب ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ چنانچہ شیعہ دنیا میں تاریخ مذکور کو جشنِ ولادت منایا جاتا ہے آپ اس گواہ کا بیان غور سے پڑھیں وہ کوئی بات اپنے علم و یقین کی بنا پر

نہیں کہتا بلکہ دوسروں کے بیانات پیش کرتا ہے ایک اور وجہ بھی ہے جو عقید
کے اس بیان کو صحیح نہیں قرار دیتی وہ یہ ہے کہ خود علامہ مجلسی نے صفحہ ۴
پر ایک اور خادم عقبہ کو پیش کیا ہے جو حکیمہ کے اس بیان کی تائید کرتا ہے
کہ امام غائب ۱۵ شعبان کو پیدا ہوئے یہ دونو خادم ایک ہی گھر کی
خدمات پر مامور تھے کوئی وجہ نہیں کہ دونو میں اختلاف ہو بہر حال کوئی
ایک بیان درست ہو سکتا ہے یا تو عقبہ غلط کہتا ہے یا عقید اگر عقید
کا بیان عقبہ کے مقابلہ میں درست نہیں ہے تو ہمارے ہاتھ سے ایک
راوی اور نکل جاتا ہے اور لے دے کر اگر کوئی اعتماد کیا جا سکتا ہے تو حکیمہ
کے بیان پر جس کی تائید ایک اور خادم عقبہ بھی کرتا ہے آیئے دیکھیں
حکیمہ کیا فرماتی ہیں امام غائب کے سن تاریخ و روز ولادت میں تین
فرق ہیں حکیمہ دو شخصوں سے بیان کرتی ہیں کہ امام غائب ۱۵ شعبان کو
پیدا ہوئے نہ سال بتاتی ہیں نہ دن ایک اور شخص سے ۱۵ رمضان اور
سنہ ۲۵۵ بیان کرتی ہیں ایک تیسرا راوی حسین بن حمدان ہے جس سے شب
جمعہ ۸ شعبان اور سنہ ۲۵۷ بیان فرماتی ہیں۔ بڑی مشکل سے ہمیں صرف
ایک ہی تنہا معتبر گواہ نظر آیا اور اس کے بیانات میں بھی اس قدر تباین پایا
جاتا ہے تو ہمیں مجبوراً یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ معلوم نہیں امام غائب کس
دن کس تاریخ اور کس سنہ میں پیدا ہوئے اور اگر مصنف جلاءالعیون
کے اس بیان کو درست سمجھا جائے کہ حکیمہ امام محمد تقی علیہ السلام کی
کوئی لڑکی ہی نہ تھی تو یہ ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور پھر یہ عقیدہ

بھی کہ امام غائب پیدا بھی ہوئے تھے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ولادت کی عینی شہادت صرف حکیمہ کی معتبر مانی جا سکتی ہے کیونکہ وہ گیارہویں امام کی پھوپی ہیں جب ان ہی کا وجود ثابت نہیں تو حضرت امام غائب کا وجود کیونکر ثابت ہوگا۔ اب ہم اس مضمون پر رسالہ انتظار قائم آل محمد کے مصنف محترم نے جو اعتراضات فرمائے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے خلاف تہذیب وادب الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض: بعض راویوں نے اگر عینی شہادت بیان نہیں کی تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ یہ مسئلہ ولادت ہے جس میں عقلاء کے نزدیک سمعی شہادت کافی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات صرف آثار و قرائن سے ولادت کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

جواب: آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن جب کسی کی ولادت متنازعہ فیہ بن جائے اور ثبوت کا مطالبہ کیا جا رہا ہو تو پھر عدالت کے نزدیک سمعی شہادت کافی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ یہ میری یا آپ کی ولادت کا معاملہ نہیں ہے یہ معاملہ بہت اہم ہے اور ایک منصوص من اللہ امام کی ولادت کا ثبوت طلب کیا جا رہا ہے اگر معقول شہادت سے یہ بات ثابت نہ ہو سکی اور محض آثار و قرائن اور ظنیات پر اعتماد کر لیا گیا اور در حقیقت ولادت عمل میں نہ آئی ہو تو تمام قوم کی تباہی و ہلاکت کا شدید خطرہ ہے اس لئے کثیر اور عینی شہادتوں کا ہونا لازمی و ضروری ہے۔

اعتراض: بعض راویوں نے اگر کسی معین شخص کا نام نہیں لیا تو یہ بھی ہر جگہ

روایت کی کمزوری کا باعث نہیں ہوتا خصوصاً جہاں پر تقیہ کا سبب قوی ہو۔

جواب: جی نہیں یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ ایک شخص بیان دیتے وقت صرف اس پر اکتفا کرے کہ میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا۔ ایسی بات صرف اسی شخص پر حجت ہوسکتی ہے نہ کہ دوسروں پر رہا تقیہ کا معاملہ یا تو حضرت امام غائب کی ولادت کو معقول شہادتوں سے ثابت کیجئے اور اگر تقیہ کی آڑ لینی ہے تو پھر واضح لفظوں میں اعتراف کرلیجئے کہ آپ اس مقدمہ کو ثابت نہیں کرسکتے۔ آپ کے نزدیک جب ایک روایت کسی طرح بھی ضعیف نہیں ہوسکتی تو پھر ہر جھوٹا بیان حدیث قرار پاسکتا ہے۔ کچھ تو انصاف کیجئے۔

اعتراض: بہت سے سنی حضرات نے ولادت حجت ابن الحسن کو تسلیم کرلیا ہے مگر آپ نہیں کرتے۔

جواب: سنی فرقہ کا یہ اصولی عقیدہ ہے کہ جانشین پیغمبر منصوص من اللہ نہیں ہوتا اسی لئے وہ آپ کے بارہ اماموں کے معتقد نہیں ہیں اس متفقہ عقیدہ کے خلاف اگر کوئی سنی آپ کے اصولی عقیدہ کی تائید کرتا ہے تو اس کا قول تمام سنی فرقہ پر حجت نہیں ہوسکتا ایسے شخص نے یا تو اپنے اصولی عقائد میں خیانت کی یا پھر وہ درحقیقت سنی ہی نہ تھا بلکہ اندر سے وہ شیعہ تھا اور تقیہ میں رہ کر اس نے اپنے عقیدہ کی تبلیغ کی ہے۔ خوب اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ایسا شخص ہرگز سنی نہیں ہے

اعتراض: آپ نے ۲۵۸ھ کو جو روایت کی حیثیت دی ہے وہ کمال الدین
بن طلحہ شافعی کی ہے اور سنی عالم ہے جس نے اپنی سعادت مندی سے
ولادت تسلیم کر کے کسی غلط فہمی کی وجہ سے سنہ غلط لکھ دیا۔ میرا
چیلنج ہے کہ اگر آپ کسی شیعہ عالم کا قول ۲۵۹ھ پیش کر دیا تو سو
روپیہ انعام پیش کروں گا۔

جواب: آپ یقین رکھئے کہ کمال الدین درحقیقت شافعی ہی نہ تھا ورنہ یہ یوں
غلطی نہ کرتا۔ آپ اس کو سعادت مندی کہتے ہیں اور ہم اس کو اصولی
غداری کہتے ہیں۔ چونکہ یہ شخص شافعی ہے اس لئے آپ نے ہمیں چیلنج
دیا اور ہم سے مطالبہ کیا کہ ہم کسی شیعہ عالم کا قول ۲۵۹ھ کے متعلق
پیش کریں۔ جی ہاں نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں تعجب ہوا کہ آپ نے عقید
کے بتلائے ہوئے ۲۵۴ھ اور حکیمہ کے بیان کئے ہوئے ۲۵۶ھ کے متعلق
جو دونوں شیعہ تھے۔ سو روپیہ انعام کیوں پیش نہیں کیا یہ دونوں سنہ بھی تو
آپ کے عقیدہ کے خلاف ہیں اور ان کو کسی شافعی نے بیان کیا نہ کسی
حنفی نے بلکہ شیعوں نے بیان کیا ہے۔

اعتراض: عقیدہ کے بیان کی آخری سطریں عقید کی نہیں ہیں بلکہ کتاب کمال الدین
کے مؤلف جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تعبیر ہے۔

جواب: فرمائیے وہ کون سا لفظ ہے جو عقید اور صاحب اکمال کے بیان کو
الگ کرنے کے لئے قرینہ بن سکے جب کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے تو آپ
کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آخری حصہ شیخ صدوق کا ہے۔

اعتراض: آپ نے عبارت کا ترجمہ بارادہ غلط کیا ہے اور یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ
گویا خود حضرت کی ولادت مختلف فیہ ہے۔

جواب: آپ نے اصل عبارت پیش کردی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے کہ:
"تم: اختلف الناس فی ولادتہ" - ہم نے ان لفظوں کا یہ ترجمہ کیا
تھا کہ "لوگ آپ کی ولادت کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں" ہم
اہل علم سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے ترجمہ میں کیا غلطی ہے؟
اگر ہمارا ترجمہ غلط ہے تو صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہیئے۔ آپ ہماری غلطی
واضح کیجئے ہم فوراً اعتراف کرلیں گے۔

اعتراض: آپ کی عبارت میں جو خط کشیدہ جملے ہیں وہ بالکل غلط ہیں اوّل،
آخر کا تو اصل روایت میں وجود ہی نہیں ہے اور درمیانی فقرہ کا
ترجمہ غلط لکھا گیا ہے۔

جواب: اصل روایت میں اگر اوّل و آخر کا وجود نہیں ہے تو ہمارا ادارہ کی
مطبوعہ تحریر کو نذر آتش فرمائیے۔ ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ اس کے
علاوہ اگر اوّل و آخر کا وجود نہیں ہے تو آپ کو درمیانی فقرہ کا غلط
ہونا کس طرح نظر آگیا۔ درمیانی فقرہ کے ترجمہ کی غلطی تو اسی وقت
نظر آسکتی ہے۔ جب اوّل و آخر کا وجود ہو پس ثابت ہوا کہ ہمارے
خط کشیدہ تمام فقرے درست ہیں۔

اعتراض: انصاف سے بتلائیے کہ حکیم کے بیانات میں شعبان و رمضان کے
لفظی تباین کے علاوہ اور کوئی پہلو تباین کا ہے؟

محمد بن قاسم ہے۔ محمد بن قاسم والی روایت میں سن ہرگز
نہیں ہے اور ہم نے کوئی بددیانتی نہیں کی ہے بلکہ تمام وکمال روایت
درج کر دی ہے اور تم کو دیانتدار سمجھتے ہوئے آپ نے اپنے رسالہ
کے صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے کہ حکیم نے یہاں سن اس لئے بیان نہیں کیا
کہ سن کے بیان کرنے کا وقت ہی نہ تھا۔ جب سن بیان کرنے کا
موقعہ نہ تھا اور اس لئے حکیم نے سن بیان نہیں کیا تو پھر ہم نے
بھی تو یہی لکھا ہے کہ حکیم نے سن بیان نہیں کیا اس کے باوجود
ہم غیر دیانتدار ٹھہرے مولوی جی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۵ رمضان کی تردید میں مذکورہ بالا
شیوخ کا بیان موجود ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ حکیم نے ۱۰ شعبان
تاریخ بتائی ہے نہ کہ ۵ رمضان۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ شیوخ کا
بیان ۵ رمضان والے بیان کی تردید ہے اور صحیح ہے تو پہلے ۵ رمضان
والے راوی کو جھوٹا تسلیم کیجئے اور اس کے بعد ذرا اپنے شیوخ والے
بیان پر نظر ثانی فرمائیے کہ کیا ایسی روایات کو مستند بتانا ہی دیانتداری
ہے۔ جو یوں ظاہر بیان کی گئی ہوں کہ شیوخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے
کیا معتبر روایات ایسے ہی بیانات کو کہتے ہیں جن کا نہ سر ہو نہ پیر۔ کیا
محض لفظ شیوخ سے ۵ رمضان ۱۰ شعبان سے تبدیل ہو سکتی ہے
جن کے متعلق یہ کچھ نہیں معلوم کہ یہ شیوخ کون تھے ان کے نام کیا
تھے۔ ان کا مذہب کیا تھا۔ ان کا پیشہ کیا تھا۔ کچھ ڈھنگ کے لوگ تھے

یا بے ڈھنگے۔ پس ایسی اندھی روایت کو معتبر کہنا صریح بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔

اعتراض: جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امام غائب ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے تو آپ کے اس اعتراف سے ہم آپ پر حجت قائم کرتے ہیں۔ جب آپ کو شیعوں کا اجماع تسلیم ہے تو پھر اصولی حیثیت سے ہمارا اجماع دخول قول امام کی وجہ سے حجت ہوتا ہے لہذا اس اجماع کے خلاف اگر کچھ روایات موجود ہوں وہ صحیح بھی ہوں تو شاذ اور متروک قرار دی جائیں گی لہذا ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ ثابت ہے۔

جواب: ہم نے کب آپ کے اجماع کو تسلیم کیا ہے اگر ہم آپ کے اجماع کو تسلیم کرتے ہوتے تو آج آپ سے اس طرح مخاطب نہ ہوتے اور شیعہ ہوتے۔ ہمیں آپ کا اجماع قطعاً تسلیم نہیں اور آپ کا یہ ارشاد بھی غلط ہے کہ دخولِ قول امام کی وجہ سے ہمارا اجماع حجت ہے اس لئے کہ کسی امام کی امامت معقول دلائل سے ثابت نہیں ہے۔ پس دخول قول امام کہاں سے آیا۔ اس کے علاوہ آپ خود کہتے ہیں کہ اقوال آئمہ کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے پس غلطی کرنے والا اجماع حجت کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن خیر۔ آپ کے نزدیک آپ کا یہ اجماع حجت ہے اور ہم اجماع ہی سے تو یہ سوال کر رہے ہیں کہ صریح اختلاف و تباین کے باوجود صرف ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ کس دلیل سے ثابت ہے اور جو

روایات مذکورۂ بالا تاریخ و سن کے خلاف ہیں وہ کس دلیل سے باطل ہیں۔ حقیقت وہی ہے جو ہم نے عرض کی ہے کوئی تاریخ کوئی دن اور کوئی سن کسی معقول دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

فصل دوم

حضرت امام غائب کی والدہ محترمہ

حضرت امام غائب علیہ السلام کی محترم ہستی اثنا عشری شیعوں کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ بلا مبالغہ اس فرقہ کے دین کی بنیاد ہی حضرت امام غائب ہیں اس لئے ایسی زبردست ہستی کے شجرۂ نسب یعنی ماں باپ کا تحقیقی علم بہ حیثیت ضروریات دین نہایت ہی اہم ہے اور اس اہم مسئلہ کا یہ پہلو بھی کامل یقین کی حد تک ثابت ہونا ضروری ہے کیونکہ اسی مسئلہ پر قوم کی تعمیر و ترقی منحصر ہے۔

علامہ مجلسی مرحوم نے بحار الانوار جلد ۱۳ میں نسب امام غائب علیہ السلام کے متعلق جس قدر روایات درج فرمائی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اس امر میں سب متفق ہیں کہ امام غائب علیہ السلام کے پدر بزرگوار کا نام امام حسن عسکری تھا اور اس کے خلاف کوئی بیان موجود نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے باپ کا نام امام حسن عسکری تسلیم نہ کیا جائے۔

(۲) آپ کی والدہ ماجدہ کا نام کیا تھا روایات میں اس کا کوئی یقینی تعین نہیں ہے بلکہ انتہائی اختلاف ہے۔

شہید اول جو شیعہ دنیا میں زبردست شہرت کے مالک ہیں وہ آپ کی والدہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرما سکے اور وہ اپنی مشہور تصنیف دروس میں کہتے ہیں کہ حضرت صاحب الامر کی ماں کا نام صیقل ہے بعض نرجس بتاتے ہیں اور بعض مریم بنت زید بتاتے ہیں۔

دوسرا راوی غیاث ابن اسد ہے جو کہتا ہے کہ آپ کی ماں کا نام بعض لوگ نرجس بعض صیقل اور بعض سوسن اور بعض ریحانہ بتاتے ہیں۔

تیسرا راوی کمال الدین ہے جو کہتا ہے کہ صیقل و حکیمہ آپ کی ماں کا نام تھا۔

چوتھا راوی ابن خشاب ہے جو صیقل نام بتاتا ہے۔

پانچواں راوی محمد بن موسیٰ طوسی ہے جو سکینہ نام بتاتا ہے۔

چھٹی راوی ایک کنیز ہے جو نامعلوم الاسم ہے وہ صیقل نام بتاتی ہے۔

ساتواں راوی عقید ہے جو صیقل نام بتاتا ہے۔

آٹھویں راوی مشہور محدث شیخ طوسی ہیں جو نرجس نام بتاتے ہیں۔

ان تمام راویوں میں تحقیق ہونی کہ کس کا ہے اس کا فیصلہ کرنا ضروری ہے ہمارے نزدیک ہر اس راوی کے بیان کو ترجیح دی جا سکتی ہے جس نے حضرت امام کی والدہ کے متعلق براہ راست حکیمہ یا ان دوسرے لوگوں سے اطلاع [illegible]

ان کا ذکر تک نہیں آتا نہ ماں کا نام معلوم ہونے ہی کی کوئی ضرورت ہے
دوسری بات یہ ہے کہ ماں کا نام نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی عظیم الشان
ہستی کی عظمت پر حرف نہیں آتا البتہ باپ کا نام نہ معلوم ہو تو مختلف
شک و شبہ کی گنجائش ہو جاتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی
کے شروع سے کئی نام رکھ دیئے جاتے ہیں کوئی تاریخی ہوتا ہے تو
کوئی عرفی وغیرہ پس اگر جناب نرجس کے بھی کئی نام تھے تو اس سے
ان کی شخصیت کیونکر مشکوک ہو سکتی ہے۔ کنیزوں کے متعدد نام ہوتے
ہیں نرجس بھی کنیز تھیں کوئی تعجب نہیں اگر ان کے نام متعدد ہوں۔

جواب: معترض صاحب نے جو کچھ فرمایا سب درست فرمایا ہم ان کی کسی بات
کا انکار نہیں کرنا چاہتے اور نہ تو حضرت امام غائب کی والدہ گرامی کو
یقینی طور پر نہ معلوم ہونے سے ان کی عظمت کو کم کرنا چاہتے ہیں اور یہ
ٹھیک ہے کہ ماں کا نام نہ معلوم ہونے سے عظمت میں کوئی کمی نہیں آتی
لیکن یہ سب کچھ ان عظیم الشان ہستیوں کے متعلق درست ہو سکتا ہے
جن کے وجود میں آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن جس ہستی کے متعلق
شکوک و شبہات پائے جاتے ہوں اور بے شمار انسان جس کی ولادت
کے قائل نہ ہوں تو اس ہستی کا وجود ثابت کرنے کے لئے ہر ہر پہلو کو
ثابت کرنا ہوگا۔ پس اگر حضرت امام غائب جن کا وجود گرامی محل بحث
ہو اور اس میں شکوک و شبہات قوی طور پر پائے جاتے ہوں مگر ان کی
ولادت کی یقینی تاریخ دن اور سال نہ معلوم ہو یا ان کی والدہ کا صحیح

طور پر تعین نہ ہو سکتا ہو تو یقیناً ان کا وجود شک و شبہ سے
خالی نہیں ہے ۔ رہی یہ بات کہ " نرجس خاتون کے ناموں کا متعدد
ہونا محل تعجب نہیں " ہمیں اس سے کبھی انکار نہیں بشرطیکہ یہ بات
اس طرح ثابت ہو جائے جیسا کہ ثابت ہونے کا حق ہے۔ لیکن جب
آپ خود ہی شک میں مبتلا ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر ان کے نام متعدد
ہیں تو کیا تعجب نہیں تو اس اگر مگر سے تو ان کے ناموں کا متعدد ہونا
ثابت نہیں ہو سکتا ۔ معترض صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ خود نرجس خاتون
نے ایک راوی سے اپنا سابقہ نام ملیکہ اور تبدیل شدہ نام نرجس
بتایا ہے ۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ یہاں محل بحث یہ بات نہیں ہے
کہ اس نام کی کوئی کنیز حضرت امام حسن عسکری کے گھر میں تھی
یا نہیں تھی بلکہ بحث یہ ہے کہ حضرت کی والدہ نرجس ہی تھیں یا کوئی
اور کوئی نہیں ۔ چونکہ اس بارے میں سخت اختلاف ہے ۔ اور
یقینی طور پر یہ ثابت ہی نہیں ہے کہ آپ کس خاتون کے بطن سے
پیدا ہوئے تھے ۔ اس لئے آپ کی ولادت شک و شبہ سے
خالی نہیں ہے ۔

فصل سوم

ولادت حضرت امام غائب علیہ السلام

اسی باب کی پہلی فصل میں فرقہ شیعہ کی نہایت مبسوط جامع اور معتبر کتاب بحار الانوار جلد ۱۳ کے متعدد حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت غائب کے روز ولادت تاریخ ولادت اور سنہ ولادت نیز آپ کی والدہ گرامی کے متعلق بے شمار اور اہم اختلافات ہیں قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی ولادت کس دن ہوئی کس تاریخ کو ہوئی اور کس سنہ میں ہوئی اور آپ کی والدہ ماجدہ کون تھیں حتی کہ جناب حکیمہ دختر امام محمد تقی علیہ السلام جن کی شخصیت فرقہ شیعہ کے نزدیک معمولی نہیں ہے ان کے بیانات بھی یکساں نہیں ہیں۔ ان اختلافات کے پیش نظر ہم نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ حضرت امام غائب کی ولادت یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتی ہمارے بعض شیعہ احباب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جس میں اختلاف نہیں ہے اس خیال سے تو ہمیں تمام مختلف فیہ مسائل کا انکار کر دینا پڑے گا اگر حضرت حجۃ ابن الحسن کی تاریخ ولادت سن ولادت وغیرہ کے متعلق اختلافات ہیں تو ان اختلافات سے یہ نتیجہ کس طرح برآمد ہوا کہ آپ کی ولادت ہی نہیں ہوئی یہ اختلافات زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ آپ کی ولادت کا دن تاریخ اور سنہ معین نہیں کیا جا سکتا لیکن ولادت ہونا ثابت ہے

خواہ وہ کسی تاریخ اور کسی سنہ میں ہوئی ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان دوستوں کے اس اظہارِ خیال کے بعد بھی ہمیں اپنی رائے کی تبدیلی میں کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی اور اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملتا کیونکہ وہ ہستی جس کی آمد کے لئے ایک ہزار سال سے نہایت تضرّع وزاری کے ساتھ دعائیں کی جا رہی ہوں اور جن کی آمد پر زمینِ مردہ میں زندگی کی روح پھونکے جانے کا انحصار ہو اس کے متعلق یقینی طور پر یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کس دن پیدا ہوئی وہ تاریخ کیا تھی سنہ کیا تھا اس کی ان کو نہ تحقیق تاریخ کا ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ علاوہ بریں ان احباب کے اس خیال کا جواب ہم گذشتہ فصل میں دے آئے ہیں کہ اگر کسی شخص کا وجود یقینی دلائل سے ثابت ہو اور شک وشبہ سے بالاتر ہو تو اگر اس کی ولادت کی تاریخ وغیرہ نہ معلوم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر وجود ہی مشکوک ہو اور ثبوت کا محتاج ہو تو پھر ہر بات کو یقینی دلائل سے ثابت کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ ولادت تاریخ ولادت یا سنہ ولادت کے متعلق اختلاف ہو تو ان کے وجودِ اقدس کے بارے میں چونکہ اختلاف اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے اگر تاریخ وغیرہ نہیں معلوم تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ ناقابلِ تردید دلائل سے آپ کا وجود ثابت ہے لیکن اگر آپ کی حیثیت ویسی ہوتی جو حضرت امام غائب کی ہے جن کے وجودِ اقدس کو عام طور پر دنیا میں دیکھا ہی نہیں گیا ہو تو پھر ان کی ولادت کی تاریخ دن اور سن اور وقت وغیرہ کے تعین کا مسئلہ بھی اہم ہو جاتا ہے۔ پس حضرت امام غائب کی پوزیشن بھی اگر

وہی ہوتی جو ان لوگوں کی ہے جن کے تاریخی وجود میں دنیا کو کوئی شک نہیں ہے تو ہم اپنے ان لائق احترام احباب کے خیال کو مان لیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے ہم اپنے ان احباب کی خاطر اس حادثہ کو نظر انداز کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اچھا چھوڑیے ان اختلافات کو تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ خیر دن تاریخ اور سال اور ماں کا نام اگر متعین نہیں ہے تو نہ سہی آپ کہئے لیکن یقینی روایات سے یہ ولادت ثابت ہے۔ ولادت کے متعلق جو روایات ہیں بہرحال ان میں یہ ضرور لکھا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری کے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوا لیکن جب ہم ان روایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور ذرا روئے درایت واقعاتِ ولادت کا امتحان کرتے ہیں تو ہمارے لئے اس فرزند کی ولادت کا فرض کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تمام روایات جعلی ہیں ان میں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہے صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے والے اپنی شخصی و ذاتی اغراض کے حصول کے جوش میں اپنی واجب الاحترام اور واجب العزت ہستیوں کی پوزیشن کو بھی خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ یہ واقعات ولادت کیا ہیں ہم ان کو ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور فیصلہ ناظرین محترم پر چھوڑتے ہیں گزشتہ مضمون میں ہم نے یہ لحاظ رکھا تھا کہ ہمارے قلم سے کوئی ایسی روایت درج نہ ہو جائے جس کے راوی کی حیثیت کسی نوع سے بھی کمزور ہو اس لئے ہم نے سب سے بہتر اور مستند گواہ جناب حکیمہ دختر امام محمد تقی علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا جناب حکیمہ کی ہستی فرقۂ شیعہ کی مسلمہ ہستی ہے جو حضرت

امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی بیان کی جاتی ہیں یہ محترمہ حضرت حجۃ ابن الحسن کی ولادت کے شروع سے آخر تک برابر موجود رہی ہیں اور آپ ہی نے دایہ کے فرائض انجام دئے ہیں۔ اگرچہ یہ بات بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں کہ حضرت ... کی ولادت کے وقت ان کی دادی یعنی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی والدہ مکرمہ زندہ تھیں لیکن ولادت کے سلسلہ میں ان کی موجودگی کا ذکر تک نہیں ہے حالانکہ دایہ کے فرائض انجام دینے کا سب سے بڑا حق انہی کا تھا۔ خیر۔ آیئے حضرت حجۃ کی ولادت کی کہانی خود جناب حکیمہ کی زبانی سنئے۔

(۱) جناب حکیمہ موسیٰ بن محمد قاسم سے بیان کرتی ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے میرے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ آج رات کو ہمارے ساتھ افطار کیجئے کیونکہ آج نصف شعبان ہے آج رات کو خدا بہت جلد اپنی حجت کو ظاہر کرے گا اور وہی روئے زمین پر حجت خدا ہوگا میں نے امام سے عرض کیا کہ اس کی ماں کون ہے فرمایا نرجس۔ میں نے عرض کیا کہ آپ پر فدا ہو جاؤں میں نرجس میں کوئی اثر حمل نہیں پاتی فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گئی نرجس خاتون آئیں اور میرے پاؤں سے موزہ اتارنے لگیں اور کہنے لگیں اے سیدۂ من! آپ کی رات کس طرح گذری۔ میں نے کہا آپ ہی میری اور میرے متعلقین کی سردار ہیں نرجس خاتون نے میرے اس قول کا انکار کیا اور کہا یہ آپ کیا فرماتی ہیں میں نے کہا اے میری بیٹی! آج شب کو خداوند عالم بہت جلد آپ کو ایک ایسا جوان عطا کرے گا جو دنیا اور آخرت میں بزرگ ہے پس نرجس خاتون

شریف اپنی جگہ بیٹھ گئیں جب میں نماز عشاء سے فارغ ہوئی تو روزہ افطار
کیا اور سو گئی نصف شب گذرنے پر بیدار ہو گئی نماز شب ادا کی نرجس خاتون
ابھی تک محو خواب تھیں اور ولادت کا کوئی اثر ان میں نہ پایا جاتا تھا تعقیب نماز
کے بعد میں پھر سو گئی۔ اس کے بعد مضطرب ہو کر پھر بیدار ہو گئی اب نرجس بھی
بیدار ہوئیں اور نماز میں مصروف ہو گئیں۔ میرے دل میں شک گذرنے لگے
دفعتہً امام حسن عسکری نے اپنی نشست گاہ سے آواز دی کہ اے پھوپی
عجلت نہ کیجئے کیونکہ ولادت نزدیک ہے میں سورہ الم سجدہ پڑھنے لگی کہ دفعتہً
نرجس تڑپ کر اٹھ بیٹھیں میں بھی کھڑی ہو گئی اور میں نے کہا بسم اللہ علیک
کیا آپ کچھ محسوس کرتی ہیں انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا اپنے دل کو تسلی دیجئے
کیونکہ یہ کیفیت ولادت ہے جس کے متعلق میں کہہ چکی ہوں اس کے بعد میری
اور نرجس دونوں کی آنکھ لگ گئی اور میں اس مولود کی برکت سے بیدار ہوئی
میں نے اس کے اوپر سے کپڑا اٹھایا کیا دیکھتی ہوں کہ بچہ اپنے اعضائے سجدہ
کے ساتھ سجدہ میں مصروف ہے میں نے اس کو اٹھایا سینہ سے لگایا دیکھا کہ آلائش
ولادت سے بالکل پاک ہے امام حسن عسکری نے مجھے پکارا کہ اے پھوپی
میرے بیٹے کو دو میں نے تعمیل کی آپ نے بچہ کی رانوں کے نیچے اور اس کی پشت
پر ہاتھ پھیرا اور اس کے پیروں کو اپنے سینہ سے لگا کر اپنی زبان اس کے
منہ میں دی اور اس کے چشم و گوش پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اے فرزند
کلام کرو۔ پس بچہ نے کہا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
واشهد ان محمداً رسول الله اس کے بعد امیر المومنین اور تمام آئمہ پر

ایک بعد دیگرے درود بھیجا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اے پھوپی اس کو
اس کی ماں کے پاس پہونچا دیجئے تاکہ یہ ان کو سلام کرے اور پھر میرے پاس
لے آئیے۔ میں لے گئی بچہ نے اپنی ماں کو سلام کیا میں بچہ کو پھر امام کے پاس لائی
آپ نے فرمایا کہ اے پھوپی ساتویں روز آپ پھر میرے پاس آئیے۔ میں
آج کو حضرت کی خدمت میں سلام کرنے گئی اور پردہ ہٹایا تو میں نے بچہ کو
نہ دیکھا میں نے کہا آپ پر قربان بچہ کیا ہوا۔ فرمایا میں نے اس کو اس کے
سپرد کر دیا جس کے سپرد مادر موسیٰ نے موسیٰ کو کر دیا تھا۔ ولادت کے ساتویں
دن میں حضرت کی خدمت میں گئی سلام کرکے بیٹھ گئی۔ فرمایا کہ میرے بیٹے
کو لاؤ میں نے آپ ہی کی حضرت نے اس کے ساتھ وہی عمل کیا جو شب
ولادت کو کیا تھا اپنی زبان اس کے منہ میں دی گویا کہ آپ اس کو دودھ یا
شہد پلا رہے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اے فرزند باتیں کرو۔ بچہ نے
کہا: اشہد ان لا الہ الا اللہ الخ

اس حدیث کے راوی موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق
عقبہ خدمت گار امام حسن عسکری سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ حکیمہ
نے سچ بیان کیا۔

ولادت کے اس واقعہ کو موسیٰ بن محمد قاسم نے حکیمہ سے سنا اور
جب یقین نہ آیا تو عقبہ خدمت گار امام حسن عسکری سے اس واقعہ کی تصدیق
چاہی۔ عقبہ نوکر نے حکیمہ کے بیان کی تصدیق ایک نوکر سے کی جا رہی ہے
کیا خدمت گار کے علاوہ کوئی اور معتبر شخص نہیں مل سکتا تھا۔ اول تو یہ

کے بیان کی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر حکیمہ کے عجیب وغریب
اور فوق العادۃ بیان سے فطری اور قدرتی طور پر کچھ شک بھی ہوا تھا تو
حضرت امام غائب کی دادی سے تصدیق چاہی ہوتی یہ ولادت حضرت امام غائب
کے وقت بلکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بھی بہت
عرصہ بعد تک زندہ تھیں لیکن نہیں پوچھا تو نوکر سے اور نہیں معلوم کہ اس
نے اس واقعہ کی تصدیق کیسے کردی جبکہ وہ نامحرم تھا اور اندر موجود
نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے عقبہ کا بیان پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ بہرحال
اس روایت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) حکیمہ امام علیہ السلام سے دریافت کرتی ہیں کہ آپ کا فرزند کس کے بطن
سے پیدا ہوگا تو ان کو جواب ملتا ہے کہ نرجس خاتون کے بطن سے یہ جواب
سن کر حکیمہ امام علیہ السلام سے فرماتی ہیں کہ میں تو نرجس میں حمل کا کوئی
اثر نہیں پاتی اس کا جواب امام علیہ السلام نے یہ دیا کہ نہیں ایسا ہی ہوگا۔ دستور
قاعدہ ہے کہ حاملہ عورت کا حمل ابتدائی چند مہینوں کے اندر ہی معلوم ہو جاتا ہے
گھر کے دوسرے لوگ محلہ کی آنے جانے والی عورتیں شکل وصورت سے پتہ
لگا لیتی ہیں کہ یہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اس کو بھی جانے دیجئے حمل کے آخری
ایام میں خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ وضع حمل میں چند گھنٹے ہی رہ گئے ہوں حمل
کا پوشیدہ رہنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ جناب حکیمہ کی آمد ورفت اس گھر میں
برابر رہتی تھی یوں بھی وہ نہایت تجربہ کار خاتون تھیں انھوں نے پے در پے تین
اماموں کا زمانہ دیکھا تھا ظاہر ہے کہ وہ کتنی ضعیف العمر ہوں گی اور اس لحاظ سے

ان کو ان معاملات کا تجربہ کس قدر ہوگا ان کو استقرار حمل کے زمانہ سے لے کر
وضع حمل کے وقت تک یہ معلوم ہی نہ تھا کہ نرجس خاتون حاملہ بھی ہیں یا نہیں
اگر وہ واقعی حاملہ تھیں تو ہر وقت کی نشست و برخاست دیکھنے والی خاتون
جناب حکیمہ کو نرجس کے حاملہ ہونے تک کا علم نہ ہونا بے حد تعجب خیز ہے
چنانچہ جب انھوں نے یہ سنا کہ نرجس خاتون کے بطن سے فرزند پیدا ہوگا
تو وہ حیران ہوئیں اور اپنی اس حیرت کے ازالہ کے لئے وہ نرجس کے پاس گئیں
اور ان کا بغور معائنہ کیا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد بھی یہ تجربہ کار خاتون
اسی نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ نرجس خاتون حاملہ نہیں ہے اور انھوں نے نہایت
دیانتداری کے ساتھ اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو امام علیہ السلام کے سامنے رکھ
ہی دیا اور فرمایا کہ میں نرجس خاتون میں حمل کا کوئی نشان نہیں پاتی کیا
آپ کا یہ واضح بیان اس بات کی وضاحت نہیں کرتا کہ نرجس خاتون حاملہ نہ تھیں
پس جب ان کا حاملہ ہونا ہی ثابت نہیں تو پھر ولادت حجۃ ابن الحسن کس قاعدے
سے ثابت ہیں یہ بتایا جائے کہ وہ کون سا قانون ہے جس کے ماتحت
عورت کا تندرست حمل وضع حمل کے وقت تک کامل تحقیقات کے باوجود ثابت
نہ ہو اور ولادت وقوع میں آجائے اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو جناب حکیمہ کا
صرف یہ ایک فقرہ کہ "میں نرجس میں حمل کا نشان نہیں پاتی" ان تمام روایات
کو نہ صرف مشکوک ثابت کرتا ہے بلکہ بالکل پایہ اعتبار سے گرا دینے کے لئے
کافی ہے۔ جس نے اتفاقاً اس فقرہ کی یہ تاویل کی کہ غالباً راوی جناب حکیمہ کے
بیان کو ٹھیک طرح واضح نہیں کر سکا۔ آپ نے یہ فرمایا ہوگا کہ میں نرجس میں

وضع حمل کے آثار نہیں باقی یعنی نرجس حاملہ تو ہیں لیکن موجودہ حالت کو دیکھتے
ہوئے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وضع حمل آج ہی ہو جائے گا لیکن ہم نے جب
ان کے دوسرے بیانات پر نظر ڈالی تو ہمیں اپنی اس تاویل کو افسوس کے
ساتھ واپس لینا پڑا ان کے دوسرے بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد بھی جناب حکیمہ کو نرجس خاتون کے حاملہ ہونے
کا یقین نہیں ہوا۔ ہم ان بیانات کو آئندہ پیش کریں گے ابھی ہمیں اسی روایت
کے دوسرے حصوں پر غور کرنا ہے۔

(۲) اسی روایت میں جناب حکیمہ بیان کرتی ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوا تو اس
نے سجدہ کیا۔ ماں کو سلام کیا وحدانیتِ الٰہی اور رسالتِ محمدی کا اقرار کیا
اور حضرت آئمہ معصومین پر درود وسلام بھیجا صرف اتنا ہی نہیں توراۃ و
انجیل و زبور و قرآن کو بھی پڑھ ڈالا۔ یہ واقعات سراسر خلافِ فطرت خلافِ
عقل اور خلافِ قرآن ہیں جو لوگوں نے جوشِ عقیدت و ارادت یا ولادت
امام غائب کے معاملہ کو اہم بنانے کے لئے تصنیف کر لئے ہیں اور منسوب کر دئے
جناب حکیمہ کی طرف اس موقع پر یہ کہا جانا ممکن ہے کہ یہ واقعات خلافِ فطرت
و خلافِ قرآن نہیں ہیں حضرت مسیح کا گہوارہ میں کلام کرنا ثابت ہے اس لئے
اگر حضرتِ امام غائب نے آغوشِ پدر میں کلام کیا تو خلافِ فطرت و خلافِ قرآن
کس طرح ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے اہلِ اسلام میں یہ خیال غلط فہمی
کی وجہ سے پھیل گیا ہے ورنہ جناب مسیح ابنِ مریم نے دراصل گہوارہ میں کلام
نہیں فرمایا۔ اس معاملہ کو ہم کتاب مقدس انجیل و قرآن سے ثابت کرتے ہیں

انجیل مقدس میں لکھا ہے: "دیکھو خداوند کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس بادشاہ اس بچے کی تلاش میں ہے بس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر روانہ ہو گیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ "مصر سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا" جب ہیرودیس مر گیا تو خداوند کے فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ اور اس بچہ کو اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچہ کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے بس وہ اٹھا اور بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں آ گیا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ــــ اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یسوع خود تعلیم دینے لگا تو برس تیس ایک کا تھا۔

حضرت مسیح پیدا ہوتے ہی بادشاہ کے خوف سے مصر لیجائے گئے اور جب بادشاہ مر گیا تو واپس آئے۔ بچپن سے لیکر مصر سے واپسی تک گہوارہ میں بولنے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا لیکن جب مصر سے واپس ہوئے اور اس وقت ان کی عمر نوجوانی کی تھی کہ دفعتہً منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور تیس برس کے لگ بھگ عمر میں امر الٰہی کی تبلیغ شروع کی۔ جو تعلیمات توریت کے خلاف تھی ان کے دعویٰ نبوت کو سن کر یہودی غضبناک ہو گئے اور انھوں نے کہا:

اے مریم یہ تو تم نے بڑا خراب کام کیا۔ تمہارے خاندان میں تمہارے ماں باپ نے کوئی خراب کام نہیں کیا تھا۔ یہ تم کیسا لڑکا لیکر آئیں جو نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت مریم نے اشارہ کیا کہ اسی لڑکے سے پوچھو میں کچھ نہیں جانتی تو یہودیوں نے کہا کہ "ہم گود کے بچہ سے کیسے بات کریں" یہاں گود کے بچہ سے ایسا بچہ مراد نہیں جو فی الواقع گہوارہ یا گود میں ہو بلکہ ایسے محاورات ہر زبان میں پائے جاتے ہیں کہ ایک نوجوان آدمی کو بھی کہدیا جاتا ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات یہ کیسی باتیں کرتا ہے یا اس کے تو ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے اور باتیں کرتا ہے بزرگوں جیسی اسی طرح کہا جاتا ہے کہ یہ کل کا لڑکا ہے ہم سے ایسی باتیں کرتا ہے حالانکہ اس شخص کا نہ منہ چھوٹا ہوتا ہے نہ اس کے منہ میں دودھ کے دانت ہوتے ہیں نہ وہ کل کا لڑکا ہوتا ہے۔ بس اسی طرح یہودیوں نے کہا تھا کہ یہ کل کا بچہ یا یہ تو ابھی گہوارہ ہی میں تھا اور ہمارے سامنے کا بچہ ہے اور باتیں کرتا ہے۔ نبوت و رسالت کی ہم اس معاملہ میں اس لڑکے سے کیا بحث کریں اور کیا بات کریں تو حضرت مسیح نے فوراً جواب میں فرمایا کہ :

انی عبد اللہ آتٰنی الکتاب وجعلنی	یعنی میں بندۂ خدا ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے
نبیًا وجعلنی مبارکًا این ما کنت	اور مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جہاں بھی میں رہوں
واوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت	مجھے مبارک قرار دیا ہے۔ اور تا زندگی مجھے نماز و
حیًا الخ	زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

اگر واقعی حضرت مسیح گہوارہ میں تھے اور گہوارہ میں بڑے ہوئے

رشاد فرما رہے ہیں تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح کو تیس سال
کی عمر میں کتاب ملی اور نبی بنائے گئے نہ کہ گہوارہ میں اور واقعات کے خلاف
بچہ کس طرح بول سکتا ہے یا خدا ایک غلط بیان کس طرح دلوا سکتا ہے حقیقت
یہ ہے کہ حضرت مسیح تیس سال کی عمر میں یہودیوں سے یہ کلام فرما رہے ہیں
نہ کہ ماں کی گود میں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اسی عمر میں آپ کو کتاب ملی اور اسی
عمر میں آپ نبی بنائے گئے اور یہ دعویٰ نبوت ہی یہودیوں کے غیظ و غضب
کا باعث بنا تھا اور دنیا کا قاعدہ ہے کہ ایسے ہی موقعہ پر اس قسم کے
شرمناک الزامات لگایا کرتی ہے اور پیغمبر اور اس کے ماننے والے ایسے ہی
اہانت آمیز کلام سنتے ہیں جیسا کہ حضرت مریم اور حضرت مسیح کو یہ توہین آمیز
باتیں سننی پڑیں۔ انجیل مقدس میں گہوارہ یا ماں کی گود میں کلام کرنے کے
واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ انجیل محرف ہے اور
عیسائیوں نے اس واقعہ کو انجیل سے نکال ڈالا تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ عیسائیت
کے منصب کی بات تھی ایسی بات اور ایسا محیر العقول واقعہ تحریف کس طرح
ہو سکتا تھا۔ پس یہ واقعہ نہ تو انجیل میں ہے نہ اس زمانہ کی کوئی تاریخ اس
واقعہ کی شاہد ہے اور نہ قرآن مجید کا یہ مطلب ہے پس حضرت مسیح کا گہوارہ
میں کلام کرنا ثابت نہیں نہ حضرت یحییٰ بچپن میں بولے۔ یہ تمام روایات غلط
طور پر سمجھی گئی ہیں۔ اس لئے حضرت امام غائب کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے
آغوش پدر میں کلام کیا ایک افسانہ سے زیادہ نہیں اور اگر ہم فرض کر لیں کہ
حضرت مسیح نے گہوارہ میں کلام کیا تھا تو اس کی وجہ بھی ساتھ ساتھ موجود ہے

یعنی حضرت مریم کو ایک غلط الزام کی صفائی پیش کرنے کے لئے اور ان کو یہودیوں کی تہمت سے بچانے کے لئے قدرت نے یہ انتظام کیا تھا لیکن امام حسن عسکری کے گھر میں خدا کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور حضرت حجۃ ابن الحسن کے کلام کرنے سے اس وقت ان کے والدین یا دوسرے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ معجزہ بھی اگر ہو تو کم از کم اس کی ضرورت تو معلوم ہو یا ان لوگوں کو دکھایا جائے جو معجزہ کے ضرورت مند ہوں۔ حقیقت یہی ہے کہ آج تک دنیا کے کسی انسان نے ماں کی گود میں کلام نہیں کیا اور یہ خدا کی لاتبدیل سنت ہے۔

(۳) اس روایت میں تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت امام جناب حکیمہ کو حکم دے رہے ہیں کہ اے پھوپی جب ساتواں دن ہو تو آپ ہمارے پاس آیئے اور حکیمہ کہتی ہیں کہ جب میں نے صبح کی تو ابو محمد پر سلام کرنے کو آئی اور میں نے پردہ اٹھایا تو میں نے بچّہ کو نہ دیکھا۔ ماں کی گود خالی دیکھ کر امام سے دریافت کیا کہ بچّہ کیا ہوا تو امام نے جواب دیا کہ میں نے اس کو اس کے سپرد کر دیا جس کے سپرد مادرِ موسیٰ نے موسیٰ کو کر دیا تھا۔

اوّل تو اس وقت جبکہ یہ واقعہ پیش آ رہا تھا جناب حکیمہ نے امام سے رخصت ہونے کو نہیں کہا تھا جس کے جواب میں امام علیہ السلام یہ کہتے کہ اچھا جائیے۔ مگر ساتویں روز آ جائیے ان کے جانے کی خواہش نہ کرنے کے باوجود امام علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ساتویں روز آئیے۔ خلافِ دستورِ اخلاق ہے بلکہ خاص عزیزوں کو چھوڑیئے ایسے موقعہ پر اگر کوئی غیر بھی ہو تو اس سے

اخلاقاً یا تکلفاً یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ ابھی اور رہئے جلدی کیا ہے چلی جائیے
گا اور اگر اصرار ہی ہو رہا ہو تو پھر مجبوراً اس کو رخصت کر دیا جاتا ہے
اور اگر فرض کر لیا جائے کہ جناب حکیمہ کی خواہش پر جس کا ذکر روایت میں
نہیں ہے امام نے ان کو جانے کی اجازت دیدی تھی اور فرما دیا تھا کہ اچھا
جائیے مگر ساتویں روز پھر آئیے تو ساتویں روز کی کیا خصوصیت تھی ولادت
کا واقعہ تھا یہ کیوں نہیں فرمایا کہ آپ کی ضرورت ہے آج تو چلی جائیے۔ مگر
کل یا پرسوں ضرور آ جائیے۔ خیر۔ اسے بھی چھوڑئیے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ
جناب حکیمہ امام کے حکم کے مطابق بچہ کو ان کی خدمت میں لیکر آئی ہیں اور
اس وقت حضرت امام بلا وجہ ان کو رخصت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آپ
ساتویں دن آئیں بچہ حضرت امام کے پاس موجود ہے تو پھر حکیمہ کا یہ بیان
کیا معنی رکھتا ہے کہ جب صبح ہوئی اور میں نے رخصتی سلام کے لئے پردہ اٹھایا
تو بچہ کو نہ دیکھا یہ صبح ہی کا تو وقت ہے جبکہ امام اور حکیمہ کے درمیان
یہ باتیں ہو رہی ہیں اور بچہ بھی امام کے پاس موجود ہے۔ بچہ موجود بھی ہے اور
بچہ موجود نہیں بھی ہے ممکن ہے قارئین محترم اس تضاد کو سمجھ لیں ہماری سمجھ
میں تو آتا نہیں حکیمہ امام کے پاس موجود بھی ہیں اور کہیں گئی نہیں اور کہیں
سے سلام کرنے آ بھی رہی ہیں اور پردہ اٹھا رہی ہیں اس بیان کا سر ہے
نہ پیر۔ ایک اور لطیفہ ملاحظہ ہو حکیمہ حضرت امام کے پاس بچہ کو لیکر
آتی ہیں کہ دیکھتے دیکھتے یکایک بچہ غائب ہو گیا اور اس طرح غائب ہوا
کہ غائب ہوتے ہوئے معلوم بھی نہ ہوا۔ جب بچہ معجزانہ طور پر غائب ہو گیا

تو پوچھتی ہیں کہ بچہ کیا ہوا جواب ملتا ہے کہ وہ اس کے سپرد کر دیا گیا جس
کے سپرد مادرِ موسیٰ نے موسیٰ کو کر دیا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ کیا اس سے
یہ مطلب ہے کہ جس طرح مادرِ موسیٰ نے بچہ کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا
میں بہا دیا تھا اور اس طرح موسیٰ کو خدا کے سپرد کر دیا تھا اسی طرح
امام علیہ السلام نے بھی کیا تو چونکہ حکیمہ کے سامنے بچہ غائب ہوا ہے حکیمہ
کی ایسی کوئی شہادت نہیں ہے یا اس کا یہ مطلب ہے کہ بچہ جو پیدا ہوا تھا
وفات پا گیا تو حکیمہ کا یہ بیان بھی نہیں پھر ہم سوال کرتے ہیں کہ برائے خدا
کوئی ہمیں بتائے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی امام کے پاس لایا گیا امام نے اس کو
واپس کیا تاکہ وہ ماں کو سلام کرے اور حکم دیا کہ سلام کرا کر اس کو ماں
کے پاس نہ رہنے دیجئے بلکہ بچہ کو واپس لائیے حکیمہ بچہ کو پھر حکم کے مطابق
واپس لے کر آتی ہیں۔ چھٹتے ہی امام فرمانے لگے کہ اب آپ ساتویں دن آئیں
یہ بات جس وقت ہو رہی ہے صبح کا وقت ہے اور حکیمہ ابھی امام کے پاس سے
کہیں گئی نہیں ہیں تو پھر حکیمہ یہ کس طرح کہہ رہی ہیں کہ جب صبح ہوئی اور
میں نرجس سلام کے لئے گئی تو بچہ کو نہ دیکھا۔ وہ امام کے پاس سے گئی
ہی کہاں ہیں جو انھیں سلام کے لئے کہیں سے آنا پڑے اور بچہ کو وہ لے کر
آئی ہیں اور امام کے حوالہ کیا ہے۔ بچہ امام کے ہاتھوں میں ہے تو پھر حکیمہ نے
بچہ کو کیوں نہ دیکھا آنکھوں کے سامنے سے بچہ کدھر چلا گیا۔ یہ معمہ ہم
برائے حل آپ کے سپرد کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

حکیمہ کہتی ہیں کہ حکم امام کے مطابق جب میں ساتویں دن حضرت کی

خدمت میں گئی اور سلام کر کے بیٹھ گئی تو فرمایا کہ میرے بیٹے کو لاؤ میں نے تعمیل کی اور حضرت نے اس کے ساتھ وہی عمل کیا جو شبِ ولادت کو کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیمہ کے رخصت ہونے کے وقت بچہ غائب ہو گیا تھا اور ساتویں دن حکیمہ کے دوبارہ آنے سے پہلے پہلے بچہ پھر نامعلوم جگہ سے واپس آچکا تھا لیکن یہی حکیمہ ایک دوسرے راوی محمد بن عبداللہ مطہری کو یہ بیان دے رہی ہیں (جس کو ہم آیندہ مکمل طور پر پیش کریں گے) کہ جب میں بچہ کو لیکر حضرت امام کی خدمت میں گئی اور حضرت نے بچہ کو لیا تو فوراً ہی چند مرغ آپ کے سر پر اڑتے نظر آئے حضرت نے ان میں سے ایک کو پکارا اور اس سے کہا کہ اس بچہ کو لے جا اور ۴۰ روز کے بعد اس کو میرے پاس لانا۔ مرغ نے اٹھا لیا اور آسمان کی طرف چلا گیا اور اسی سلسلہ میں حکیمہ کہتی ہیں کہ حضرت نے مجھے ۴۰ روز کے بعد بلایا تو میں نے ایک لڑکے کو چلتے پھرتے دیکھا جو طفل دوسالہ معلوم ہوتا تھا۔

یہ بیان زیرِ بحث روایت کے بالکل برعکس ہے اگر امام نے حکیمہ کو ۴۰ روز کے بعد بلایا تو حکیمہ کا یہ بیان غلط ہے جس میں ان کو ساتویں روز آنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر ساتویں دن آنے کا حکم درست ہے تو ۴۰ روز بعد بلائے جانے والا بیان جعلی ہے۔ علاوہ بریں اگر امام علیہ السلام نے مرغ کو یہ حکم دیا تھا کہ ۴۰ روز کے بعد اس کو میرے پاس واپس لا اور بچہ ۴۰ روز کے بعد واپس آیا تو پھر حکیمہ نے ساتویں دن بچہ کو کس طرح دیکھ لیا اور امام نے

کس طرح اس کے منہ میں زبان دی - بہر حال ان دونو بیانوں میں سے کوئی ایک غلط تسلیم کرنا ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ ولادت حضرت امام غائب کے متعلق جس قدر بیانات ہیں وہ سب جعلی ہیں اور اپنے غلط ہونے کا خود ہی اعلان کرتے ہیں - اس بے سروپا اور جعلی روایت کے ساتھ ساتھ بطور تتمہ ایک اور تاریخی واقعہ سن لیجئے جو اس پیدا ہونے والے بچے کی وفات کی تائید کرتا ہے اور وہ یہ کہ بعد وفات امام حسن عسکری جب آپ کے بھائی جعفر نے دعویٰ امامت کیا اور علامہ شلمغانی نے جو اس زمانہ کے مشہور شیعہ عالم تھے عقیدۂ امام غائب کا انکار کیا تو حسین بن روح نے ممبر پر چڑھ کر شلمغانی اور جعفر پر لعنت بھیجی اور کہا کہ امام حسن عسکری کے بعد ان کا ایک فرزند موجود ہے جو غائب ہے اس کے جواب میں جعفر نے کہا کہ میرے بھائی نے لاولد ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے - ایک بچہ پیدا ہوا تھا اس کی قبر موجود ہے آؤ قبر کھود کر اس کی لاش دکھادوں لیکن شیعہ حضرات جعفر کے اس قول کو تسلیم نہ کریں گے کیونکہ وہ جعفر کو جعفر کذاب کہتے ہیں اچھا غلط سہی لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ ہمیں بحار الانوار میں ایک اور روایت ملتی ہے جس کے راوی ابراہیم بن ادریس ہیں ان کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری نے میرے پاس ایک گوسفند بھیجا اور فرمایا کہ اس کو میرے فلاں بیٹے کے لئے عقیقہ کرو خود کھاؤ اور اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ میں نے تعمیل کی اس کے بعد جب میں خدمت آنحضرت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے بیٹے نے وفات پائی -

(بحار الانوار فارسی ص۱۳۱)

بنارسی مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادریس کے اس بیان میں اتنا
اضافہ اور ہے کہ پھر امام نے میرے پاس دو مینڈھے بھیجے اور بسم اللہ کے
بعد لکھا کہ ان دونو کو اپنے مولا کی طرف سے عقیقہ کر خود بھی کھا خدا گوارا
کرے اور اپنے بھائیوں کو بھی کھلا میں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد
حضرت سے ملاقات کی تو آپ نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ابراہیم بن ادریس
کے دونو بیان ہم نے بے کم و کاست درج کر دیئے ہیں۔
بیان ما سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بچہ نے وفات پائی دوسرے بیان
سے ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے تھے جن
میں سے ایک نے وفات پائی اور دوسرے کے متعلق کچھ نہیں معلوم کیونکہ
امام علیہ السلام نے کوئی قصہ صحیح نہیں فرمائی۔ شیعوں میں یہ بات تسلیم نہیں ہے
کہ آپ کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ ایک ہی لڑکے کی پیدائش ثابت
ہونی مشکل ہے دو کا تو ذکر ہی کیا ہے بہرحال دونو بیانوں میں یہ بات موجود
ہے کہ آپ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس نے وفات پائی اور یہ دونو
بیانات متعلقہ وفات پسر امام حسن عسکری جعفر کے بیان کی تائید کرتے ہیں خواہ
وہ کاذب ہی کیوں نہ مشہور ہو لیجئے چھٹی پائی اگر ایک طرف جناب حکیمہ کی
یہ جعلی اور خلاف عقل و فطرت واقعات سے لبریز شہادت ہے کہ حضرت
بچہ پیدا ہوئے تو دوسری طرف امام علیہ السلام کے بھائی جعفر بن امام علی نقی
اور حضرت امام کے ایک معتقد ابراہیم بن ادریس کی یہ شہادت ہے کہ ایک
بچہ پیدا ہوا تھا جس نے وفات پائی اور اس زمانہ میں جعفر اس بچہ کی قبر

کھود کر دکھلانے کو تیار تھا - لیکن چونکہ جعفر نے دعویٰ امامت کر دیا تھا اور یہ بات شیعوں کو گوارا نہ تھی اس لئے جعفر کو بدنام بنانے کے لئے حسین بن روح نے جو ابواب اربعہ میں شمار ہوتے تھے - جعفر کو منبر پر گالیاں دیں اور یہ بات ایجاد کی کہ حضرت امام حسن عسکری کا ایک فرزند موجود اور غائب ہے اور یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ جعفر کے اس بیان کو چونکہ غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جو مر گیا اور آٹھ من کی لاش دکھا دوں اس لئے ابراہیم بن ادریس کی طرف سے ایک اور بیان مرتب کر لیا گیا جس سے یہ ثابت ہو کہ بے شک ایک لڑکا پیدا ہوا اور مر بھی گیا تھا لیکن اس کے بعد بھی ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کے مرنے نہ مرنے کے متعلق امام نے کچھ نہیں کہا چونکہ نہیں کہا اس لئے اس کی موجودگی ثابت ہے - حالانکہ امام کی خاموشی موجودگی کی دلیل نہیں - بہر حال جعفر کے بیان کی تائید ابراہیم ابن ادریس کے بیان کے حصہ اول سے ہو جاتی ہے رہا دوسری مرتبہ مینڈھوں کا بھیجنا اور ایک دوسرے لڑکے کے وجود کا احتمال تو اسی مسئلہ کی تحقیقات کی جا رہی ہے اور اس سلسلہ میں حکیمہ کا ایک بیان پیش کیا جا چکا ہے جس کا جعلی ہونا ظاہر اور آشکار ہے جس پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے - انصاف سے دیکھئے کہ ولادت حضرت حجۃ یقینی ہے یا ان کی وفات یقینی ہے یا ولادت اور وفات دونو مشکوک ہیں کم از کم ولادت و وفات دونو کو مشکوک تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے پس ایک ایسا عقیدہ جزو ایمان نہیں بنایا جا سکتا جس کی بنیاد مشکوک بیانات پر ہو - حکیمہ کا ایک اور بیان ملاحظہ ہو:

(۲) محمد بن عبداللہ مطہری بیان کرتے ہیں کہ وفات امام حسن عسکری علیہ السلام
کے بعد میں حکیمہ کے پاس گیا اور حجت خدا کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ
بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا تو فرمایا کہ اے محمد خدا روئے زمین کو حجۃ اللہ الناطقہ
و صامتہ سے خالی نہیں رکھتا اور امامت کو خدا نے حسن اور حسین کے بعد دو
بھائیوں میں قرار نہیں دیا اور یہ اس لئے کہ یہ دونو سب سے افضل ہیں
خدا نے اولاد حسین کو اولاد حسن پر فضیلت دی جس طرح اولاد ہارون کو اولاد
موسیٰ سے افضل قرار دیا اگرچہ موسیٰ کی ذات ہارون پر حجت تھی اور ضروری
ہے کہ امت میں حیرت واقع ہو تاکہ باطل پرست شبہ کریں اور حق پرست
خالص ہو جائیں یہاں تک کہ مخلوق کی حجت خدا پر نہ رہے اور ضروری ہے کہ
یہ حیرت امام حسن عسکری کے بعد واقع ہو میں نے کہا کہ اے میری سردار کیا
امام حسن عسکری کا کوئی فرزند ہے حکیمہ مسکرائیں اور فرمایا کہ بیٹا نہ ہوتا تو حجت خدا
کون ہوتا میں نے ابھی تم کو خبر دی ہے کہ حسن اور حسین کے بعد امامت دو بھائیوں
کے لئے نہ ہوگی میں نے کہا حجت خدا کی ولادت کا حال سنائیے تو حکیمہ نے کہا کہ
میری ایک کنیز تھی جس کا نام نرجس تھا یہ بھتیجا میرے پاس آیا اور اس کی طرف
گھورنے لگا میں نے کہا کہ اے سیدِ من میرا خیال ہے کہ تم اس کنیز کو دل دے
بیٹھے ہو تو کیا میں اس کو تمہارے پاس بھیج دوں اس نے کہا مجھے اس سے عشق
نہیں ہے لیکن اس کو دیکھ کر مجھے تعجب ضرور ہوتا ہے میں نے کہا تعجب کی
کیا وجہ ہے حضرت نے فرمایا کہ بہت جلد اس کنیز سے ایک فرزند بزرگ پیدا
ہوگا جو زمین کو عدل و دولت سے بھر دے گا جبکہ وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی

میں نے کہا تو میں اس کو تمہارے پاس بھیجدوں تو امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ میرے باپ سے اجازت حاصل کیجئے۔ میں لباس بدل کر اپنے بھائی (امام علی نقی) کے گھر گئی سلام کر کے بیٹھ گئی ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے حکیمہ نرجس کو حسن عسکری کے پاس بھیجدو۔ میں نے عرض کیا: میں اسی غرض سے آئی تھی امام علی نقی نے فرمایا کہ اے مبارکہ خدا دوست رکھتا ہے کہ تم کو اجر میں شریک کرے اور خیر میں تمہارا نصیب قرار دے۔ میں نے کنیز کو آراستہ کیا اور حسن عسکری کو دیدیا اور میں نے دونو کو کچھ عرصہ تک اپنے گھر رکھا اس کے بعد میں نے دونوں کو اپنے بھائی کے گھر بھیج دیا۔ پھر میرے بھائی کی وفات ہو گئی اور حسن عسکری ان کے جانشین ہوئے میں برابر ان کی زیارت کو جایا کرتی تھی جس طرح اپنے بھائی کی زیارت کو جایا کرتی تھی۔ ایک روز جب میں امام حسن عسکری کی خدمت میں گئی تو نرجس میرے پاس آ کر میرے موزے اتارنے لگی میں نے کہا آپ میری سردار ہیں بخدا میں اپنے پاؤں تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گی کہ آپ موزہ اتاریں بلکہ مجھ کو آپ کی خدمت کرنی چاہئے۔ امام حسن عسکری نے ہماری گفتگو سنی تو فرمایا کہ اے پھوپی خدا آپ کو جزائے خیر دے میں غروب آفتاب تک وہیں رہی۔ میں نے نرجس کو پکارا اور کہا کہ میرے کپڑے لاؤ تاکہ اپنے گھر جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ آج کی رات اسی جگہ قیام فرمائیے آج شب کو وہ ولد کریم پیدا ہوگا جس کے سبب خدا زمین مُردہ میں جان ڈالے گا میں نے عرض کیا کہ کس کے بطن سے ہوگا

حالانکہ میں نرجس میں آثارِ حمل نہیں پاتی تو فرمایا کہ نرجس ہی سے
ہوگا میں نرجس کے قریب گئی اس کے پیٹ کا باطنی حصہ دیکھا مگر حمل کا کوئی
اثر نہ دیکھا تو حضرت کی خدمت میں گئی اور ان کو خبر دی۔ حضرت ہنسے اور
فرمایا کہ آج کی رات صبح کے وقت اس کا حمل ظاہر ہوگا اس کی مثال
مادرِ موسیٰ کی سی ہے کہ کوئی شخص اس کے حمل سے مطلع نہیں ہوا کیونکہ فرعون
حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کروا دیتا تھا یہ مولود بھی مثل موسیٰ ہے میں اس
رات صبح تک منتظر رہی جاگتی رہی اور نرجس اسی طرح سو رہی تھیں کہ
کروٹ تک نہ بدلتی تھیں جب آخر شب ہوئی تو تڑپ کر اٹھیں میں نے سینہ
سے لگایا اور حال پوچھا تو کہا وہ بات ظاہر ہو گئی جس کی خبر امام نے آپ کو
دی تھی۔ ناگاہ اس نے صدا دی کہ انا انزلنٰہ پڑھو میں پڑھنے لگی کہ
دفعتاً میں نے سنا کہ مولود بھی شکمِ مادر میں وہی پڑھ رہا ہے جو میں پڑھ
رہی ہوں اور اس نے مجھے سلام کیا میں مضطرب ہو گئی۔ امام نے فرمایا کہ
خدا کے کاموں میں تعجب نہ کرو خدا ہم کو شیر خوارگی کی حالت میں اپنی حکمت
سے گویا کرتا ہے اور جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہم کو اپنی حجت قرار
دیتا ہے۔ کلام امام آخر تک نہ پہونچا تھا کہ نرجس میری نظروں سے غائب
ہو گئی گویا کہ میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو گیا۔ میں فریاد کرتی ہوئی
امام کے پاس دوڑی ہوئی آئی آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ نرجس کو تم اسی
جگہ دیکھو گی میں واپس گئی نرجس موجود تھیں اور میں ان کے اندر نور دیکھ
رہی تھی اس نور نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ دفعتاً میں نے ایک لڑکا دیکھا

جو زانو کے بل سجدہ کر رہا تھا اور انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کرکے
اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان جدی رسول اللہ وابی امیر المومنین
کہتا تھا اس کے بعد اس نے تمام آئمہ کا یکے بعد دیگرے نام لیا یہاں تک
کہ اپنا نام لیا اور کہا اللھم انجزنی وعدک واتمم لی امری وثبت
وطأتی واملأ الارض بی عدلاً وقسطاً امام حسن عسکری نے کہا کہ مجھے دیجئے میں
بچہ کو ان کے پاس لے گئی اور کھڑی ہو گئی اس حالت میں کہ بچہ میرے
ہاتھوں پر تھا اس نے حضرت کو سلام کیا حضرت نے اس کو لے لیا۔
فوراً ہی چند مرغ آپ کے سر پر اڑتے نظر آئے حضرت نے ان میں سے
ایک کو پکارا اور اس سے کہا کہ اس بچہ کو لے جا حفاظت کر اور چالیس روز
کے بعد اس کو میرے پاس لایا کر۔ پس مرغ نے اس کو اٹھا لیا اور آسمان
کی طرف اڑ گیا اور تمام مرغ اس کے پیچھے پیچھے اڑ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ
میں تجھے اس ذات کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد مادرِ موسیٰ نے موسیٰ
کو کر دیا تھا نرجس رونے لگی۔ حضرت نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ اس
مولود کے لئے تمہارے سوا دوسرے کا دودھ پینا حرام ہے اور جلد ہی
تمہارے پاس واپس آئے گا جس طرح موسیٰ اپنی ماں کے پاس واپس
آ گئے تھے۔ اس کی تصدیق کا خداوند فرماتا ہے: فرددناہ الی امہ
کی تقر عینہا ولا تحزن۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مرغ کون ہیں فرمایا
روح القدس تھا جو آئمہ پر موکل ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔ حکیمہ نے
کہا کہ ۴۰ روز کے بعد آنحضرت نے مجھے بلایا تو فرزند واپس آ چکا تھا۔

میں گئی تو میں نے ایک لڑکے کو چلتے پھرتے دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو
نفس وجود سا معلوم ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ انبیا و اوصیاء کی وہ اولاد
جو امام بنتی ہے اس کی نشو و نما عام لوگوں کی نشو و نما کے خلاف ہوتی ہے
ہمارا ایک ماہ کا بچہ دوسروں کے ایک سال کے بچے کے برابر ہوتا ہے ہمارا
بچہ شکم مادر میں تکلم کرتا ہے قرآن پڑھتا ہے۔ عبادت خدا کرتا ہے۔ اور
شیرخوارگی کے وقت اس پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں
حکیمہ نے کہا کہ میں ہر چالیس روز کے بعد اس کو دیکھا کرتی تھی۔ یہاں تک
کہ امام حسن عسکری کی وفات سے چند روز پہلے وہ پورے انسان
کے قد و قامت کے برابر ہو گیا اور پھر میں نے اس کو نہ پہچانا اور امام حسن عسکری
سے عرض کیا کہ یہ مرد کون ہے جس کے سامنے آنے کو مجھے آپ حکم دیتے ہیں
فرمایا نرجس کا بیٹا اور وہی میرے بعد خلیفہ ہے۔ میری وفات اب بہت
جلد ہوگی۔ تم اسی کی اطاعت کرنا۔ چند روز بعد امام نے وفات پائی لوگوں نے
فرقہ بندی کر لی جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ قسم بخدا میں صبح و شام تو ان کو دیکھتی
ہوں اور وہ مجھ کو ان باتوں کا جواب دیتے ہیں جو لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں
قسم بخدا میں جس وقت کوئی بات پوچھتی ہوں تو وہ پہلے ہی اس کا جواب دے
دیتے ہیں۔ انہوں نے تیرے آنے کی خبر مجھے کل رات دیدی تھی اور مجھ سے
فرمایا میں تجھے حق کی خبر دیدوں۔ محمد بن عبداللہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ
حکیمہ نے مجھے وہ باتیں بتائیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہ جانتا تھا اس سے میں نے
حکیمہ کی صداقت کا یقین کر لیا۔

ہم نے روایت مذکورہ کو تمام و کمال درج کر دیا ہے تاکہ آپ بخوبی
اندازہ کر سکیں کہ شیعہ راویوں نے حضرت کے مسئلہ پر کیا کیا
رنگ چڑھائے ہیں جن کی وجہ سے آئمہ طاہرین کی ہستیاں بھی قابل صد اعتراض
بن گئی ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ شیعہ صاحبان
ایک ہزار سال سے ان بے سروپا افسانوں پر سر دھنتے چلے آتے ہیں
اور ان روایات کے ایک ایک حرف کو وحی آسمانی سمجھتے ہیں۔ پہلی روایت
کی طرح اس روایت کا بھی جعلی ہونا بالکل ظاہر و عیاں ہے۔ حقیقت یہ ہے
کہ یہ روایت امام حسن عسکری کے بھائی جعفر کے دعوئ امامت کو باطل کرنے
کے لئے تصنیف کی گئی۔ روایت کے شروع ہی میں فرماتے ہیں کہ خدا
نے حسن اور حسین کے بعد امامت دو بھائیوں میں قرار نہیں دیا۔ حالانکہ یہ
بات بالکل غلط ہے خدا نے تو یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے امامت کو حسن اور حسین
میں قرار دیا اور نہ یہ کہیں فرمایا کہ ان کے بعد دو بھائیوں میں امامت نہ ہوگی
دوسری بات یہ ہے کہ یہ فقرہ واقعات کے خلاف بھی ہے۔ کیونکہ حسن و حسین
کے بعد امام جعفر صادق کے دو بیٹے اسماعیل اور موسیٰ کاظم جو آپس میں بھائی
بھائی تھے یکے بعد دیگرے امام قرار پائے اور امام جعفر صادق نے پہلے اسماعیل
کو امام قرار دیا اور ان کی وفات کے بعد موسیٰ کاظم کو امام بنایا
تو دو بھائیوں میں امامت کو قرار دئے جانے میں عقلاً کیا خرابی ہے! بات
یہی ہے کہ جعفر نے دعوئ امامت کیا تھا اس کو باطل کرنے کے لئے یہ بات
گھر کی طرف سے مرتب کر لیا گیا۔ حسین کے یہ دونوں بیان نہیں ہیں

اس لئے ضروری ہے کہ دونوں بیانوں میں سے کوئی ایک بیان حکیمہ کا ہو سکتا
ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ پچھلے بیان کے ساتھ ساتھ اس بیان کا اور اضافہ
ہوتا تو بھی غیر یقینی ان کو حکیمہ کا بیان قرار دیا جا سکتا تھا مگر ان دونوں بیانوں
کو پڑھنے سے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ایک ہی شخص بیان دے رہا ہے۔ دونوں میں
تمام بیان ایسے ہوں کے بالکل برعکس ہے۔ ہم حیران ہیں کہ حکیمہ کے اُس
بیان کو صحیح قرار دیں یا اس کو۔ روایت سابق میں حکیمہ فرماتی ہیں کہ شب ولادت
میں امام حسن عسکری نے ایک شخص کو بھیج کر ان کو بلایا اور اس بیان میں
وہ فرماتی ہیں کہ میں جس طرح اپنے بھائی کی زیارت کو جایا کرتی تھی اسی طرح
امام حسن عسکری کی زیارت کو بھی جایا کرتی تھی۔ ایک روز جب میں
امام حسن عسکری کی خدمت میں گئی تو انھوں نے ان کو روکا اور اپنے
گھر میں رات گذارنے کے لئے فرمایا۔ اس اختلاف بیان کے علاوہ یہ بات
ایک مرتبہ پھر قابل غور ہے کہ بہت عرصہ پہلے جبکہ امام کو تحقق نرجس سے
ہوا بھی نہ تھا حکیمہ کو نرجس کے بطن سے حضرت حجت کی ولادت کی
خبر مل چکی تھی تو وہ برابر نرجس کے حمل کا اندازہ کرتی رہی ہوں گی تھی کہ
شب ولادت کو آپ امام سے پوچھتی ہیں کہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا
حالانکہ میں تو نرجس میں حمل کا نشان تک نہیں پاتی اور جب امام نے
فرمایا کہ نہیں نرجس ہی کے بطن سے ہوگا تو انھیں نرجس کے قریب جاکر
ان کے پیٹ کو دیکھنا پڑا اور پھر بھی ان کی رائے یہی قائم ہوئی کہ نرجس
حاملہ نہیں ہے اور یہ دونوں کی شہادت ہے جس سے نرجس کا حاملہ تک

نہ ہونا ثابت ہے یہاں ہم پھر اپنے اس اعتراض کا اعادہ کرتے ہیں کہ ایامِ حمل کے
پورا ہونے کے بعد ایک حاملہ عورت کے حمل کا نشان تک نہ پائے جانے
کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے لیکن ان روایات میں حمل کا پتہ نہ لگنے کی ایک
وجہ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ امام اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ اس کی
مثال مادرِ موسیٰ کی سی ہے کہ کوئی شخص بھی ان کے حمل سے مطلع نہیں ہوا
کیونکہ فرعون حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرڈالتا تھا اگر یہ بات درست
ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ مادرِ موسیٰ کے حمل ظاہر نہ ہونے کی وجہ تو یہ
تھی کہ ایسا نہ ہو فرعون کو خبر ہو جائے اور وہ مادرِ موسیٰ کا پیٹ چاک
کرڈالے لیکن امام حسن عسکری کے وقت کی حکومت میں حاملہ عورتوں کے
پیٹ چاک نہیں کئے جاتے تھے اس لئے امام حسن عسکری کے یہاں اس کا
کوئی خطرہ ہی نہ تھا تو حضرت حجت کا حمل پوشیدہ رکھنے میں مصلحت کیا تھی
علاوہ بریں یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ موسیٰ کا حمل بالکل مخفی تھا کہ کوئی
مادرِ موسیٰ کا امتحان بھی کرتا تو بھی حمل کا پتہ نہ چلتا ہاں یہ بات درست ہو سکتی
ہے کہ کوئی شخص اس امر کی طرف توجہ نہ کر سکا کہ مادرِ موسیٰ حاملہ ہیں اس کے
علاوہ یہ بات بھی ثابت نہیں ہے کہ فرعون حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرتا
تھا چنانچہ کتاب خروج فصل اول آیت ۱۶ میں لکھا ہے کہ فرعون مصر نے
عبرانی دائیوں سے جن میں ایک کا نام سفرہ اور دوسری کا فوعہ تھا بات کی
اور کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچے جناؤ اور ان کو پتھر کی پیڑھیوں پر
بیٹھا دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے

لیکن وہ دائیاں خدا سے ڈرتی تھیں انھوں نے اس کا حکم نہ مانا اور لڑکوں کو جیتا چھوڑ دیتی تھیں۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ پھر فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو حکم دیا کہ اُن میں یعنی عبرانیوں میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور بیٹی کو زندہ چھوڑ دینا۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ فرعون پیٹ چاک کر ڈالتا تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرعون لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اسی واقعہ کی طرف قرآن مجید اس طرح اشارہ فرماتا ہے کہ:

يذبحون ابناءكم ويستحيون نساءكم۔ یعنی فرعون کے لوگ تمہارے بیٹوں کو مروا ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

حلیمہ ایک اور روایت بیان کرتی ہیں جو انھوں نے بیان اسبق میں بیان نہیں کی۔ وہ کہ اس قدر حیرت انگیز بات ان کو اپنے کسی بیان میں چھوڑنی نہیں چاہئے تھی یعنی فرزند شکم مادر میں انا انزلناہ کی تلاوت کرتا تھا اور آواز تلاوت شکم مادر سے باہر آتی تھی یہ غیر المعقول واقعہ جناب حلیمہ برداشت نہ کرسکیں چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ میں مضطرب ہو گئی۔ جناب حلیمہ کی طرح جو کبھی اس واقعہ کو سنے گا وہ حیران رہ جائے گا ہمیں بھی حیرت ہوئی لیکن ہماری یہ حیرت بہت جلد دور ہو گئی جبکہ آگے چل کر اسی روایت میں ہم نے پڑھا کہ آمنہ نے فرمایا "خدا کے کاموں میں تعجب نہ کرو وہ تم کو حالت شیر خوارگی میں اپنی حکمت سے گویا کرتا ہے۔ بچہ شکم مادر میں تلاوت قرآن کر رہا ہے مگر آمنہ فرما رہی ہیں کہ خدا تمہیں حالت شیر خوارگی میں گویا کرتا ہے ان کو یہ فرمانا چاہئے تھا

ونذرهم فی طغیانهم یعمهون ○ ولو اننا نزلنا الیهم الملائکة وکلمهم الموتی وحشرنا علیهم کل شیء قبلا ما کانوا لیومنوا الا ان یشاء الله ولکن اکثرهم یجهلون۔

ان کے دلوں اور آنکھوں کو پہلے کی طرح پلٹ دیں گے اور ان کو شک و تردد کی حالت میں چھوڑ دیں گے اور اگر ہم ان پر فرشتے نازل کریں اور مردے ان سے باتیں کریں اور ہم ان کے سامنے ہر چیز لا رکھیں پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے بجز اس کے کہ خدا چاہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔

کلام خداوندی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ عظیم الشان معجزات و نشانات بھی کسی شخص کے ایمان کا سبب نہیں بن سکتے ایسی حالت میں معجزات و خوارق عادات کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ دلیل نبوت و رسالت بن سکتے ہیں اور نہ معجزات کو دعوی نبوت و رسالت سے کوئی تعلق ہے اسی لئے خداوند عالم سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے کہ:

وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الاولون۔

یعنی ہمیں رسول کو معجزات دیکر بھیجنے سے اس چیز نے روک دیا ہے کہ پہلے لوگ معجزات کی تکذیب کر چکے ہیں

یعنی کہا جاتا ہے کہ ہمارے پیغمبر اور ان کے نبیین کو خاص طور پر شروع ہی سے معجزات اور خوارق عادات عطا کی گئی تھیں لیکن خدا فرماتا ہے کہ ہم تمہارے اوپر معجزات اس لئے نازل نہیں کر رہے ہیں کیونکہ اگلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ختم الانبیاء کے ذریعے کوئی معجزہ اور خارق عادہ نشان نہیں دکھایا گیا پھر ان کے نبیین کا تو ذکر کیا ہے۔ اس لئے جناب رسالتمآب اور آئمہ اطہار کے تمام وہ معجزات

باتیں ہیں جو روایات واخبار میں پائے جاتے ہیں۔ ہم شیعہ علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حضرت خاتم الانبیا کا کوئی معجزہ قرآن مجید سے ثابت کریں جو انھوں نے کفار کے سامنے پیش کیا ہو یا جس سے حفاظت حق ہوئی ہو یا آئمہ طاہرین کا کوئی معجزہ اور خارق عادت نشان روایت کے اصول پر ثابت کریں رہا یہ کہنا کہ یہ چیزیں ہماری کتابوں سے ثابت ہیں کافی نہیں ہے کیونکہ معجزات آئمہ طاہرین یا ان کے خوارق عادات نشان اسی قسم کی بے سروپا روایات سے ثابت ہیں جیسی کہ ہم حضرت امام غائب کے متعلق پیش کر رہے ہیں اسے ثابت کر نہیں سکتے۔ غرض حضرات آئمہ طاہرین کا شکم مادر میں یا ایام شیر خوارگی میں کلام کرنا محض افسانہ ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں ورنہ اگر یہ بات درست ہے تو جناب حکیمہ جیسی معزز تجربہ کار اور جہاں دیدہ خاتون کو جو امام علی نقی اور امام حسن عسکری کو شکم مادر میں یا حالت شیر خوارگی میں بولتے دیکھ چکی تھیں تو وہ شکم مادر میں حضرت امام غائب کو سورت قرآن کرتے دیکھ کر حیران کیوں ہوئیں اور نہ صرف حیران بلکہ مضطرب اور پریشان ہوگئیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ روایت مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ جناب حکیمہ کی طرف ایسی غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں۔

اس بیان میں حکیمہ ایک اور بات کہتی ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:

”خدا ہم کو شیر خوارگی میں اپنی حکمت سے گویا کرتا ہے اور جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو زمین کو اپنی حجت قرار دیتا ہے۔“

چاند دو دن جو سر پر چڑھ کر بولے۔ حضرت امام کے ان الفاظ سے کہ

جب بچہ بڑے ہو جاتے ہیں تو خدا ہم کو اپنی حجت قرار دیتا ہے حضرت امام غائب
کی امامت پانچ سال کی عمر میں باطل ثابت ہو گئی کیونکہ بڑا آدمی تو وہی کہلاتا ہے
جو کہ زکر حد بلوغ تک تو پہونچ جائے۔ حضرت امام غائب کی عمر جانشینی کے وقت
صرف دس سال کی تھی اور دس برس کا بچہ بڑا نہیں کہلایا کرتا اس لئے ۵ سال
کا بچہ نہ امام قرار پا سکتا ہے نہ حجت خدا ہو سکتا ہے پس اسی قول معصوم
سے نہ صرف حضرت امام غائب کی امامت بلکہ تمام انبیا و اوصیا کا بچپن میں
حجت خدا ہونا باطل ثابت ہو گیا۔ اس لئے پنجسالہ امام دوازدہم دس سال کی عمر میں
نہ امام تھے نہ حجت خدا تھے اور اس وقت زمین حجت خدا سے بالکل خالی تھی
کیونکہ زمین کو انتظار تھا کہ پسر امام حسن عسکری علیہ السلام کب بڑا ہو اور حجت
خدا قرار پائے۔

پھر حکیمہ کہتی ہیں کہ نرجس خاتون میری نظروں سے غائب ہو گئیں گویا
کہ میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو گیا میں فریاد کرتی ہوئی امام کے
پاس گئی امام نے فرمایا کہ تو نرجس کو تم اسی جگہ پاؤ گی۔ ہماری سمجھ میں
نہیں آیا کہ آیا جناب حکیمہ کی نظر بندی کر دی گئی تھی یا واقعی بطور اعجاز
نرجس خاتون غائب ہو گئی تھیں اور اس کارروائی کا فائدہ کیا تھا۔ لیکن
جب معجزات تصنیف کئے ٹھیرے تو فائدہ یا معقولیت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا
اس کے بعد نرجس خاتون پھر ظاہر ہو جاتی ہیں اور جہاں پہلے تھیں
اسی جگہ پھر ملتی ہیں اور حکیمہ ان کے جسم کو نور سے گھرا ہوا دیکھتی ہیں اس
حد تک کہ ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اسی اثنا میں وہ ایک مولود

کو سر بسجود پاتی ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ نور سورج، چاند اور دوسری شئیوں کی طرح کوئی مادّی نور تھا جو حلیمہ کی آنکھوں کو نظر آرہا تھا اور اس قدر تیز تھا کہ حلیمہ کی نگاہیں اس کو برداشت نہ کر سکیں اس امر کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ نور کیا شے ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے اور کیا وہ اس مادّی جسم سے پھوٹ کر نکل سکتا ہے۔ اب تک دنیا ایسی روشنی اور نور کے تصور سے بالکل بے خبر ہے جو مادّی طور پر جسم انسانی سے پھوٹ نکلے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔

ہمارے معترض صاحب نے اس قسم کا نور نہ تو کبھی دیکھا تھا اور نہ ان کے تصور اور وہم و گمان ہی میں آسکتا تھا اس لئے وہ ہمارے اس سوال کا جواب دیتے بھی تو کیا دیتے اپنے آپ کو اس سوال کے جواب سے عاجز پا کر مجبوراً ہم ہی سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں کہ:

"یہ نور چونکہ نور محمدی سے مشتق تھا لہٰذا جس طرح سرور عالم کے ظہور نورانیت کے بہت سے واقعات نیز دیگر آئمہ کے نوری معجزات اسی بحار الانوار میں موجود ہیں اسی طرح کا خیرہ کن نور جسم نر جس سے بھی ساطع ہوا تھا رہ گیا حقیقت نور کا سوال تو یہ ایک ہمہ چیز ہے۔ کوئی صاحب ذرا بیوٹی ہی کی حقیقت پہلے بیان کر دیں ہاں اگر بعض جہات سے اس کی معرفت مفقود ہے تو سی بحار میں نیز مفردات

سمجھتے ہیں لیکن ہمیں موت کی طرح یقین ہے کہ نہ آپ نور کی حقیقت جانتے ہیں نہ نورِ محمدی کی ماہیت سے واقف ہیں بلکہ صرف لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ اب ہماری تفسیر ملاحظہ فرمائیے:

وہ نور جو مظاہرِ مقدسہ الٰہیہ کی طرف منسوب ہوا ہے اسے آپ نے نورِ آفتاب و ماہتاب، نورِ کواکب اور نورِ شمع و چراغ و آتش کی طرح کا سمجھ رکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس نور کو ان مادی آنکھوں سے نظر آنے والا نور سمجھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ مسائلِ الہیات سے بالکل نابلد ہیں۔ انبیائے کرام کا منصب کوئی مادی منصب نہیں ہے۔ بلکہ وہ روحانی منصب پر فائز ہو کر روحانی اصلاح کیا کرتے ہیں۔ نبی کسی شخص کے جسم کا نام نہیں ہے بلکہ ایک منصب روحانی ہے اس لئے ان کی طرف جب لفظ نور منسوب ہوتا ہے تو اس کے معنی جسمانی یا مادی نور کے نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک روحانی کیفیت ہے جو دخول و خروج نزول و صعود یا مشاہدہ سے بالکل منزہ ہے وہ صرف روحانی اور عقلی آنکھوں ہی سے دیکھی جا سکتی ہے اور اس کو وہی لوگ دیکھ سکتے ہیں جو اپنی روحانی آنکھوں سے کام لیتے ہیں اس روحانی کیفیت کو سمجھانے کیلئے مجبوراً الفاظ کا قالب تلاش کرنا پڑتا ہے اور مادی چیزوں سے تشبیہ دے کر ہی سمجھایا جا سکتا ہے مثلاً علم ایک روحانی کیفیت ہے اس کو سمجھانے کے لئے نور سے تشبیہ دے کر کہدیتے ہیں کہ زید کا سینہ نورِ علم سے منور ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نور کوئی لیمپ نہیں ہے جو زید کے سینہ میں روشن ہے بلکہ ایک روحانی حقیقت ہے جو دل پر جلوہ گر ہے اسی طرح عشق ایک حاسۂ روحانی ہے جس کو تشبیہاً

نورِ عقل کہدیا جاتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ عقل کی روشنی سورج یا چاند یا
چراغ جیسی روشنی نہیں ہے بلکہ ایک روحانی کیفیت ہے جس کو نور سے تشبیہ
دیدی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ نورِ محمدی سے عرب کے در و دیوار
جگمگ اُٹھے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جناب رسالت مآب کی ہیکل انور
سے کوئی مادی روشنی نکل رہی تھی جس سے عرب میں اُجالا پھیل گیا تھا بلکہ
یہاں نورِ محمدی سے کمالات و صفاتِ نبوت مراد ہیں جن سے جاہل اور وحشی
عربوں کے تاریک دل روشن ہو رہے تھے اور جہالت و وحشت کی تاریکیاں
دور ہو رہی تھیں۔ پس نورِ محمدی سے مراد کمالاتِ نبوت ہیں جن سے تمام
انبیاء و مرسلین فیضیاب ہوئے اور یکے بعد دیگرے ہر نبی اور رسول کے
اندر منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کمالات نبوت و رسالت کا مرکز ہیکل محمدی
قرار پائی۔ پس ثابت ہوگیا کہ نورِ محمدی سے کمالات و صفاتِ نبوت مراد ہیں
اور یہ نہ جسمانی ہیں نہ مادی۔ نہ وہ کسی مادی جسم سے مشتق ہوتے ہیں۔ نہ ان سے
کوئی مادی چیز مشتق ہو سکتی ہے (لم یلد ولم یولد) نہ وہ کسی مادی جسم سے
پھوٹ نکلنے کی قابلیت رکھتے ہیں اس لئے جسم نبی سے کوئی نور ساطع نہیں ہوا نہ
وہ نورِ محمدی سے مشتق تھا۔ آپ نہ تو نور کو سمجھتے ہیں نہ نورِ محمدی کو۔ اس لئے
وہ تمام نوری معجزات خواہ بحار میں ہوں یا کسی اور کتاب میں قطعی خود ساختہ اور
خلافِ عقل ہیں۔ ہم نورِ محمدی اور نورِ انبیاء و مرسلین کی کماحقہٗ حقیقت
سے واقف ہیں اور آپ کو سمجھا سکتے ہیں خالی خولی دعوے نہیں کرتے اس لئے
ہمیں کسی کتاب کے خس و خاشاک دیکھنے کی ضرورت نہیں ہم قرآن مجید سے

مقابلہ میں کسی بے دلیل بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ قرآن کا چونکہ دعویٰ ہے کہ اس میں ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے اور اس میں کسی قسم کے نور کو سمجھائے بغیر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں انسانی روایات کی جانب جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد چند مرغ بالائے ہوا نظر آتے ہیں ان میں سے ایک کو امام پکارتے ہیں وہ نیچے آجاتا ہے آپ اپنے فرزند کو یہ کہتے ہوئے اس کے حوالہ کردیتے ہیں کہ جا اس کو لے جا۔ ۴۰ دن تک اس کی حفاظت کر اور ہر ۴۰ روز کے بعد اس کو لایا کر وہ اس بچہ کو فضائے آسمانی میں لے جاتا ہے حکیمہ دریافت کرتی ہیں کہ یہ مرغ کون تھا تو امام فرماتے ہیں کہ روح القدس تھا جو آئمہ کی تربیت کیا کرتا ہے۔

حضرات علمائے شیعہ اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ روح القدس کیا چیز ہے اور کیا وہ مرغ کی شکل میں تبدیل ہوسکتی ہے اور یہ بات بھی معقول دلائل سے ثابت کریں کہ کس دن روح القدس نے آئمہ طاہرین کی تربیت کی ہے۔ ہمارے اس سوال کے جواب میں ہمارے معترض صاحب کے حقائق و معارف بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ:

"اگر آپ حقیقت پوچھتے ہیں تو "امر رب" کے سوا کچھ نہیں معلوم اور اگر بوجہ تم دریافت کرتے ہیں تو یہ ایک روح ہے جو پہلے انبیائے سبق کی موید تھی (وایدناہ بروح القدس) اور اب محمد و آل محمد سے خصوصی ربط رکھتی ہے۔ روح قدس

مرغ کی شکل میں تبدیل ہو سکتی ہے اور بے شمار سنّی و شیعہ
روایت میں ملک بصورت طیر نظر آئے گا۔ نیز ملک کا طائر
کی شکل میں رسولوں کے ہاتھ پر پھر دیگر معصومین کے ہاتھوں
پر بیٹھنا بحار جلد نہم میں دیکھئے۔

یہاں ہم پھر نہایت ادب کے ساتھ قارئینِ محترم سے سوال کرتے ہیں
کہ کیا ہمارے سوال کا یہی جواب ہے جو فاضل معترض دے رہے ہیں۔ آپ نے
اعتراف کر لیا کہ امرِ رب کے سوا کچھ نہیں معلوم۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ معترض
صاحب نہیں سمجھتے کہ روح القدس کیا چیز ہے۔ اس کے بعد پھر دعویٰ بھی
فرماتے ہیں کہ وہ مرغ کی شکل میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ بھلا کس دلیل سے؟
تو جواب کچھ نہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ ہم سوال کرتے ہیں روح القدس
کے متعلق۔ مولانا جواب دے رہے ہیں ملک و قرین سکینت جناب عالی!
ہم نے ملک کے متعلق آپ سے کچھ نہیں پوچھا۔ غالباً جناب نے روح القدس
اور ملک کو ایک ہی چیز تجویز کیا ہے۔ معترض صاحب چونکہ میدان الٰہیات کے
کھلاڑی نہیں ہیں اس لئے اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے کے سوا چارہ کار
بھی کیا ہے۔ وہی بے بسی و بیچارگی وہی بے دلیل ارادتمندی و تقلید روایات۔
نہ خود سمجھتے ہیں نہ کسی کو سمجھا سکتے ہیں۔ اور پھر دعویٰ ایمان اتنا بڑا کہ ساری دنیا
کو بے ایمان سمجھتے ہیں۔ آئیے ہم اور آپ دونوں روح القدس کے مسئلہ پر
بھی تھوڑی دیر غور کریں۔

روح کہتے ہیں کسی چیز کی حقیقت ماہیت و اصلیت کو جو ہر چیز میں

موجود ہے اور ہر چیز کے لحاظ سے اس کے خواص و صفات کیسے مختلف ہیں لیکن وہ روح جس کا ذکر مقدس کتابوں میں پایا جاتا ہے اس کا مفہوم دوسرا ہے قرآن مجید میں اس کا بیان اس طرح آیا ہے:

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

اے رسول! لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدو۔ روح میرے پروردگار کا امر ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اس آیت میں جس روح کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس سے روح انسانی مراد نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں بہت پہلے سے روح القدس کی اصطلاح چلی آتی تھی۔ مثلاً مسیح نے فرمایا تھا کہ ہر قسم کا گناہ بخشدیا جائے گا مگر جو شخص روح القدس کی نافرمانی کرے گا وہ معاف نہ کیا جائے گا۔ حضرت مسیح نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "جب وہ روح صداقت آجائے گی تو تمہیں سب کچھ بتادے گی اس لئے عیسائیوں نے نزول قرآن کے زمانہ میں اسی روح مقدس کے متعلق سوال کیا تھا جس کا جواب خدا نے دیا کہ روح مقدس کہتے ہیں "امر پروردگار کو" اب دیکھنا یہ ہے کہ امر پروردگار کا کیا مطلب ہے خداوند عالم نے امر پروردگار کا ذکر کثیر مقامات پر فرمایا ہے مثلاً فرماتا ہے:

یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق۔

یعنی خدا روح یعنی امر کو جس پر چاہتا ہے بندوں میں سے تاکہ وہ لوگوں کو ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

یہ آیت یسئلونک عن الروح کے بعد ہی واقع ہوئی ہے اور اس میں امر پروردگار کی توضیح فرمائی ہے۔ وہ روح یا امر پروردگار جو کسی بندے پر القا

کی جاتی یا کی جاتی ہے اس سے مراد وحی الہی یا شریعت پروردگار ہے اور وحی الہی
جب عطا کی جاتی ہے تو وہ شخص جس پر القا ہوتی ہے نذیر کہلاتا ہے یعنی
پیغمبر۔ لیس معنی یہ ہوئے کہ خدا محمد کے بعد ایک بندے پر اپنے امر یا روح
کا القا کرے گا اور جب ملاقات پروردگار کا دن یا یوم قیامت آئے گا تو وہ
لوگوں کو عذابِ الہی سے ڈرائے گا۔ اس لئے روح یا امر پروردگار کے معنی
وحی الہی کے ہوئے اور یہی وحی الہی یا روح القدس ہے جو تمام انبیائے سابقین
کی مؤید تھی اور رہے گی۔ اسی لئے فرمایا کہ وایدناہ بروح القدس
یعنی ہم نے روح القدس یعنی اپنی وحی کے ذریعہ سے مسیح کی تائید کی۔۔۔۔
روح القدس سے مراد وحی الہی یا شریعت پروردگار ہے جو ایک روحانی کیفیت
اور باطنی حقیقت ہے جو نہ چڑیا بن سکتی ہے نہ کسی اور چیز کی شکل اختیار
کر سکتی ہے اس لئے وہ تمام دفترِ روایات جعلی ہے جس پر آپ نے اس قسم
کے غیر معقول اور غیر مدلل عقائد کی بنیاد رکھی ہے اور نہ امام حسن عسکری کے
گھر میں کوئی مرغ آیا تھا نہ روح القدس بصورت مرغ آئی تھی جو بچہ کو
اٹھا کر لے گئی ہو۔ بلکہ یہ سب ایک افسانہ ہے جس کی کوئی معقول سند
موجود نہیں ہے۔

پھر تم نے اس مرغ کو ۴۰ روز تک حفاظت کرنے کے لئے اپنا بچہ
کیوں دے دیا۔ کیا بچہ کے والدین اپنے بچہ کی حفاظت و تربیت کے قابل نہ تھے
اور جب عقاید شیعہ کے مطابق آئمہ طاہرین شکمِ مادر ہی سے قبلِ ابتدا
اور تربیتِ خدا ہوتے ہیں تو وہ محتاجِ تربیت کبھی نہیں۔

جب یہ بچہ قانونِ فطرت کے مطابق دودھ پیتا تھا اور ۴۰ روزنا کے بعد بھی فضلائے آسمانی سے واپس آکر اس نے ماں کا دودھ پینا شروع کیا تو پھر فضلائے آسمانی میں رہ کر ۴۰ روز تک یہ بچہ دودھ کے بغیر کس طرح زندہ رہا۔ جبکہ اسی روایت میں امام زجس سے فرماتے ہیں کہ تمہارے سوا اس کے لئے دوسرا دودھ پینا حرام ہے۔ کیا حضراتِ علمائے شیعہ اس بیان کو موافق قوانین فطرت اور مطابق قانون عقل ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

لطیفہ ہماری اس تنقید کا جواب بنارسی معترض صاحب اس طرح دیتے ہیں کہ "فضلائے آسمانی میں یہ بچہ دودھ کے بغیر کس طرح زندہ رہا یہ سوال مضحکہ خیز ہے کیونکہ جب نہر لبن (دودھ کی نہر) موجود ہے تو پھر اس سوال کی گنجائش کہاں رہتی ہے اس کے بعد فضائے آسمانی میں دودھ کی نہر بہاتے ہوئے یہ شعر ارشاد فرماتے ہیں گویا یہ بھی کوئی آیتِ الٰہی ہے۔

ان فی الجنۃ نہراً بلبن لعلی وحسین وحسن

یعنی: جنّت میں علی حسین اور حسن کے لئے دودھ کی نہر بہتی ہے۔

پھر اپنی قرآن فہمی اور تبحر علمی کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن میں انہار من لبن موجود ہے۔ (جزاک اللہ)

(۱) معترض صاحب نے یہ بات صاف نہیں کی کہ جب بقول امام اس بچہ کے لئے ماں کے دودھ کے سوا دوسرا دودھ حرام تھا تو پھر جنت والی دودھ کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔ پھر یہ بچہ بغیر دودھ کے کیونکر زندہ

رہا۔ سوال پھر اپنی جگہ بدستور ہے۔

(۴) اگر جنت والی نہر کے دودھ کا کوئی جواز نکل بھی آئے تو معترض صاحب فرمائیں کہ کیا ان کی مزعومہ جنت اس فضائے فارغ میں موجود ہے اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ جنت مع اپنی نہروں کے نیچے کیوں نہیں گر پڑتی۔ اگر نہیں معاف کیجئے ہم ہی نہیں سمجھے جب آسمان بے ستون کے قائم ہے تو جنت کیوں معلق نہیں رہ سکتی لیکن جناب کم از کم دکھائی تو ضرور دینی چاہئے جبکہ قرآن میں لکھا ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

علاوہ ازیں معترض صاحب کو اتنی بات تو ضرور بتانی چاہئے تھی کہ علی حسنین ورحسن کے لئے جو دودھ کی نہر جنت میں بہہ رہی ہے اس میں دودھ کس چیز کا ہے۔ گائے بھینس کا بکری کا یا اونٹنی کا یا کوئی نباتاتی دودھ ہے اور یہ دودھ کسی چیز کا بھی ہو۔ یہ تو فرمائیے کہ کیا قوت اور تاثیر میں اور فضیلت میں یہ دودھ فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت رسول اللہ کے دودھ سے زیادہ ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر جناب علی ابن ابی طالب اور حسنین علیہما السلام کو ان کی لافانی قربانیوں کا صلہ ایک پست درجہ کی چیز کی شکل میں دینا خدا کا ظلم ہے یا نہیں کیونکہ اس قسم کا دودھ تو ان کو دنیا میں بھی حاصل تھا۔ اگر کوئی صاحب ہمارے اس لطیف اشارہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو خدا کی قسم جنت کا تمام راز حل ہو جائے گا۔ بہرحال ہم معترض صاحب کو ان کی خوش فہمیوں میں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

حکیمہ فرماتی ہیں کہ جب مرغ بچہ کو ۴۰ روز کے لئے گیا تو میں دونہ
کے بعد خدمتِ امام میں گئی تو میں نے ایک لڑکے کو چلتے پھرتے دیکھ کر
عرض کیا کہ یہ تو طفل دو سالہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء اور اوصیاء
کی اولاد جو امام بنتی ہے اس کی نشو و نما عام لوگوں کی نشو و نما کے خلاف
ہوتی ہے۔ ہمارا ایک ماہ کا بچہ دوسروں کے ایک سال کے بچہ کے برابر ہوتا ہے
یہ بیان بھی بالکل فرضی اور خلافِ حقیقت ہے۔ ابھی آپ گذشتہ روایت میں
پڑھ آئے ہیں کہ جناب حکیمہ نے موسیٰ بن جعفر سے کہا تھا کہ میں ساتویں دن
خدمت آنحضرت میں پہونچی۔ مگر اس بیان میں فرماتی ہیں کہ ۴۰ روز کے بعد
ابومحمد حسن عسکری کے گھر گئی۔ دونوں بیانوں میں واضح اختلاف موجود ہے نہیں
صحیح کون سا ہے اور کیوں۔ ۴۰ روز کے بعد جب دوبارہ ان کے گھر گئیں
تو انھوں نے ۴۰ روزہ لڑکے کو دو سالہ لڑکے کے برابر دیکھا یہ بات خلافِ
فطرت ہے پھر اس خلاف فطرت واقعہ کو مطابق فطرت بنانے کے لئے یہ دوسری
فرضی بات امام کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ انبیاء اوصیاء کی اور بالخصوص
اولاد کی نشو و نما دوسروں کے بچوں کی نشو و نما کے خلاف ہوتی ہے حالانکہ
یہ بات بھی صریحاً غلط ہے عجیب بات ہے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے لئے انما
انا بشر مثلکم الخ یعنی ظاہری و مادی و جسمانی لحاظ سے میں تم ہی جیسا انسان
ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے اور اس طرح روحانی
برتری مجھے تم پر حاصل ہے۔ لیکن جانشین پیغمبر قرآن کے اس بیان کے خلاف
فرماتے ہیں جو درست نہیں ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ واقعات کی روشنی میں

یہ بات ثابت کی جائے کہ انبیاء و اوصیاء کی اولاد دوسروں کے خلاف نشو و نما
پاتی ہے۔

یہ معاملہ اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتا حکیمہ تو اسی بیان میں یہاں تک
فرماتی ہیں کہ میں ہر ۴۰ روز کے بعد اس بچہ کو دیکھا کرتی تھی حتیٰ کہ یہ بچہ
امام حسن عسکری کی وفات سے چند روز پہلے پورے انسان کے قد و قامت
کے برابر ہو گیا اور پھر میں نے اس کو نہ پہچانا اور میں نے امام سے عرض کیا کہ
یہ مرد کون ہے جس کے سامنے آنے کا آپ مجھے حکم دیتے ہیں امام نے فرمایا کہ
نرجس کا بیٹا۔ کیا اب بھی یہ روایت مطابق قانون عقل سمجھی جائے گی کیا یہ
ممکن ہے کہ پانچ سال کا بچہ پورے انسان کے قد و قامت کے برابر ہو جائے
اور کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ دیگر ائمہ نے بھی عہد طفولیت میں پورے
پورے انسانوں کا قد و قامت اختیار کر لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو
کسی نہ کسی طرح ایک فرضی انسان کا عقیدہ لوگوں سے تسلیم کرانا تھا۔ جب
ایک لڑکے کی پیدائش مشہور کر دی گئی تو ان کو یہ بات کسی نہ کسی طرح نبا
نبھانی ضرور تھی اور ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے دو جھوٹ اور بولنے
پڑتے ہی ہیں اور وہ پھر بھی جھوٹ ہی رہتا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ مشہور
روایات کے حسب ثبت امام حسن عسکری کی وفات تک فرضی امام غائب کی
عمر صرف پانچ سال قرار پاتی ہے کہیں کچھ سمجھدار لوگ یہ اعتراض نہ کر دیں
کہ ایک نابالغ لڑکا اور وہ بھی پنج سالہ کیونکر امام ہو سکتا ہے تو انھوں نے
ایک اور فرضی بات کا اضافہ کیا اور کہہ دیا کہ خدا کی قدرت نے اس پنج سالہ لڑکے کو

پورے انسان کا قد و قامت عطا فرما دیا اور وہی واجب الاطاعت امر ہے
ہم کہتے ہیں بفرض محال یہ بھی سہی مگر قد و قامت کی طوالت سے عمر میں تو کچھ
فرق نہیں پڑتا۔ عمر تو پھر بھی ۵ سال کی ہی رہی اور وہی نابالغیت اس کا کیا
جواب ہے؟ علاوہ بریں یہ شیعہ مسلمات سے ہے کہ وفات امام حسن عسکری کے
بعد امام غائب ۶۹ سال تک اپنے نائبین کی وساطت سے لوگوں کے مسائل کا
جواب دیتے رہے۔ نائبین کل چار تھے جن میں سے پہلے نائب عثمان بن سعید تھے
لیکن حکیمہ کہتی ہیں کہ بخدا میں صبح شام امام کو دیکھتی ہوں اور میں لوگوں کے مسائل
کو امام کے سامنے پیش کرتی ہوں اور جواب لاتی ہوں اگر پہلی نیابت عثمان بن سعید
کی مسلمہ حضرات شیعہ ہے تو حکیمہ کی نیابت بالبداہتہ باطل ہے۔

اس کے علاوہ جب جناب حکیمہ ہر چالیس دن کے بعد بچہ کو دیکھتی تھیں
تو پھر اس کو شناخت نہ کرنا اور اس حد تک کہ اس کو نامحرم سمجھنا کیا معنی
رکھتا ہے۔ غرض تمام روایت غلط، خلاف عقل اور جعلی ہونے سے یہ بات
اور کسی طرح بھی حضرت امام غائب کی ولادت کے اثبات کے لئے کار آمد
نہیں ہو سکتی۔

(۳) حسین بن حمدان بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے چند معتبر لوگوں نے بیان کیا کہ حکیمہ
نے بیان کیا میں جب ابو محمد حسن عسکری کی خدمت میں جاتی تھی تو دعا کرتی تھی
کہ خداوند آپ کو فرزند عطا کرے ایک روز حسب دستور میں ان کو دعائیں دے
رہی تھی کہ حضرت نے فرمایا کہ اے پھوپی آپ جس مولود کی خدا سے دعا
کیا کرتی تھیں وہ بہت جلد آج کی شب پیدا ہوگا۔ یہ شب شب جمعہ تھی

شعبان کا مہینہ تھا اور ۱۵ تاریخ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ آج شب کو ہمارے
ساتھ افطار کیجیے۔ میں نے کہا کہ اے میرے سردار وہ مولود کس کے بطن
سے ہوگا۔ فرمایا کہ نرجس سے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو نرجس کے
مقابلہ میں کوئی کنیز پیاری نہیں معلوم ہوتی۔ میں نرجس کے پاس گئی انھوں نے
حسب دستور میرا استقبال کیا۔ میں نے اسی وقت جھک کر ان کے ہاتھوں کو
بوسہ دیا۔ لیکن انھوں نے مجھے ایسا کرنے سے روکا انھوں نے مجھے سیدہ
کہا انھوں نے کہا میں آپ پر قربان جاؤں۔ میں نے کہا تم پر تمام دنیا
فدا ہو۔ انھوں نے میرے اس قول سے انکار کیا۔ میں نے کہا انکار نہ کرو آج
رات خدا تم کو ایسا بیٹا عطا کرے گا جو دنیا و آخرت میں بزرگ ہے وہ میری
باتوں سے شرما گئیں۔ میں نے ان کو غور سے دیکھا لیکن ان کے اندر آثار حمل
نہ دیکھے اور میں نے امام حسن عسکری سے عرض کیا کہ میں نرجس میں حمل کا
کوئی نشان نہیں دیکھتی۔ آنحضرت مسکرائے اور فرمایا کہ ہم اوصیاء کا حمل
پیٹ میں نہیں ہوا کرتا ہمارا حمل پہلوؤں میں ہوتا ہے۔ ہم رحم سے باہر نہیں
آتے بلکہ ماں کی داہنی ران سے پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم
نور خدا ہیں اور ہم کو نجاست آلودہ نہیں کرتی تا آخر داستان ولادت۔ بحار الانوار
دیکھتے ہیں کہ بہت سے چند معتبر لوگوں نے بیان کیا۔ ہم تسلیم کرتے
ہیں کہ یا تو ان کے بیانات اصول روایت کے مطابق قرار دیئے جا سکتے ہیں اور
اگر یہ نہ ہو تو پھر ان چند معتبر لوگوں کا نام بتایا جائے۔ ہمارے نزدیک
یہ بیانات ہرگز قابل اعتماد نہیں ہیں بہرحال جناب حکیمہ کے سب سے پہلے

بیان پر تنقید کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ جناب حکیمہ کے بیانات سے
نرجس خاتون کا حاملہ تک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے ثبوت میں ہم نے
ان کا یہ فقرہ پیش کیا تھا کہ "میں نرجس میں آثارِ حمل نہیں پاتی"۔ اس کے
بعد ہم نے عرض کیا تھا کہ ہم نے احتیاطاً اس فقرہ کی یہ تاویل کی کہ شاید جناب
حکیمہ کا یہ مطلب ہے کہ آج حمل نرجس وضع ہوتا نہیں معلوم ہوتا اور یہ
لکھنے کے بعد عرض کیا تھا کہ جناب حکیمہ کے دوسرے بیانات کو دیکھ کر
ہمیں اپنی یہ زبردستی کی تاویل بھی افسوس کے ساتھ واپس لینا پڑی۔ ان
بیانات میں سے ایک یہ بیان ہے جو زیرِ بحث ہے جس میں حکیمہ فرماتی ہیں
کہ مجھے نرجس میں آثارِ حمل معلوم نہیں ہوئے تو میں نے امام سے عرض کیا کہ
نرجس کو حمل نہیں ہے۔ مگر امام نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم آئمہ کا حمل
پیٹ میں نہیں ہوتا اگر پیٹ میں ہوتا تو تم کو آثارِ حمل معلوم ہوجاتے ہمارے
نزدیک حضرت علماء شیعہ اور ان کے قابل احترام مقلدین کی تشفی خاطر کے لئے
یہ روایت بہت ہی کافی ہے کیونکہ نہ صرف حکیمہ بلکہ خود حضرت امام حسن عسکری
کی شہادت بھی مہیا ہوگئی کہ نرجس کے پیٹ میں حضرت حجۃ ابن الحسن کا
حمل نہیں تھا۔ اگر پیٹ میں حمل ہوتا تو حکیمہ کو ضرور معلوم ہوجاتا اور وہ بیان
غلط طور پر منسوب کر دیا گیا جس کا ممکن ہے کہ اس کی مثال نادر و مہمل
کی ہے۔

ان تمام روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو شیعہ فرقہ کی بنیادی روایات
میں شیعہ صاحبان کو متفقہ طور پر اعلان کر دینا چاہئے کہ حضرت حجۃ بن حسن

کی ماں نرجس خاتون یقیناً نہ تھیں کیونکہ امام حسن عسکری اور ان کی پھوپھی کا متفقہ بیان ہے کہ نرجس حاملہ نہیں تھیں اور ان کا پیٹ حاملِ امام دوازدہم نہیں تھا۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت امام غائب کا حمل نرجس کے پیٹ میں نہیں تھا بلکہ پہلیوں میں تھا اور حضرت علی علیہ السلام سے لیکر حضرت امام حسن عسکری تک تمام آئمہ اپنی ماؤں کے شکم سے نہیں بلکہ داہنی ران سے پیدا ہوئے تھے اور داہنی ران سے پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خون نفاس کی نجاست سے آلودہ نہ ہونے پائیں۔ اس کے متعلق کس قسم اظہار کیا عرض کریں۔ شیعہ حضرات خود انصاف کے ساتھ غور کریں اور سوچیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ اور اگر اب بھی آپ کو ان خواب آور کہانیوں پر یقین ہے تو آپ کو اختیار حاصل ہے۔ لیکن خدارا ہم سے نہ کہئے کہ ایمان لائیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ان غیر دیانت دار راویوں کے مقابلہ میں جنہوں نے یہ بیانات دیتے وقت تمام دنیا کو پاگل سمجھ رکھا تھا۔ جناب امام حسن عسکری اور ان کی قابلِ احترام پھوپھی جناب حکیمہ کی ذلت و اہانت کو ہرگز گوارا نہ کریں گے اور یقین کریں گے کہ یہ بیانات ہرگز لسانِ امامت سے صادر نہیں ہوسکتے اور نہ جناب حکیمہ ایسے بیانات دے سکتی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ بیانات ان بزرگ اور متبرک ہستیوں کی طرف منسوب کرنا بھی گستاخی اور عجیب جسارت ہے۔

اب تک ہم نے جناب حکیمہ کی ان روایات کو قلمبند کیا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا اس سلسلہ میں جناب حکیمہ کا ایک اور بیان سن لیجئے۔

(۴) احمد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں ۲۶۲ھ میں حکیمہ دختر امام محمد تقی علیہ السلام سے ملا اور پس پردہ ان سے گفتگو کی اور ان کے دین و طریقہ کے متعلق ان سے سوال کیا حکیمہ نے ان حضرات کے نام میرے سامنے بیان کئے جن کی امامت کی معتقد تھیں اس کے بعد فرمایا کہ میرے آئمہ میں سے ایک حجت ابن الحسن بن علی ہیں اور آپ نے حضرت حجت کا نام بتا دیا میں نے عرض کیا خدا مجھکو آپ پر قربان کرے کیا آپ نے حجت بن حسن کو دیکھا ہے جن کی خبر آپ مجھکو دے رہی ہیں یا بذریعہ خبر و نقل آپ نے ان کو امام مانا ہے آپ نے کہا امام حسن عسکری نے حجت علیہ السلام کے بارے میں اپنی ماں کو ایک خط لکھا تھا میں نے ان سے پوچھا کہ وہ فرزند کہاں ہے تو انھوں نے کہا کہ پوشیدہ ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حکیمہ سے جب یہ بات سنی تو میں نے کہا کہ جب وہ پوشیدہ ہے تو شیعہ بوقت ضرورت کس کے پاس جائیں گے اور کون شخص ان کی مشکلات کو حل اور شبہات کو رفع کرے گا تو حکیمہ نے کہا کہ حجت علیہ السلام کی دادی جو کہ امام حسن عسکری کی ماں ہیں ان کے پاس جائیں اور اپنی مشکلات کو ان سے حل کرائیں میں نے عرض کیا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایسی وصیت کیسے کی جس کی تقلید کی جائے کہ شیعوں کو ایک عورت کے سپرد کر دیا تو حکیمہ نے کہا کہ انھوں نے حسین بن علی

کی تقلید کی ہے اس لئے کہ امام حسین نے بظاہر اپنی بہن زینب دختر علی کو
وصیت فرمائی تھی اور یہ بات اس طرح تھی کہ جو کچھ علوم و مسائل امام زین العابدین
سے ظاہر ہوتے تھے وہ تمام امام زین العابدین کو پوشیدہ رکھنے کے لئے
زینب کی جانب منسوب ہوتے تھے پس یہی حال قائم علیہ السلام کے متعلق
مادر امام حسن عسکری کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم تو صاحب اخبار و احادیث
ہو کیا تمہارے پاس یہ روایت نہیں ہے کہ پسر امام حسن عسکری کی میراث
اس کی زندگی میں تقسیم کر دی جائے گی (بحار الانوار صفحہ ۱۶۰ جلد ۱۳)

حضرت شیعہ کے ہاتھوں میں جناب حکیمہ سے بڑھکر اور کوئی ایسا
راوی نہیں ہے جس نے بیان کیا ہو کہ حضرت حجت بن الحسن اس کی آنکھوں کے
سامنے پیدا ہوئے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت نے سب سے پہلا اور سب سے
آخری پتھر دیدہ گواہ بھی ان کے ہاتھوں سے کھو دیا تمام عمارت منہدم ہو گئی
اور تمام سابقہ بیانات پر پانی پھر گیا۔ اس بیان میں جناب حکیمہ جو متواتر بیانات
دیتی رہی تھیں کہ میں نے امام غائب کے قابلہ ہونے کے فرائض انجام دیے
تھے۔ اس بیان میں فرماتی ہیں کہ حضرت حجت میرے سامنے تو پیدا نہیں ہوئے
ہاں میں نے ایک خط میں ان کی پیدائش کا حال پڑھا تھا جو امام حسن عسکری
نے اپنی ماں کو لکھا تھا اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جب امام حسن عسکری
کی والدہ موجود تھیں تو ولادت حضرت امام غائب کے مسئلہ میں ان کا ذکر
تک نہیں ملتا حالانکہ ولادت کے فرائض انجام دینے کے معاملہ میں والدہ حضرت
حسن عسکری کو بھی جناب حکیمہ کا ہاتھ بٹانا چاہئے تھا۔ علاوہ بریں یہ معظمہ

کیا سامرہ سے باہر تھیں جو امام حسن عسکری کو بذریعہ مکتوب حضرت امام غائب
کی ولادت وامامت کی اطلاع دینی پڑی۔ اور اگر سامرہ ہی میں موجود تھیں تو
خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز ایک مرتبہ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام غائب
اور قوم کے درمیان نواب اربعہ یا بواب کام نہیں کرتے تھے بلکہ درمیانی سفیر
امام غائب کی دادی تھیں ورنہ حکیمہ کو صاف کہنا چاہئے تھا کہ قوم کو اپنی مشکلات
عثمان بن سعید سے حل کرنی چاہئیں پس ان حالات میں ہمارا یہ دعویٰ روز روشن
کی طرح ثابت ہے کہ امام دوازدہم کی ولادت کی کوئی عینی اور یقینی شہادت
موجود نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مصنف جنات الخلود کا بیان بھی
پڑھ لیجئے جو ولادت امام غائب کے سلسلہ کی ایک مصیبت خیز کڑی ہے
مصنف مذکور اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ایک
روایت کے مطابق دو لڑکے رکھتے تھے اور پانچ لڑکیاں لیکن صحیح قول یہ ہے
کہ آپ کے دو لڑکے تھے اور دو لڑکیاں۔ لڑکوں کی تفصیل یہ ہے کہ ایک
علی بن محمد ملقب بہ نقی علیہ السلام تھے اور دوسرے موسیٰ اور لڑکیوں کی
تفصیل یہ ہے کہ ایک لڑکی کا نام فاطمہ اور دوسری کا امامہ تھا۔ نیز مورخین
نے بھی بحوالہ ارشاد جناب مفید متوفی ۲۸۳ھ یہ نقل کیا ہے کہ حضرت نے
دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ علی۔ موسیٰ۔ فاطمہ۔ امامہ۔

مصنف جنات الخلود اور جناب مفید دونوں کے بیانات سے یہ
ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے یہاں حکیمہ نام کی کوئی لڑکی ہی
نہ تھی یا کم از کم حکیمہ کا وجود مشکوک فرد ہے جب حکیمہ ہی کا وجود مشکوک و مشتبہ

سے خالی نہیں ہے تو وہ بیانات بھی شکوک و شبہات سے خالی تسلیم نہیں کئے جا سکتے جو آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ بیانات خود ہی ناقابل اعتبار ہیں خواہ حکیمہ کا وجود مشکوک ہو یا یقینی۔ یہ روایت کتاب کافی میں ایک دوسری خاتون کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے۔ جن کا نام خدیجہ بتایا گیا ہے جو جناب حکیمہ کی بہن بتائی جاتی ہیں اب یہ فیصلہ باقی ہے کہ کتاب کافی کی تحقیقات صحیح ہے یا بحار الانوار کی۔ بہرحال حکیمہ کا وجود مشکوک ضرور ہے۔

اب تک ہم جناب حکیمہ کی روایات پیش کر رہے تھے جو تقابلہ کی حیثیت رکھتی تھیں اور انھوں نے اپنی عینی شہادت پیش کی ہے۔ ان روایات کو ہم معقول دلائل سے جعلی اور مصنوعی ثابت کر چکے ہیں۔ اب ہم حضرت امام حسن عسکری کے گھر کے نوکروں اور کنیزوں کی روایات پیش کرتے ہیں جن کو جناب حکیمہ کے مقابلہ میں دوسرے درجہ کی حیثیت حاصل ہے۔

(۱) ابو غانم خادم کا بیان ہے کہ ابو محمد امام حسن عسکری کے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام م۔ح۔م۔د رکھا گیا۔

تیسرے دن آپ نے اس مولود کو اپنے اصحاب کے پیش کر کے کہا: ھذا صاحبکم من بعدی وخلیفتی علیکم فرزند میرے بعد یہ تمہارا صاحب اور تم پر میرا خلیفہ ہے۔ یہی وہ قائم ہے جس کا انتظار کیا جائے گا جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو یہ ظاہر ہو کر اسے عدل و داد سے بھر دے گا۔

(بحار الانوار ص۱)

ابونا نحم خادم کا یہ بیان بالکل جعلی ہے کیونکہ جناب حکیمہ کے بیان کے مطابق یہ فرزند تیسرے دن امام حسن عسکری کے گھر میں نہ تھا بلکہ پیدا ہوتے ہی اس کو مرغ فضائے آسمانی میں لے گئے تھے اور وہاں اس کی تربیت کر رہے تھے اور ان کو حکم ملا تھا کہ وہ ۴۰ روز کے بعد اس بچہ کو واپس لایا کریں۔ جب یہ فرزند فضائے آسمانی میں تربیت پا رہا تھا تو امام نے تیسرے دن اپنے اصحاب پر اس کو کس طرح پیش کر دیا۔

(۶) ابراہیم بن محمد سے نسیم خادمہ امام حسن عسکری نے بیان کیا کہ حضرت حجتہ کی ولادت سے دوسرے دن میں آپ کے سامنے گئی مجھے چھینک آئی تو آپ نے یرحمک اللہ کہا الخ (بحار الانوار صفحہ ۱۱۴و۱۱۳ جلد ۱۳)

یہ روایت بھی جعلی ہے کیونکہ دوسرے دن یہ بچہ آسمان پر تھا نہ کہ زمین پر اور نہ ۲ دن کا بچہ یرحمک اللہ کہہ سکتا ہے۔

(۷) متعلقین امام حسن عسکری کے علاوہ ایک اور عینی شہادت ملاحظہ فرمائیے جو مذکورہ بالا روایات کی طرح جعلی ہے۔ احمد بن عبداللہ ہاشمی کا بیان ہے کہ میں امام حسن عسکری کی وفات کے موقعہ پر ان کے گھر گیا اور حضرت کا جنازہ نکالا گیا۔ ہم ۳۹ آدمی بیٹھے تھے کہ ایک پورے قد کا ردا پوش نوجوان برآمد ہوا۔ ہم اس کی ہیبت سے گھبرا گئے پھر ہم سب نے اس کے پیچھے نماز پڑھی الخ۔ بحار صفحہ ۱۰

وفات امام حسن عسکری کے وقت امام غائب کی عمر ۵ سال کی تھی اس لئے یہ ردا پوش نوجوان کوئی اور ہوگا۔ ۵ برس کا بچہ پورے انسان سے کے

قدوقامت کا نہیں ہوسکتا اور یہ ہیبت سے گھبرا جانے کی بھی ایک ہی ہی انبیائے اولوالعزم کی ہیبت لوگوں پر کبھی نہ چھائی۔ حضرت رسول اللہ سے لوگ کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ آئمہ طاہرین کی ہیبت لوگوں کے دل پر کبھی نہ بیٹھی اور ان ہستیوں سے قطع نظر خدا کی ہیبت آج تک لوگوں کے دل میں نہ بیٹھی تو ایک دو سالہ بچہ سے لوگ کس طرح مرعوب ہوسکتے ہیں اور جب ۳۹ آدمیوں نے حجۃ ابن الحسن کی زیارت کر لی تو وہ تمام پیشگوئیاں غلط ثابت ہوگئیں جن میں لکھا تھا کہ یہ معاملہ مخفی رہے گا۔

ان تمام روایات سے یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ یہ سب کی سب جعلی اور ناقابل اعتبار ہیں۔ جب ان لوگوں کے چشم دید بیانات کا یہ حال ہے جو خاص امام حسن عسکری کے گھر سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر غیر لوگوں کے بیانات کا کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم غیر متعلقین کے بیانات کو نظرانداز کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بنارسی مجتہد صاحب نے اپنی طرف سے چند روایات پیش کی ہیں جن کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ ان سے ولادت حضرت امام غائب ثابت ہوتی ہے اس لئے ان پر بھی ہم ایک مختصر تبصرہ ضروری سمجھتے ہیں یہ روایات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) معلی بن محمد کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری کی توقیع بایں مضمون وارد ہوئی کہ زبیری قتل ہوگیا اس شخص کی یہی جزا ہے جو دوستدارانِ الٰہی کے بارے میں خدا پر افترا پردازی کرتا ہے اس کو خیال تھا کہ وہ مجھے اس عالم میں قتل کردیگا کہ میرا سلسلہ آگے نہ بڑھے گا دیکھا خدا کی قدرت کیونکر نمایاں ہوئی ور آخر لیکن

حجت کی ولادت ہو چکی۔ بحار۔ جلد ۱۳ صہ ۳

(۲) احمد بن حسن قمی کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری کا خط آیا کہ فرزند پیدا ہوا اس کو ہم نے مخفی رکھا اور صرف مخصوصین پر ظاہر کیا ہے۔

(۱) ہم کہتے ہیں کہ وہ بچہ جس کے مخفی رکھنے کے لئے تمام گزشتہ آئمہ دین اس قدر اہتمام کر رہے تھے اور حکومت وقت اور دوسرے عوام جس کے اس قدر دشمن تھے ایسی حالت میں حضرت امام حسن عسکری سے یہ بے احتیاطی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ معاملہ ولادت کو تحریر میں لاتے اور جب یہ اس قدر راز کی بات تھی تو ان دو آدمیوں نے حضرت امام کا یہ راز ظاہر کس طرح کر دیا اور جو بات امام علیہ السلام صرف مخصوصین پر ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اس کو آج کروڑوں شیعہ کس طرح جانتے ہیں اور امام کا یہ مقصد کس طرح پورا ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں راوی جھوٹے ہیں۔ اگر امام کو یہ راز مخفی رکھنا ہوتا تو وہ کسی کو تحریری اطلاع نہیں دے سکتے تھے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ ولادت کے معاملہ میں اس قدر شدت کے ساتھ جعلسازی ہو رہی تھی کہ لوگوں نے بے سروپا باتیں تک اور گھر کے نوکروں کی طرف منسوب کر دئے تو پھر اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ان دو آدمیوں نے بھی جھوٹ نہیں بولا یا کسی اور نے ان دونوں کی طرف یہ بیان منسوب نہیں کر دیا۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ دونوں آدمی سچے ہیں اور یہ خطوط واقعی حضرت امام حسن عسکری ہی کے ہیں۔ اور کیا صرف دو آدمیوں کے بیان پر اتنے بڑے اصولی مسئلہ پر ایمان لایا جا سکتا ہے۔

(۳) حمزہ بن نصر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ولادت کے موقعہ پر گھر والوں میں خوشیاں منائی گئیں جب شاہزادہ کی نشوونما ہونے لگی تو مجھے گوشت کے ساتھ گودے والی ہڈی کی خریداری کا حکم ہوا اور کہا گیا کہ یہ ہمارے چھوٹے آقا کے لئے ہے۔

ہماری گذارش ہے کہ یا تو حمزہ بن نصر جھوٹا ہے اور اس نے یہ بیان اپنے باپ کی طرف منسوب کر دیا اور اگر واقعی اس نے یہ بات اپنے باپ سے سنی تو اس کا باپ تو یقیناً جھوٹا ہے کیونکہ جناب حکیمہ خاتون سے بڑھکر دوسرا اور کوئی نہیں ہو سکتا وہ بیان کرتی ہیں کہ اس بچہ کی نشوونما فضائے آسمانی پر ہو رہی تھی اور یہ بچہ ہر چالیس دن اپنے والدین کے پاس آیا کرتا تھا تو پھر گھر میں نشوونما ہونے اور شیر خوار بچہ کے لئے گودے دار ہڈی منگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس بیان کا جعلی ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۴) امام علی نقی علیہ السلام نے بی بی حکیمہ سے فرمایا کہ اے بنت رسول، اس خاتون کو اپنے گھر لے جاؤ اور فرائض و سنن کی تعلیم دو کیونکہ یہ تو قائم کی ماں اور ابو محمد کی زوجہ ہیں۔

مذکورہ بالا بیان صرف پیشگوئی ہے اور پیشگوئی اسی صورت میں سچی ثابت ہو سکتی ہے جبکہ وہ پوری ہو جائے۔ ہم نے کافی ثبوت پیش کر دیا ہے کہ ولادت ثابت نہیں ہوئی بلکہ ثبوت ولادت کے سلسلہ میں جس قدر بیانات ہیں وہ سب جعلی ہیں اس لئے اس غلط بیان کا امام علی نقی سے کوئی تعلق نہیں نہ صرف یہ بلکہ تمام وہ پیشگوئیاں باطل ہیں جن کو متواتر کہا جاتا ہے اور جن میں پسر

بعض معترض صاحب نے ایک اور روایت پیش کی ہے اور اپنے
خیال شریف میں اس روایت کو ہمارے زمانہ کے بہت سے اعتراضات کا
جواب سمجھا ہے۔ وہ روایت بھی ملاحظہ ہو۔

(۲) سدیر صیرفی مفضل ابو بصیر و ابان بن تغلب کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق
نے فرمایا کہ ہمارے قائم میں خدا نے تین نبیوں کی تین باتیں قرار دی ہیں۔
ان کی ولادت میں موسیٰ کا نمونہ غیبت میں عیسیٰ کا طرز اور تاخیر میں نوح کی رفتار
قرار دی ہے اور اس کے بعد خضر کی عمر کو ان کی عمر کی دلیل بتا دیا ہے ہم نے توضیح
کی درخواست کی تو فرمایا کہ فرعون کو جب کاہنوں نے موسیٰ کے نسب اور حیثیت
کی خبر دی تو اس نے حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرا ڈالے یہاں تک کہ ۲۲ ہزار
حمل ضائع کر دیئے مگر موسیٰ خدا کی حفاظت میں رہے۔ یہی حال جب بنی
امیہ اور بنی عباس کا ہے کہ زوال حکومت کا باعث ہمارے قائم کو معلوم
کر لینے کے بعد ہمارے دشمن ہو گئے ہیں تاکہ ہمارے قائم کو قتل کر دیں مگر
خدا امر قائم کو ان پر ظاہر نہ ہونے دے گا۔

رہی غیبت عیسیٰ تو یہود و نصاریٰ متفق ہیں کہ عیسیٰ قتل ہو گئے مگر
خدا ان کو جھٹلاتا ہے کہ ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم۔ یعنی نہ
عیسیٰ کو قتل کیا نہ پھانسی دی مگر ان کے لئے ایک شبیہ بنا دی گئی جس کو
لوگوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اسی طرح غیبت قائم ہوگی۔ عنقریب امت
ان کا انکار کرے گی کچھ کہیں گے کہ پیدا ہی نہیں ہوئے کچھ کہیں گے کہ پیدا
ہوئے اور مر گئے کچھ لوگ ہمارے گیارہویں کو عقیم کہیں گے اور کچھ تیرہواں

اس سے زیادہ کے قائل ہوجائیں گے، اور کچھ کہیں گے کہ روح تو ہم دوسرے کے جسم میں آکر کلام کرتی ہے۔

رہی تاخیرِ نوح تو جب انھوں نے عذاب کی خواہش کی تو خدا نے جبرئیل کے ہاتھ خرمے کی سات گٹھلیاں بھیجیں کہ ان کو بو دو جب پھل تیار ہوں گے تو عذاب آئے گا۔ غرضکہ سات دفعہ نوح نے بیج بوئے اور پھل تیار ہوئے مگر عذاب نہ آیا اور ہر دفعہ لوگ کفر اختیار کرتے گئے یہاں تک کہ ۷۰ یا ۷۲ آدمی رہ گئے تو حکمِ خدا پہونچا کہ اب ایمان خالص ہو چکا جن کی نیت خبیث تھی وہ مرتد ہو گئے اگر پہلے ہی عذاب بھیجدیتا تو یہ مرتد لوگ رہ جاتے اور خالص مومنین کی زندگیوں کو تنگ بنا دیتے اور مومنین سے میرا امن و امان کا وعدہ پورا نہ ہوتا لہذا کشتی بناؤ۔

اسی طرح غیبت قائم کا زمانہ طویل ہوگا تاکہ وہ لوگ جن کی طینت خبیث ہے اور جن سے تائم کے زمانہ میں نفاق کا خطرہ ہوگا وہ رفتہ رفتہ مرتد ہو جائیں اور خالص مومنین ہی حدود تشیع میں رہ جائیں۔ آخر میں فرمایا کہ بندۂ صالح خضر کو طولانی عمر نہ کسی آئندہ نبوت کے لئے ملی اور نہ کسی کتاب و شریعت کی توقع پر نہ کسی لائق اقتدار امامت کے لئے ان کو باقی رکھا گیا اور نہ کسی مخصوص اطاعت کے لئے بلکہ چونکہ خدا کے علم میں مقدار عمرِ قائم گذر چکی تھی اور انکار بندگانِ خدا گذر چکا تھا لہذا عمر خضر کو بغیر کسی دائمی کے صرف عمرِ قائم پر دلیل بننے کے لئے طویل بنا دیا تاکہ خدا پر کسی کی حجت نہ رہے۔

اس روایت پر غور کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے

تاریخِ اسلام میں تیسری صدی اسلامی ایک ایسی صدی ہے جس کو اگر "حدیث تراشی" کی صدی کہدیا جائے تو بیجا نہ ہوگا یہ وہی صدی ہے جس کے متعلق جناب رسالت مآب نے اپنی آخری تقریر میں غلاف کعبہ کو پکڑ کر فرمایا تھا کہ اس صدی میں سوائے کانٹوں کے کچھ نہ رہے گا یہ وہی صدی ہے جس میں حضرات آئمہ طاہرین کا سلسلۂ حیات ختم ہو گیا اور قوم کی باگ ڈور مکمل طور پر علماء کے ہاتھوں میں آگئی جنہوں نے واقعی اسلام میں کانٹے پیدا کرنے کے سوا اور کوئی مفید کام نہیں کیا پہلے حضرت ابوبکر و عمر کو خلیفۂ رسول ماننے والے محبین شیخین اور آئمہ طاہرین سے محبت کرنے والے شیعیان اہلبیت کہلاتے تھے اور اس وقت تک شیعوں اور سنیوں کی بحیثیت ایک فرقہ کے کوئی وجود نہ تھا لیکن یہ اسی تیسری صدی کی برکت ہے کہ حضرت علمائے اسلام نے اپنے اپنے گروہ کا علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیا یعنی ایک گروہ سنی کہلایا اور دوسرا شیعہ کے نام سے موسوم ہوا اور یوں قرآن مجید کی سب سے پہلی نافرمانی عمل میں آئی یعنی خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ اس نے تمہارا نام مسلم رکھا۔

یعنی حضرت علماء نے دین اسلام اور مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیا اور بغیر کسی خدائی حکم اور دلیل کے دونوں فرقوں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھے اور دونوں فرقوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے جداجدا مذہبی مسائل ایجاد کرکے اور ان کو اپنے خلفاء و آئمہ کی طرف منسوب کیا اور ہمیشہ کے لئے

اپنی نبوّت و رسالت کا دعویٰ نہیں کر دیا اس وقت تک قبطیوں اور اسرائیلیوں
میں سے ایک شخص بھی یہ بات نہیں جان سکا کہ وہ بچہ جو سلطنتِ فرعون کے
زوال کا باعث ہے وہ وہی ہے جو خانۂ فرعون میں پرورش پا چکا ہے نہ
موسیٰ کے خاندان کو کوئی جان سکا نہ محلِ ولادت کو نہ وقتِ ولادت کو
غرض حضرت موسیٰ کا پورا قصّہ مخفی رہا۔ لیکن حضرت امام غائب کے متعلق
شیعوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے ماں باپ کو علم بھی ہو گیا محلِ ولادت بھی
پوشیدہ نہیں رہ سکا۔ واقعاتِ ولادت بھی مفصّل معلوم ہو گئے۔ نام تک
مخفی نہ رہا۔ پھر کیا چیز مخفی رہی؟ ایسی حالت میں یہ کہنا بالکل غلط ہے
کہ اس کی ولادت میں موسیٰ کی ولادت کا انداز ہے۔ دوسری بات یہ
بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح موسیٰ کو اپنی سلطنت کے زوال کا سبب
سمجھ کر فرعون اسرائیلی عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتا تھا اسی طرح بنی امیّہ
اور بنی عباس ہمارے قائم کو اپنی سلطنت کے زوال کا باعث سمجھ کر
ہمارے قائم کے قتل کی فکر میں ہیں۔ اوّل تو بائبل اور قرآن سے یہ بات
ثابت نہیں ہے کہ فرعون حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتا تھا لیکن دوسری
بات تو قطعاً بالبداہت غلط ہے یعنی نہ تو آلِ محمد کے متعلق یہ پیشگوئی نہیں تھی
کہ وہ بنی امیّہ اور بنی عباس کی سلطنت کو تباہ کرے گا نہ بنی امیّہ اور بنی عباس
کو قائم کے قتل کرنے کی فکر تھی نہ انھوں نے اس بچہ کی تلاش میں حاملہ عورتوں
پر پہرہ بٹھایا اور نہ امام حسن عسکری نے مذکورۂ بالا خاندانوں کی سلطنت
کو ختم کیا بلکہ ان کی سلطنتوں کے ختم کے اسباب دوسرے تھے۔ حضرت [illegible]

ابن الحسن ان کی سلطنتوں کو کیا ختم کرتے ان پر تو خوف ہی اس قدر طاری ہوا کہ جس کی مثال ملنی ناممکن ہے پس اس قدر غلط بیان حضرت صادق کا نہیں ہو سکتا بلکہ ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور بالکل جعلی ہے۔

(۲) امام فرماتے ہیں کہ اس کی غیبت میں عیسیٰ کی غیبت کا انداز ہے یہودی اور عیسائی دونوں مسیح کے قتل کئے جانے پر متفق ہیں مگر خدا ان دونوں کو جھٹلاتا ہے اور اس کی دلیل میں یہ آیت پیش فرمائی ہے کہ:

انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً۔ (سورۂ نساء)

اس آیت کا ترجمہ شیعہ علماء اس طرح فرماتے ہیں کہ یہودی کہتے ہیں:

"ہم نے عیسیٰ بن مریم خدا کے رسول کو قتل کر دیا تھا مگر انھوں نے اس کو قتل کیا نہ اس کو صلیب دی۔ لیکن ان کے لئے ایک شخص کی شکل عیسیٰ کی سی بنا دی گئی تھی اور جن لوگوں نے مسیح کے بارے میں اختلاف کیا تھا وہ اب تک شک میں پڑے ہیں ان کو کچھ علم نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یقیناً انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اٹھا لیا اور وہ عزت و حکمت والا ہے۔"

اس کے بعد فرمایا ہے کہ جس طرح عیسیٰ غائب ہو گئے اسی طرح تو (؟) غیبت ہوگی بعض لوگ کہیں گے پیدا ہی نہیں ہوئے بعض کچھ کہیں گے اور بعض کچھ کچھ تا آخر۔

ہمارا خیال ہے کہ اس آیت کا ترجمہ اب تک غلط ہوتا رہا ہے جس سے یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ مسیح کو صلیب نہیں دی گئی اور وہ آسمان پر غائب ہو گئے۔ شُبِّہَ لَہُم کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ ایک آدمی مسیح کا ہم شکل بنا دیا گیا۔ اسی طرح رفعہ اللہ الیہ کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے جایا گیا مثلاً آسمان پر جسم کے اٹھائے جانے کو نہیں کہتے۔ اس لئے ہم شیعوں کے قول نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسیح کو واقعی صلیب دی گئی اور اب وہ دنیا میں زندہ نہیں نہ وہ آسمان پر ہیں لیکن اس مقدمہ میں ہمیں اپنے خیالات کے ثبوت [illegible] نہیں اس لئے اپنے دلائل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہاں ہم شیعہ حضرات کے معلومات کے پیش نظر چند سوالات کرتے ہیں۔

(۱) قرآن کہتا ہے کہ یہودی اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں کہ انھوں نے مسیح کو صلیب دی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ایک دوسرے شخص کو مسیح کا ہم شکل بنا کر صلیب دلوا دی اور مسیح کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ فرمایئے جس شخص کو مسیح کے بجائے صلیب دی گئی اس کا قصور کیا تھا۔ قرآن سے ثبوت دیجئے

(۲) جس وقت مسیح آسمان پر لے جائے جا رہے تھے۔ یہودی اور عیسائی [illegible] نے ان کو آسمان پر جاتے دیکھا یا نہیں اگر دیکھا تو بے شک ان یہودیوں کی صلیب جھوٹی ہے لیکن اگر [illegible] سی دوسرے کو عیسیٰ کا ہم شکل بنتے ہوئے

اور مسیح کو آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا اور ان کی نظر بندی کردی گئی تو یہودی کیونکر جھوٹے ہوئے وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنے علم و یقین کی بناء پر کہتے ہیں اور بالکل سچ کہتے ہیں ایسی حالت میں یہودیوں کو جھوٹا کہنا خدا کو ظالم قرار دینا ہے۔ البتہ اگر موقع پر یہودیوں کے سامنے یہ واقعہ ہوتا اور پھر وہ صلیب یا قتل کا دعویٰ کرتے تو بے شک ان کو جھٹلانا درست اور صحیح تھا لیکن ان کو یہ معجزہ نہیں دکھایا بلکہ ان کی نظر بندی کرکے مسیح کو بچایا گیا اور یہودیوں نے جس کو بھی پھانسی دی مسیح سمجھ کر پھانسی دی اس لئے ان کو جھوٹا کہنا خود دروغگوئی کا مرتکب ہونا ہے اور خدا معاذ اللہ دروغگوئی کا مرتکب نہیں ہوسکتا اس لئے آیت کا یہ مفہوم جو خدا کو دروغگو قرار دے بالکل غلط ہے۔ پس صلیب نہ دئے جانے اور مسیح کی غیبت کا عقیدہ غلط ہے اور جب یہ عقیدہ غلط ہے تو غیبت مسیح کو غیبت مہدی کی تشبیہ قرار دینا بناء فاسد علی الفاسد ہے اور امام جعفر صادق ایسا فتویٰ نہیں دے سکتے۔ اس لئے روایت بالکل جعلی ہے۔

(۷) اگر مسیح کو غائب کرکے معجزہ عمل میں لایا گیا تو معجزہ اتمام حجت کیلئے ہوتا ہے کہ معجزہ دیکھنے والے یا تو ایمان لے آئیں ورنہ انہیں تو مستحق عذاب قرار دے چونکہ سب یہودیوں کی نظر بندی ہوگئی اور انہوں نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو نہ یہ اتمام حجت کیلئے ہوئی اور اگر نہیں ہوئی تو ایسے معجزہ کا کیا فائدہ ہوا اور لغو فعل خدا سے سرزد نہیں ہوسکتا اس لئے مسیح کی شکل پر کسی آدمی کو نہیں بنایا گیا نہ مسیح آسمان پر غائب ہوئے اور روایت قطعاً جھوٹی ہے۔

(۸) وہ لوگ جو مسیح پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی یہ معجزہ نہ دیکھ سکے اور نہ کبھی

نظر بندی کر دی گئی اس لئے عیسائی بیچارے کیوں جھوٹے قرار دئے گئے اگر انھوں نے
جو کچھ دیکھا تھا سچ کہدیا تو ان سے کیا گناہ سرزد ہوا کسی کو بلاوجہ جھوٹا بنانا خود گندہ
کام مرتکب ہوا ہے جو خدا کے لئے بالکل محال ہے اس لئے اس روایت کے راوی
بالکل جھوٹے ہیں اور روایت جعلی ہے۔

اس کے بعد امام فرماتے ہیں کہ قائم کی لمبی عمر میں تاخیر نوح کا مذہب اور
اس سلسلہ میں جبرئیل کا جنت سے کھجور کی گٹھلیاں لانا اور نوح کا انھیں سات دفعہ
بونا وغیرہ اور پھر عذاب کا نازل ہونا بیان کیا گیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ
جب خالص مومن بندے رہ جائیں گے تو ان کا ظہور ہوگا۔ یہ کہانی بھی فرضی ہے
ایسی کسی جنت کا وجود نہیں ہے جہاں کھجور وغیرہ کے درخت ہوں اور جس کی
گٹھلیاں جبرئیل لائے ہوں۔ قرآن میں جنت کا مضمون متشابہ ہے جس کا مفہوم
معین کرنے کا حق خدا نے کسی کو نہیں دیا بلکہ اس کا مفہوم بیان کرنے کی ممانعت
فرمائی اس موضوع پر ہم آئندہ کسی باب میں بحث کریں گے۔ شیعہ علماء جنت کا
مفہوم غلط سمجھتے ہیں نہ کوئی آسمان پر مادی جنت ہے نہ جبرئیل اس جنت سے
کوئی چیز کبھی لائے۔ روایت کا ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم میں رہنا گر اس کو
درست تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس قصہ سے قائم کی عمر کو تشبیہ دینا تو اسی
وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ ان کی ولادت تو معقول دلائل سے ثابت ہو جائے
جب ولادت کی کہانی ہی فرضی ہے تو تاخیر نوح سے تشبیہ دینے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد ایک اور مضحکہ خیز کہانی سنئے یعنی حضرت خضر کو خدا نے

اب تک زندہ رکھ چھوڑا ہے اور وہ غائب ہیں۔ روزِ غیبت سے آج تک حضرت
خضر کن ضروری کام میں مشغول ہیں؟ جنگلوں میں سیر کرنے کے سوا اور کوئی کام
نہیں۔ اب تک ان کو زندہ کس غرض سے رکھا گیا ہے؟ امام زمانہ میں اس
غرض سے کہ چونکہ اللہ کے علم میں غیبتِ قائم کی مدت اور انجام بندگان گذر چکا تھا
اس لیے خضر کو دنیا میں باقی رکھا تاکہ غائب لوگوں کی حجت قائم نہ ہوسکے بلکہ اس کی
حجت لوگوں پر قائم رہے اور لوگ کوئی عذر نہ کرسکیں۔ ہم کہتے ہیں کہ لوگوں کی
حجت خدا پر اب بھی باقی ہے اور خدا کی حجت لوگوں پر بالکل قائم نہیں ہوئی
کیونکہ قصہ خضر اگرچہ مشہور تو بہت ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی شہرت
کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسی الف لیلہ کی کہانیاں۔ حضرت خضر کے اب تک
زندہ رہنے کا کوئی معقول ثبوت موجود نہیں ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں یہ بات
کسی جگہ بیان نہیں فرمائی۔ اس لئے پسر امام حسن عسکری کی مفروضہ غیبت کو
خضر کی مفروضہ غیبت سے ثابت کرنا بالکل عبث ہے اور معصومین سے غلط بیانی
ناممکن ہے اس لئے تمام روایت خرافات محض غیر معقول اور خلاف قرآن
واقعات سے لبریز ہے۔

رسالہ انتظار قائم آل محمد کے مصنف محترم کی طرف سے پیش
کی ہوئی روایت پر تبصرہ کرنے کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت امام غائب
کی ولادت و غیبت کے متعلق جس قدر روایات ہیں وہ سب
غیر معقول اور مشکوک ہیں اور ان روایات سے یہ مسئلہ بالکل ثابت
نہیں ہوتا۔

نتیجہ

(۱) حضرت شیخ الطائفہ کا دعویٰ ہے کہ امام حسن عسکری کی ولادت
وامامت عمل میں آنے سے بہت پیشتر ائمہ حدیث کی پیشگوئیاں منتشر ہو چکی تھیں
جن میں ان کی ولادت وغیبت کی خبر دی گئی تھی اور یہ پیشگوئیاں متواتر ہیں۔ اگر
ہم ان پیشگوئیوں کو متواتر فرض بھی کر لیں تو بھی یہ پیشگوئیاں شیعہ حضرات کے
دعویٰ کو باطل کرتی ہیں۔ اگر یہ پیشگوئیاں درست ہیں تو ولادت و محل ولادت
کا معاملہ تا ظہور بالکل مخفی رہنا چاہئے۔ چونکہ شیعوں کے دعویٰ کے مطابق یہ
معاملہ مخفی نہ رہ سکا اس لئے یہ پیشگوئیاں بالکل باطل اور جعلی ہیں۔

(۲) قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام غائب
کس تاریخ کو پیدا ہوئے۔

(۳) قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام غائب
کس سنہ میں پیدا ہوئے۔

(۴) قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام غائب
کس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(۵) قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام غائب
پیدا بھی ہوئے یا نہیں ہوئے۔

(۶) قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت امام غائب
زندہ بھی ہیں یا نہیں۔

رہنمائی قوم کے فرائض ادا کرسکتا ہے اور یہ واقعہ قانونِ عقل۔ قاعدۂ فطرت سنّتِ الہٰی اور شریعتِ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ بہ حال امامِ ولادت سے ۵ سال کی عمر تک تقریباً روپوش اور ۵ برس کی عمر میں بالکل روپوش ہو جاتا ہے۔ اس روپوشی کی حالت میں قوم کی مشکلات کیونکر حل ہوئیں اس بارہ میں بہت کچھ اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حکیمہ بیان کرتی ہیں کہ لوگ جو مسائل مجھ سے دریافت کرتے ہیں وہ میں پنج سالہ امام غائب سے معلوم کرتی ہوں اور جواب دیتی ہوں۔

(بحار الانوار باب ولادت قائم)

(۲) حکیمہ اور ایک روایت کے مطابق ان کی بہن خدیجہ بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی مشکلات امام غائب کی دادی سے حل کریں۔

(بحار الانوار ص۲۶۳)

ان دونوں بیانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کمسن وارث امامت کے مطابق روپوش تھا اور اس طرف سے جناب حکیمہ یا امام حسن عسکری کی والدہ قوم کی مشکلات حل کرتی تھیں۔

(۳) بحار الانوار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات امام حسن عسکری کے بعد چونکہ امام کی تعیین باقاعدہ عمل میں نہیں آئی تھی اور عرصہ دراز تک شیعہ اس مسئلہ میں حیران و پریشان ہوئے کہ اب ہم کس کی طرف رجوع کریں تو شیعہ جماعت میں اختلاف پیدا ہوا ایک جماعت نے جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام کو امام تسلیم کیا جعفر نے خود بھی دعویٰ امامت کیا اور بیان کیا کہ امام حسن عسکری نا ولد فوت

زمانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جو مر گیا" انہیں قبر کھود کر اس کی نعش گم کر دی۔

(۲) جعفر کے دعویٰ امامت نے اصحاب امام حسن عسکری میں کھلبلی مچا دی۔ ان اصحاب میں سے عثمان بن سعید عمری نے اس راز کا انکشاف کیا کہ جعفر کا دعویٰ امامت غلط ہے بلکہ امام مرحوم کا ایک فرزند موجود ہے اور نظروں سے پنہاں ہے اور میں اسی امر میں ان کا نائب ہوں۔ لہٰذا تم میری طرف رجوع کرے عثمان بن سعید عمری کی اس حکمت عملی کی تائید بعض دیگر اصحاب امام مرحوم نے بھی کی اور اس طرح شیعوں کا کچھ حصہ عثمان بن سعید عمری کے ساتھ ہو گیا لوگ مسائل پوچھتے عثمان بن سعید عمری ان مسائل کو نابالغ حجت خدا کے پاس لے جاتے اور تحریری جواب لاتے۔ خمس و زکوٰۃ کا روپیہ وصول کر کے امام کے پاس لے جاتے اور اس روپیہ کی رسید صدقہ دہندگان کے حوالہ کر دیتے تھے۔ "زمین وجود امام سے کبھی خالی نہیں رہتی" اس عقیدہ کی موجودگی میں تحقیقات کا کوئی سوال ہی نہ تھا اور کوئی خدا کا بندہ اگر پوچھتا بھی کہ عثمان کا دعویٰ نیابت کیونکر ثابت ہے تو جواب ملتا کہ اصحاب امام حسن عسکری کیا کاذب ہو سکتے ہیں لیکن جب عثمان بن سعید سے پوچھا گیا کہ بھلا کم از کم امام غائب کا نام تو بتا دو تو عثمان جواب دیتے ہیں کہ نام بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ عثمان بن سعید نے بیان کیا کہ میرے پاس امام کی توقیع آئی ہے کہ جو لوگ میرا نام دریافت نہ کریں ان کی جزا بہشت ہے اور جو لوگ دریافت کریں تو ان کی جزا جہنم ہے۔ (دیکھئے بحار الانوار صفحہ ۱۵۰-۱۵۱) ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ بیان درست ہے تو شیعہ [illegible]

نے محمد بن عسکری کس طرح معلوم کر لیا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت ملاحظہ ہو:

امام علی نقی نے فرمایا کہ میرے بعد میرا جانشین میرا فرزند حسن ہے مگر اس کے جانشین کے بارے میں تمہارا کیا حال ہوگا۔ راوی نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا کہ نہ تم خود اس کو دیکھو گے اور نہ تمہارے لئے اس کا نام تجویز کرنا حلال ہوگا۔ راوی نے پوچھا کہ پھر ہم ان کا ذکر کیونکر کریں۔ فرمایا کہ انھیں حجت آل محمد کہنا۔ روایت بتاتی ہے کہ امام حسن عسکری کے جانشین کو کوئی نہ دیکھے گا۔ اس جملہ سے ایک مرتبہ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ حکیمہ وغیرہ اور دوسرے لوگوں کے بیانات قطعی غلط ہیں جن میں کہا ہے کہ ہم نے پسر امام حسن عسکری کو دیکھا خواہ وہ عثمان بن سعید عمری ہی کیوں نہ ہوں اور ان کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وجود اس کا ثابت کیا جاتا ہے جس کو بتواتر کثیر لوگوں نے دیکھا ہو۔ دوسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ امام حسن عسکری کے جانشین کا نام تک تجویز کرنا شیعوں کیلئے حلال قرار نہیں دیا گیا پس وجہ بتائی جائے کہ شیعوں نے ان کا نام محمد کس طرح رکھا۔ بہر حال نام بتانے کی اجازت نہ تھی۔ ایسی صورت میں کس کی مجال تھی کہ عثمان امام کی طرف سے کوئی رسید لا کر دیتے اور وہ پوچھتا کہ اس خط پر یا اس رسید پر امام کے دستخط کیوں نہیں ہیں اور اگر دستخط ہوتے بھی تو اس کا کیا ثبوت کہ یہ دستخط فرضی نہیں تھے اور لطف یہ ہے کہ عثمان بن سعید جو حضرات شیعہ کے نزدیک نہایت معتبر امین اور نائب امام ہیں وہ تو وفات میں

کہ شیعوں کے لئے نام پوچھنا اور میرے لئے نام بتانا حلال نہیں لیکن شیعوں کے بچہ بچہ کو ان کا نام معلوم ہے اور اگر کہا جائے کہ حدیث رسول "یواطی اسمہ اسمی۔ یعنی اس کا نام میرا نام ہوگا" کے ذریعے سے نام معلوم تھا صرف زبان پر جاری کرنا حرام تھا تو عثمان نے یہ کیوں کہا کہ میں نہیں بتاتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عثمان اس حدیث کو درست نہ سمجھتے تھے اور امام کا نام کچھ اور تھا جو صرف امام کو معلوم تھا یا عثمان کو اور شیعہ صاحبان جو نام بتاتے ہیں وہ غلط ہے انھیں خود معلوم نہیں۔

عثمان بن سعید عمری کے بعد ان کے بیٹے ابوجعفر جانشین ہوئے ان کی نیابت وسفارت عمل میں آئی ہی تھی کہ امام حسن عسکری کے دوسرے اصحاب باوجود جنہوں نے مطلقاً عثمان بن سعید کے دعوی کی تائید کر دی تھی اٹھ کھڑے ہوئے اور مختلف دعاوی کئے ان میں سے ایک محمد بن نصیر نمیری تھے جن کا دعوی تھا کہ میں پیغمبر ہوں اور مجھکو امام علی نقی نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ان میں سے ایک احمد بن ہلال کرخی تھے ان کا دعوی تھا کہ ابوجعفر امام زمان کے وکیل نہیں ہیں جب بعض شیعوں نے کہا کہ کیا تم امام حسن عسکری کی تصریح کے مطابق ابوجعفر کا وکیل ہونا تسلیم نہیں کرتے تو انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت نے میرے سامنے ابوجعفر کو وکیل ہرگز نہیں بنایا۔

امام حسن عسکری کے ایک اور صحابی ابوطاہر محمد بن علی بن بلال تھے جنہوں نے ابوجعفر کی وکالت سے انکار کیا اور دعوی کیا کہ سفیر میں ہوں۔ چوتھے صحابی حسین ابن منصور حلاج تھے جنھوں نے ابوجعفر عمری کی وکالت کا انکار کیا اور خود وکیل

ہونے کا دعویٰ کیا۔ غرض مسلسل چار اشخاص ۳۲۹ھ تک فرقۂ شیعہ اور امام غائب کے درمیان فرائضِ سفارت انجام دیتے رہے اور دوسرے اصحاب ان کی مخالفت کرتے اور کوشش کرتے رہے کہ لوگ ان کی سفارت کو تسلیم کرلیں۔ یہی دونوں اصحاب حضرت حسن عسکری کے تھے جنھوں نے عثمان بن سعید عمری کے دعوے کی تائید کی تھی اب غالباً اس مضمون کے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ ان اصحاب کے تائید کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ عثمان بن سعید مدعی کے زیادہ بااثر ہونے کی وجہ سے مصلحتاً یہ لوگ خاموش رہے اور موقع کے منتظر رہے یہاں تک کہ جب عثمان کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے موقع کو غنیمت پایا اور وہی فائدہ اٹھایا۔ چاہے عثمان بن سعید اقارب تھے اور ان کی تائید مبنی برحقیقت نہ تھی۔

شیعہ علماء امام حسن عسکری کے اصحاب محمد بن نصیر، احمد بن ہلال، محمد بن علی اور حسین بن منصور کو مدعی کاذب سمجھتے ہیں اور عثمان بن سعید، ابو جعفر، حسین بن روح اور علی بن الحسن سمری کو دعویٔ وکالت امام غائب میں صادق سمجھتے ہیں حالانکہ ان صادق اصحاب کے ہاتھ میں بھی امام غائب کے نائب ورفیق ہونے کا کوئی قابل تردید ثبوت موجود نہیں ہے۔ کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان سب کا دعویٰ باطل ہے نہ کوئی وکیل تھا نہ امام۔

غرض جب چوتھے نائب سمری صاحب کی وفات کا وقت قریب آیا تو معتقدین نے پوچھا کہ تم ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہو۔ چونکہ ان کو ایسا کوئی موزوں شخص نظر نہیں آیا جو اس راز کو درونِ پردہ رکھ سکے۔ اس لئے انھوں نے جیب سے

امام غائب کی آخری وصیت تھی جس میں لکھا تھا کہ اے علی ابن محمد سمری خداوندِ کریم تیرے دینی بھائیوں کو تیری وفات کی مصیبت میں اجرِ عظیم عطا فرماتے تو چھ روز کے اندر مرجائے گا پس تو تیار رہ اور وکالت کے بارے میں کسی کے متعلق وصیت نہ کر جو تیری وفات کے بعد تیرا جانشین ہو کیونکہ اب غیبتِ کبریٰ واقع ہوگی میرا ظہور نہ ہوگا مگر خدا کی اجازت سے اور یہ ظہور جب ہوگا کہ مدت غیبت طولانی ہو جائے گی اور دل سخت ہو جائیں گے اور زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی عنقریب میرے کچھ شیعہ میرے دیکھنے کا دعویٰ کریں گے آگاہ رہو کہ جو شخص سفیانی کے خروج اور صدائے آسمانی سے پہلے میرے دیکھنے کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب اور مفتری ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تحریر بھی جعلی ہے۔ اور ایک برحق امام کی زبان سے یہ بیان صادر نہیں ہو سکتا کیونکہ ۶۹ سال تک شیعوں کو ہدایت کرتے کرتے یکایک یہ کہنا کہ بس اب بذریعہ وکیل و نائب بھی ہدایت نہیں کی جاسکتی اور باب ہدایت بالکل بند کیا جاتا ہے یہ قطعاً ناجائز ہے اگر ۶۹ سال تک مشکلات قوم کو حل کرتے رہنا فرض تھا تو ۶۹ سال کے بعد قوم کو یتیم چھوڑ جانا کہاں تک جائز ہے کیا قوم کو ۶۹ سال کے بعد ہدایت کی ضرورت نہ تھی کیا قومی مشکلات ختم ہو گئیں کیا قوم بالغ اور معصوم ہو گئی کیا قوم کو امام برحق اور حجتِ خدا کی ضرورت نہیں رہی اگر نہیں تو غیبتِ کبریٰ بالکل خلافِ عقل اور ناجائز ہے ایسا نہ خدا کر سکتا ہے اور نہ امام برحق زندہ رہتے ہوئے ہمیشہ کے لئے یا نامعلوم مدت تک کے لئے روپوش ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا ظہور اس وقت ہوگا

جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی کیا اس وصیت کے وقت دل سخت نہیں تھے کیا زمین ظلم و جور سے بھری ہوئی نہ تھی زمین کے ظلم و جور سے پُر ہونے اور دلوں کی سختی کا عالم دیکھو کہ خود حضرت امام غائب کو اپنے قتل سے خوف کھا کر ۵ سال کی عمر سے روپوش ہونا پڑا۔ اب تو خدا کے فضل سے کروڑوں شیعہ موجود ہیں۔ یمن و ایران جیسی حکومتیں موجود ہیں جو آپ پر جان و مال نثار کرنے کو موجود ہیں اب ان کو کیا خوف ہے ظہور کا زمانہ تو دراصل وہی تھا جس زمانہ کے ظلم و جور سے گھبرا کر اور خوف کھا کر آپ کو روپوش ہونا پڑا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ عنقریب میرے شیعہ مجھے دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کریں گے اگر یہ صحیح ہے تو حضرات علمائے شیعہ کو بحار الانوار اور دوسری کتابوں سے ان تمام بیانات کو خارج کر دینا چاہئے جن میں لکھا ہے کہ فلاں فلاں نے حضرت امام غائب کو راستوں، گذرگاہوں، جنگلوں اور بیابانوں میں دیکھا ہے اور اعلان کر دینا چاہئے کہ یہ تمام لوگ جھوٹے ہیں اور کذاب و مفتری ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حجۃ ابن الحسن کی ولادت، امامت و غیبت اور نواب اربعہ کی نیابت کسی معقول شہادت سے ثابت نہیں ہے اور نہ وجود امام دوازدہم کا عقیدہ کسی محکم اور متین بنیاد پر قائم ہے۔ حضرات علمائے شیعہ کی خدمت میں گذارش ہے کہ وجود امام غائب کو معقول مستند روایات و احادیث کی روشنی میں ثابت فرمائیں لیکن ثابت کرتے وقت اپنے مسلّمہ حسب ذیل معیار روایات و احادیث کو پیش نظر رکھیں :-

"روایات واحادیث کی صحت وعدم صحت کا معیار"

وہ کلام جو معصوم کے قول و فعل یا تقریر کی حکایت کرے وہ حدیث کہلاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث خود معصوم کا قول یا ان کے قول یا فعل یا تقریر کی حکایت ہے تو بعید نہ ہوگا۔

(۱) حدیث کے بیان کرنے والے اگر اس کثرت سے ہوں کہ مبنی بر کذب اور جعلی حدیث پر ان سب کا متفق ہونا محال ہو تو ایسی حدیث حدیث متواتر کہلاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک ہزار اشخاص جو وقت واحد میں نہ ہوں اور ایکدوسرے سے آشنا نہ ہوں اگر کوئی حدیث بیان کریں تو یہ حدیث یقیناً صحیح ہوگی اور دلیل قطعی قرار پائے گی۔

(۲) وہ حدیث جس کے بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی قلیل ہو کہ کسی جعلی حدیث پر ان کا متفق ہوجانا عادۃً محال نہ ہو تو ایسی حدیث احاد کہلاتی ہے اور وہ دلیل ظنی قرار پائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی خارجی اور یقینی قرینہ موجود ہو اور علمائے شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ظنی دلیل اس وقت تک اصولی مسائل میں قابل استدلال نہیں جب تک کہ کوئی قرآنی آیت تائید نہ کرے۔ متواتر حدیث بھی اس وقت یقینی اور صحیح قرار پائے گی جبکہ حسب ذیل شرطیں پائی جائیں گی۔

(۱) سلسلہ روات اپنے تمام طبقات میں حد تواتر تک پہونچتا ہو یعنی مثلاً ہزار اشخاص جنھوں نے ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اور مجلس واحد میں حدیث

پر متفق نہ ہوئے ہوں ایسے دوسرے ۱۰۰ اشخاص سے کہ وہ بھی مذکورہ بالا صفات سے متصف ہوں کوئی حدیث بیان کریں اور یہ سو اشخاص ایسے ہی دیگر سو اشخاص سے نقل حدیث کریں یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت رسول یا حضرات آئمہ تک منتہی ہو جائے تو اس صورت میں تواتر ثابت ہو جائے گا اور ایسی حدیث یقینی ہوگی لیکن اگر سو آدمی پانچ یا سات آدمیوں سے نقل حدیث کرتے ہیں اور یہ پانچ یا سات آدمی حضرت رسول سے روایت کریں تو یہ حدیث متواتر نہ ہوگی کیونکہ پانچ یا سات آدمی کسی جعلی حدیث پر متفق ہو سکتے ہیں اور یہ بات عادۃً محال نہیں ہے۔

حدیث کی تعریف اور اس کی صحت کا معیار بیان کرنے کے بعد ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا معیار پر جو فرقہ شیعہ کا مسلّمہ معیار ہے ثابت کیا جائے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی فرزند نرینہ رکھتے تھے جو آپ کے بعد آپ کا جانشین قرار پایا۔

بحار الانوار کے صفحات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا کہ وجود امام دوازدہم کو صرف ایک عورت ایک نامعلوم الاسم کنیز اور ایک خادم کے بے سروپا بیانات کی بنا پر یقینی تسلیم کر لیا گیا ہے حالانکہ ایسے عظیم الشان اصولی مسئلہ کا تصفیہ صرف ایک عورت ایک کنیز ایک خادم کے بیانات سے کر لینا کسی قاعدہ سے جائز نہیں ہے۔

باب چہارم

غیبت امام غائب علیہ السلام

صفحات سبق میں ہم یہ بات اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ وجود امام دوازدہم کا عقیدہ بالکل بے بنیاد اور بے سروپا اور وہ بھی چند روایات پر مبنی ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے اس کے بعد ان کی غیبت پر بحث کرنا عبث اور لاحاصل ہے کیونکہ جب ایک شخص کا وجود ہی ثابت نہیں تو غیبت صغریٰ و کبریٰ بدرجۂ اولیٰ باطل ہے لیکن چونکہ غیبت کا عقیدہ بذات خود ایک ایسا عقیدہ ہے جس نے بڑی بڑی قوموں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر تباہی و بربادی کے غار میں دھکیل دیا ہے اس لئے اس عقیدہ پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری و لازمی ہے تاکہ امام دوازدہم کے مسئلہ کا یہ پہلو بھی روشن ہو جائے اور شیعہ صاحبان معلوم کر لیں کہ اس عقیدہ نے ان کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔

تاریخ ادیان و مذاہب کے طالب علم بخوبی واقف ہیں کہ تمام اقوام عالم کو عروج و زوال اور ترقی و تنزل کے نازک مرحلوں سے گذرنا پڑا ہے

خدا کے مقدس پیغمبر پست ماندہ اقوام کو جہالت و وحشت اور پستی و انحطاط کے گڑھوں سے نکال کر ترقی و رفعت کی بلندیوں تک پہونچاتے رہے لیکن قومی قیادت کی باگ ڈور جب پیغمبروں ان کے جائز جانشینوں اور علماء حق کے ہاتھوں سے نکل کر مفسد اور شریر علماء کے قبضہ میں آجاتی ہے تو وہ ایک دوسرے پر تفوق و برتری حاصل کرنے اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے قوموں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر مختلف قسم کی بدعتوں اور باطل عقیدوں کے غلط راستوں پر لگا دیتے ہیں۔ یہی عقائد باطلہ اقوام عالم کے تنزل و انحطاط کا باعث بنتے رہتے ہیں ان ہی باطل اور مہلک عقیدوں میں سے ایک عقیدہ عقیدۂ غیبت بھی ہے جو صرف شیعہ حضرات ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور بہت سی قوموں میں پایا جاتا ہے۔

زرتشتی: قوم عقیدہ رکھتی ہے کہ ان کا مقدس پیغمبر شاہ بہرام ہر کارستے ہوئے پہاڑوں میں غائب ہو گیا ہے جو زندہ موجود ہے خدا کے حکم سے اپنے وقت پر ظاہر ہوگا اور تمام دنیا میں زرتشتی مذہب پھیلا دے گا۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح تین دن کے بعد اپنی قبر سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ گئے ہیں زندہ ہیں جب خدا کا حکم ہوگا فرشتوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ نازل ہوں گے نافرمانوں کو نیست و نابود کر کے خدا کے فرزندوں کو بادشاہت عطا کریں گے اور پھر خدا کی بادشاہت کے بیٹے ابدالآباد تک عیش کریں گے۔ اس عقیدہ میں مسلمان بھی ان کے

ہمنوا ہیں حالانکہ قرآن مجید وفات مسیح کے سلسلہ میں واضح طور پر فرماتا ہے کہ:

یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک	یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا
الی ومطہرک من الذین	اور پھر اپنی طرف تجھے رفعت دوں گا
کفروا وجاعل الذین اتبعوک	اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے
فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ	ماننے والوں کو قیامت تک کافروں پر
الخ۔ (آل عمران)	غالب رکھوں گا۔

اس آیت کے مطابق خدا نے عیسیٰ کو وفات دیدی اور ان کے درجات کو بلند کرکے ان کو رفعت عطا فرمائی اور وہ اس طرح کہ ان کے ماننے والے یعنی عیسائی نہ ماننے والوں یعنی یہودیوں پر تاقیامت غالب آئے۔

حضرت خضر اور حضرت الیاس کی غیبت کی موہوم داستانیں کسے نہیں معلوم اور اسلام میں تو غیبت کا عقیدہ وبا کی طرح پھیل گیا۔ اس سلسلہ میں اسلامی فرقوں کی کہانی سنئے:

ناووسیہ: اس فرقہ کا خیال تھا کہ امام جعفر صادق غائب ہو گئے ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔

محمدیہ: اس فرقہ نے امام حسن عسکری کو غائب سمجھا۔

ایک فرقہ نے امام علی نقی علیہ السلام کو غائب سمجھا۔

واقفیہ: ہارون رشید کے زمانہ میں جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے وفات پائی تو خلیفہ ہارون نے آپ کے تابوت کو دجلہ کے پل پر رکھوا کر

شہر میں منادی کرادی کہ سب جنازہ پر حاضر ہوں اس کے بعد اس
نے حضرت امام کے چہرۂ مبارک سے کفن کو سرکا کر کہا کہ دیکھو موسیٰ
کاظم نے وفات پائی۔ آئندہ کوئی نہ کہے کہ موسیٰ کاظم غائب ہو گئے
ہیں اس کے باوجود فرقہ مذکور قائم ہو گیا اور ان کی غیبت کا قائل ہو گیا۔
دور کیوں جائیے۔ ہمارے زمانہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ
موجود ہیں جو ہندوستان کے مشہور لیڈر سوبھاش چندر بوس اور
جرمنی کے سابق ڈکٹیٹر ہٹلر کی غیبت کے قائل ہیں اور ہر روز نجومی
پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں کہ یہ دونوں اب ظاہر ہوں گے اور جب۔
خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں مذہبی لیڈر نہ تھے ورنہ ایک فرقہ ہندوستان
میں اور ایک ہندوستان سے باہر ہماری نظروں کے سامنے تو ظاہر
ہو گیا ہوتا۔

یہودی: لیکن ان سب قوموں اور فرقوں میں سب سے زیادہ عجیب و غریب
اور عبرت انگیز عقیدہ یہودیوں کا ہے جس کو ہم ناظرین کی ضیافت طبع
کی غرض سے درج کرتے ہیں۔

جس وقت حضرت مسیح کا ظہور ہوا اور حضرت مسیح کے مومنین نے
یہودیوں کے سامنے حضرت مسیح کی صداقت کو ثابت کیا تو یہودی عیسائیوں کے
دلائل کی تاب نہ لا کر اپنے علماء کے پاس گئے اور اپنے عجز اور کمزوری کی شکایت
کی تو علمائے یہود نے ان دلائل کا جواب دینے کی بجائے ان کو یہ کہکر مطمئن
کیا کہ تم عیسائیوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ شخص سچا مسیح نہیں ہے اصلی مسیح موسیٰ

کی اولاد میں سے ایک شخص ہے جو ایک خاص شہر میں رہتا ہے جس کا نام شہر
بنی موسیٰ ہے وہ وہاں ۷۰ ہزار معصوم امتوں پر حکومت کرتا ہے اس شہر میں
کوئی نہیں جا سکتا کیونکہ اس کے چاروں طرف ریگ رواں کا دریا بہتا ہے جب
خدا کا حکم ہوگا وہ اس شہر سے نکلے گا وہ امتیں اس کے ساتھ ہوں گی وہ نافرمانوں
کے ساتھ جہاد کرے گا اور تمام دنیا میں شریعت توریت کو رائج کر کے تمہیں
بادشاہت عطا کرے گا۔ اس وقت سے آج تک یہودی اس عقیدہ پر قائم ہیں
مسیح کا انتظار کرتے ہیں۔ اور ہر سال اطراف عالم سے بیشمار یہودی فلسطین میں
آتے ہیں اور دیوار گریہ کے نیچے بیٹھ کر تمام رات عبادت میں بسر کرتے ہیں اور
روز ظہور مسیح کی دعائیں مانگتے ہیں اور اس کے بعد اپنی اپنی تحریری درخواستیں
اس دیوار میں بنے ہوئے عمیق طاقوں میں ڈال کر چلے آتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں
کہ یہ درخواستیں اسی فرضی مسیح کے پاس پہنچ جاتی ہیں۔ کس قدر حیرت کا
مقام ہے کہ شیعوں اور یہودیوں کے عقیدۂ غیبت میں سرمو فرق نہیں ہے
ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ کی اولاد میں سے ایک شخص ہے جو
جابلسا یا جابلقا نام کے ایک شہر میں رہتا ہے غائب و موجود ہے جب خدا
کا حکم ہوگا تو ظاہر ہو کر منکرین اسلام کو قتل کرے گا اور تمام دنیا میں شیعیت
پھیلا کر شیعوں کو خلافت الٰہی کا مالک بنا دے گا اور پھر شیعیان حیدر کرار
تا قیامت کبریٰ عیش کریں گے۔ یہودیوں کی مانند وہ بھی ۱۵ شعبان کی رات کو
بیدار رہتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور ظہور کی دعائیں کرتے ہیں۔ اور قریب صبح صادق
دریاؤں پر کھڑے ہو کر اپنی تحریری درخواستیں جو مٹی یا آرد گندم میں بند رہتی ہیں

دریا میں ڈال کر چلے آتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ درخواستیں خدمتِ امام میں
پہونچ جاتی ہیں حالانکہ جس طرح مسیح کا ظہور آج سے مدتوں پہلے ہو چکا اور یہودی
تا حال محروم ہیں اسی طرح حقیقی قائم آل محمد کا ظہور آج سے ۱۰۰ برس پیشتر
ہو چکا لیکن حضرات شیعہ تا ہنوز ان کی معرفت سے محروم ہیں ان واقعات سے
ہر منصف مزاج شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ گمراہ قوموں کے عروج و زوال
کے اسباب اور ان کی باطل آرزوئیں ایک ہی سی ہیں ان عقائد نے ان قوموں کو
کوئی فائدہ نہیں پہونچایا یعنی یہودیوں نے اسی عقیدہ کی وجہ سے حضرت مسیح اور
حضرت رسول اللہ کا انکار کر دیا۔ عیسائیوں، زرتشتیوں نے ان ہی عقائد کی وجہ
سے اسلام کی نعمت کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اب شیعہ صاحبان کی باری ہے۔ بہائی
جماعت ان کو دعوت دے رہی ہے اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ۱۰۰ سال
سے ثابت کر رہی ہے کہ حضرت علی محمد باب کے سوا کوئی اور قائم آل محمد نہیں ہے
مگر علمائے شیعہ ان کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے اور کہتے ہیں کہ مطمئن رہو
ہمارا قائم غائب موجود ہے کیا یہ وہ بات نہیں ہے جو مخبر صادق نے ارشاد فرمائی
تھی کہ تم بھی وہی کروگے جو یہودی کرچکے ہیں اگر وہ سوسمار کے بل میں گھسے ہونگے
تو تم بھی گھسوگے۔ لیاقت و استعداد و قابلیت و اہمیت۔ عقل و تدبر کے علاوہ
ایک سچے مصلح اور حقیقی رہنما کا یہ کیرکٹر بھی ہونا لازمی ہے کہ وہ اپنے مقابل
صف آرا قوتوں سے حتی الامکان مرعوب نہ ہو اگر اس میں مخالف طاقتوں سے
مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تو ایسا شخص ہرگز لیڈر کہلانے کا مستحق نہیں ہے
خصوصاً وہ شخص جو قومی قیادت کی انجام دہی کے لئے احکم الحاکمین قادرِ مطلق

کی طرف سے معین اور مقرر ہو اس کے لئے تو یہ بات اور بھی زیب نہیں دیتی بلکہ سراسر ذلت کا باعث ہے۔ خدا کے مقدس پیغمبروں اور انبیائے کرام کی زندگیاں ملاحظہ فرمایئے وہ شیطانی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ مخالفتوں کے طوفان ان کے قدم نہ ڈگمگا سکے اور مصائب و آلام کے تلاطم انھیں اپنے فرائض سے باز نہ رکھ سکے وہ ظلم و ستم کی بارشوں میں ثابت قدم رہے ان کی تکذیب و توہین کی گئی۔ سولی پر چڑھایا گیا۔ قتل کیا گیا۔ آگ میں ڈالا گیا۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے فرض کو نہیں چھوڑا مقصد ہدایت کو فوت نہیں ہونے دیا۔ معدنِ نبوت و رسالت حضرات آئمہ طاہرین کے سوانح حیات اٹھائیے۔ ان کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ بچوں تک کو شہید کر دیا گیا۔ عورتوں کو اسیر کیا گیا۔ تازیانوں کی سزا دی گئی۔ زہر سے زندگیوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ قید خانوں میں محبوس کر دیا گیا۔ لیکن ان پر خوف کبھی طاری نہیں ہوا۔ انھوں نے اپنے فرض کو پورا کیا۔ وحدتِ ملت اور قومی بیشترنت کو حتی الامکان کمزور نہ ہونے دیا اور ہر طالب ہدایت کے لئے انھوں نے اپنا دروازہ کھلا رکھا۔ اس کے برعکس حضرت امام دوازدہم کی فرضی تاریخ پڑھئے پانچ سال کی عمر میں کتاب ناطق قرار پائے اور اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے ہی حکومتِ وقت سے ایسے مرعوب ہوئے کہ گھر بار چھوڑ کر سامرہ کے غار میں روپوش ہونا پڑا۔ ۶۹ سال تک اپنے چند مخصوص دوستوں کو ہدایت فرماتے رہے۔ زکوٰۃ اور خمس کا روپیہ وصول فرماتے رہے اور اس کے بعد ان چند مخصوص اور دلدادہ دوستوں کو بھی چھوڑا اور نہ معلوم کس قصور میں ان بیچاروں کو ہدایت

سے محروم کرکے شہر جابلقا میں تشریف لے گئے۔ شہر بھی ایسا کہ دنیا کے جغرافیہ پر اس کا کہیں پتہ نہیں۔ اب کیفیت یہ ہے کہ امت اسلام تباہ ہو رہی ہے اس کے علماء شعراء تک اس پر مرثیہ پڑھ چکے۔ مگر ان کو رحم نہیں آتا۔ آہ و کرب کی گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آ رہی ہیں مگر ان کا دل نہیں پسیجتا۔ عجل اللہ فرجہ کہتے کہتے جاں نثاروں کے حلق سوکھ گئے مگر زمانہ انتظار ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتا ؎

یہ انتظار نہ ٹھہرا کوئی بلا ٹھہری کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

ہمیں تعجب ہے کہ حضرت امام دوازدہم جو اپنے مخالفین سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ اس رعب اور خوف کی مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ کس طرح اپنی تلوار سے مخالفینِ اسلام کو قتل کر سکیں گے۔

ایک لمحۂ فکریہ

عقیدۂ غیبت پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم شیعہ عوام اور شیعہ علماء دونوں کو اس خوفناک مصیبت کی طرف متوجہ کرتے ہیں جس کی طرف اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں کوئی ایک شخص بھی متوجہ نہ ہو سکا۔

جناب رسالت آب کی وفات کے بعد مسلمان دو فرقوں میں منقسم ہو گئے اور اس تقسیم کی بنیاد یہ ہے کہ ایک فرقہ نے حسبنا کتاب اللہ کو اپنا اصول مذہب قرار دیا اور دوسرے فرقے نے اپنا عقیدہ یہ بنایا کہ کتاب صامت بذات خود کافی نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ کتاب ناطق یعنی منصوص من اللہ امام نہ ہو کیونکہ

کتاب ناطق کتاب صامت کی خدائی تفسیر کرتی ہے۔ دینی مسائل سمجھاتی ہے۔ امت کی رہنمائی کتاب صامت کے مطابق کرتی ہے۔ دینی مشکلات کو حل کرتی ہے۔ ان منصوص من اللہ اماموں کا سلسلہ امام حسن عسکری تک چلتا رہا اور شیعہ صاحبان کتاب ناطق کے زیر سایہ فائدہ اٹھاتے رہے۔ لیکن آج جبکہ کتاب صامت موجود ہے اور کتاب ناطق یا تو موجود نہیں ہے یا غائب ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں ایک سطح پر آ گئے۔ سنی فرقہ رسول اللہ کے بعد سے اب تک کتاب صامت کو کافی سمجھتا ہے اور کسی منصوص من اللہ خلیفہ یا امام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اپنی غیر معصوم عقلوں کے ذریعہ دینی و مذہبی مسائل کو حل کرتا اور اپنے ذاتی اجتہاد کو کافی ووافی خیال کرتا ہے۔ شیعہ فرقہ اپنے اصول اور عقیدہ کے مطابق ۲۶۰ سال تک تو منصوص من اللہ اماموں کا معصوم فتویٰ حاصل کرتا رہا لیکن غیبت کبریٰ کے زمانہ سے لیکر اب تک اپنی اپنی مشکلات کے حل کرنے اور مذہبی مسائل کا جواب لینے کے لئے منصوص من اللہ امام کی طرف نہیں بلکہ سنی فرقہ کی طرح غیر معصوم اور خطا کار علما کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ علما سنی علما کی طرح کتاب صامت یا اپنے ذاتی اجتہاد کو کافی سمجھتے ہیں اور اپنے غیر معصوم اجتہاد سے مرتب کئے ہوئے مسائل پر وہ اپنی [illegible] کی مہر لگا کر قوم کے حوالہ کرتے ہیں۔ جب صورت حالت یہ ہے تو اب ہم شیعہ علماء عوام سے حسب ذیل سوالات کرنے کی اجازت چاہتے ہیں:-

(۱) [illegible]

[illegible]

حرفِ آخر

الاستفتاء

بخدمت حضرت علمائے شیعہ اثنا عشریہ ایدھم اللہ بروح القدس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و حامیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں

"حدیث ثقلین اور حضرت امام دوازدھم"

(۱) کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (۱) کتاب خدا (۲) عترت اگر تم ان دونوں چیزوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے یہ دونوں چیزیں حوض پر میرے پاس پہونچنے سے پہلے ہرگز جدا نہ ہوں گی۔

(۲) اگر حدیث مذکور صحیح ہے تو کیا اس کا یہ مفہوم بھی صحیح ہے کہ کتابِ خدا کے ساتھ ساتھ عترت کا وجود اس لئے لازمی سمجھا گیا تھا کہ کتابِ خدا چونکہ قیامت تک کے لئے تھی اور ضروریاتِ وقت و زمانہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں اس لئے ہر زمانہ کے لوگ اپنی بدلتی ہوئی ضروریات کے متعلق کتابِ خدا سے علوم ہدایت اور خدائی فیصلہ حاصل کرنے کے لئے کتابِ ناطق سے مدد لے سکیں۔

(۳) اگر یہ مفہوم درست ہے تو حضرت علی علیہ السلام سے لیکر حضرت امام حسن عسکری تک وہ لوگ جنھوں نے کتاب صامت و ناطق دونو سے متمسک ہونا چاہا کتاب صامت کے مشکل اور دریافت طلب مسائل کتاب ناطق یا عترت سے بلاواسطہ اور غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں ابوابِ اربعہ کی وساطت سے حل کرتے رہے اس کے بعد کتاب ناطق یعنی بارھویں امام نے غیبت کبریٰ اختیار فرمائی اور کتابِ صامت و ناطق میں بظاہر جدائی واقع ہوگئی اور اس ظاہری جدائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ متمسک ہونے والے لوگ وجود عترت کے اصل فیض اور فائدہ سے محروم ہو گئے۔ پس غیبت کبریٰ کی ابتدا سے اب تک آپ ان دونو چیزوں یعنی کتاب صامت و کتاب ناطق سے حسب فرمودہ رسول کس طرح متمسک رہے۔

(۴) اگر کہا جائے کہ اس عرصہ میں گذشتہ گیارہ اماموں کی تفاسیر سے مدد لیکر مسائل زندگی کو حل کیا جاتا رہا اور یہ طریقہ بدستور جاری ہے، تو اس سے قطع نظر کہ وہ تفاسیر تو اس زمانہ کی ضروریات کے متعلق تھیں نہ کہ اس زمانہ کے متعلق" کیا حدیث مذکور سے اس قسم کی کوئی ہدایت ثابت ہوتی ہے کہ جب عترت غیبتِ کبریٰ اختیار کرلے تو علمائے قوم اس کے قائم مقام بن کر کتابِ خدا اور گزشتہ آئمہ طاہرین کی ان تفاسیر سے متمسک ہوں جو غیر معصوم راویوں کے ذریعہ سے ان تک پہونچی ہوں یا آخری کتاب ناطق نے غیبتِ کبریٰ اختیار کرتے وقت کوئی ایسی باثبوت ہدایت قوم کے لئے چھوڑی ہے؟

(۵) اگر نہیں تو حدیث ثقلین کی ہدایت کے خلاف علماء کو جانشینِ عترت بھی فرض بھی کرلیا جائے تو یہ بتائیے کہ عترت کے وجود کا فائدہ کیا باقی رہا۔ اور عترتِ رسول اس غیبتِ کبریٰ کے زمانہ میں کیا فرض انجام دے رہی ہے؟

(۶) جانشینِ عترت یعنی حضرات علمائے شیعہ جو غیر معصوم راویوں کے ذریعہ سے پہونچی ہوئی تفاسیرِ آئمۂ طاہرین سے کام لیکر کتاب کی صراحت سے مسائل و ہدایات استنباط فرماتے ہیں تو ان کے فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے یا نہیں۔ اگر نہیں اور فیصلۂ علماء معصوم ہے تو ایسی صورت میں عترتِ رسول کی ضرورت نہیں خواہ عترت ظاہر ہو یا غائب۔ پھر اگر علماء کا فیصلہ معصوم ہے تو وہ اپنے فتووں پر واللہ اعلم بالصواب کی مہریں ثبت فرماتے ہیں؟ اور ان کے باہمی اختلافات کے فیصلہ کی کیا صورت ہے؟

(۷) اگر فیصلۂ علماء کا غلط ہونا ممکن ہے اور ان کے فیصلے معصوم نہیں ہیں تو امت کتاب اللہ اور علماء کے غلط فیصلوں سے متمسک ہونے پر مجبور ہوگئی ہے حالانکہ حدیث میں متمسک ہونے کے لئے دو چیزوں کے سوا کسی تیسری چیز کا ذکر نہیں ہے تو ایسی حالت میں کتابِ صامت و کتابِ ناطق میں حوض پر پہنچنے سے پہلے مفارقت ہوگئی یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو حدیث ثقلین کے صحیح نہ ہونے کے متعلق حضور کا کیا فتویٰ ہے؟

(۸) عترتِ نبوی کے آخری فرد یعنی بارھویں امام جب بقول فریقین غائب ہیں تو تا قیامتِ کبریٰ زندہ رہیں گے یا حسبِ روایت ۷ سال۔ ۹ سال یا ۲۰ سال

وفات پائیں گے تو پھر فوراً قیامت کا پہلا صور پھونک دیا جائے گا اور کتاب صامت و ناطق جدا نہ ہونے پائیں گی اگر آپ کے نزدیک یہ بات درست ہے تو اس مفروضہ کا معقول ثبوت کیا ہے؟

(۱۱) اگر مفروضۂ مذکور کسی نہ کسی طرح تسلیم کر لیا جائے تو کتاب صامت و ناطق میں جدائی تو بیشک نہ ہوئی لیکن جس وقت قیامت کا صور اوّل پھونک دیا جائے گا تو اس صور کا یہ نتیجہ آپ کے نزدیک مسلّم ہے کہ تمام کائنات فی الفور معدوم ہو جائے گی۔ تو اس صورت میں ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ اس وقت کم ازکم ہمارے ہاتھ میں کتابِ صامت تو موجود ہے مگر صور قیامت کے نتیجہ میں نہ کتاب صامت کا وجود باقی رہے گا نہ عترت کا بلکہ دونو چیزیں معدوم ہو جائیں گی حالانکہ حوضِ کوثر پر پہونچنے سے پہلے ان کو معدوم نہ ہونا چاہئے اس کے برعکس حوضِ کوثر پر پہونچنے سے پہلے ہی دونو چیزوں کا نہ صرف جدا ہو جانا بلکہ معدوم ہو جانا ثابت ہو گیا اس صورت میں حدیث ثقلین کی صحت و عدم صحت کے متعلق حضرات نائبین امام غائب علیہ السلام کیا فرماتے ہیں اس حدیث کو غلط سمجھا جائے یا درست؟

(۱۲) ان سوالات کے نتیجہ میں اگر حدیث مذکور صحیح تسلیم نہ کی جائے تو پھر حضرت امام غائب علیہ السلام کے وجود۔ امامت اور غیبت پر معقول دلیل کیا ہے۔

اور اگر کوئی دلیل نہیں ہے تو کیا وقت نہیں آگیا ہے کہ اس عقیدہ پر نظر ثانی فرمائی جائے۔ عقیدہ "تا ائمہ آل محمد کی جہاں بین مکرر کی جائے اور حضرت علی محمد باب کے دعوئ قائمیت کی طرف توجہ مبذول کی جائے۔

بیّنوا وتوجروا

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

سید ابو العباس رضوی نارچوی

باب پنجم

قائم آل محمدؐ

فصل اوّل

قیامت صغریٰ

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ مہدی موعود اور مسیح موعود کے ظہور کے
متعلق قرآن مجید میں کوئی واضح بیان موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس احادیث و
روایات میں اس عقیدہ کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ اس لئے زمانہ متوسطہ کے
بعض اسلامی علماء مثلاً ابن خلدون وغیرہ اس عقیدہ سے انکار کر بیٹھے اور خیال
کیا ہے کہ مہدی موعود کا ظہور اور مسیح کی آمد ثانی محض ایک بے بنیاد بات ہے اور
موجودہ زمانہ میں تو اس کی طرف تیزی سے رجحان بڑھتا جاتا ہے جس کی وجہ
صرف یہ ہے کہ مسلمان قرآن مجید کی اصلی روح اور حقیقی تعلیم کو فراموش
کر چکے ہیں اور ایسا ہی کہا گیا تھا کہ لو کان العلم فی الثریا لنالہ رجال
من فارس یعنی ایک ایسا زمانہ آئے گا جبکہ علم قرآن ثریا پر چلا جائے گا
یعنی باقی نہ رہے گا تو فارس یعنی شیراز کے لوگ اس کو دوبارہ لے آئیں گے

درست نہیں ہیں۔ قیامتِ کبریٰ کے متعلق جو عقیدہ مشہور ہوگیا ہے یعنی صورِ اوّل پر دنیا کا خاتمہ اور صورِ ثانی پر کائنات کا احیائے ثانی اس کو قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید میں نہ فنائے کائنات کا کہیں ذکر ہے نہ کائنات کے دوبارہ وجود میں آنے کا۔ اس عقیدہ کے صحیح نہ ہونے پر محکم دلیل یہ ہے کہ خدا سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے کہ:

هو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات هن ام الكتاب وأخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به كل من عند ربنا وما یذكر الا اولوا الالباب ۝

یعنی میں نے تم پر کتاب نازل کی جس میں دو قسم کی آیات ہیں (۱) محکمات اور یہی کتاب کی اصل ہیں (۲) متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان کی غرض ان کی یہ ہوتی ہے کہ فتنہ پیدا کریں ورنہ حقیقی مطلب معلوم کریں حالانکہ ان آیات کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو راسخ فی العلم ہیں وہ بھی صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے کہ تمام آیات خدا ہی کی طرف سے ہیں اور عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس بیان میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات ہیں آیاتِ محکمات وہ ہیں جن کا مفہوم معلوم و معیّن ہے اور آیاتِ متشابہات وہ ہیں جن کا مفہوم معلوم اور معین نہیں ہے۔ وہ لوگ جن کے دل میں بد دیانتی ہوتی ہے وہ انہی آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ان کا اصل اور حقیقی مطلب معلوم کریں یا اپنی طرف سے مطلب بنا کر فتنہ پیدا کریں۔ وہ کم از کم آیتِ متشابہات کا

مفہوم خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا کون سا حصّہ ایسا ہے جو متشابہات کہلا سکتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن مجید میں تین قسم کے مضامین ہیں۔ احکام شریعت۔ قصص و حکایات۔ قیامت یا آیندہ کی پیش گوئیاں۔ احکام شریعت اور قصص و حکایات کا شمار آیات محکمات میں ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ احکام شریعت و قصص والی آیات اگر محکمات نہیں ہوں گی اور ان کا مطلب و مفہوم معلوم اور معین نہ ہوگا تو قوم سخت مشکلات میں گرفتار ہو جائے گی اس کو نہ احکام معلوم ہو سکیں گے اور نہ وہ قصص و حکایات سے عبرت حاصل کر سکے گی اس لئے یہ چیزیں صاف صاف ہونی چاہئیں۔ تیسرا حصّہ یعنی آیندہ کی پیشگوئیاں مثلاً قیامت و رجعت یہ ایسا ہو سکتا ہے جس کو متشابہات کہا جائے کیونکہ پیشگوئیاں ہمیشہ ہی زبان اور ایسے رمز میں کی جاتی ہیں جن کا مطلب اور مفہوم معین نہیں کیا جا سکتا وہ ہمیشہ رمز میں بیان کی جاتی ہیں اور ان کا مطلب اسی وقت کھلتا ہے جب ان کا وقت آجاتا ہے اور اسی حصّہ کو متشابہات کہکر خدا نے فرمایا ہے کہ ان آیات کا حقیقی مطلب کوئی نہیں جانتا اس کی تاویل سے صرف خدا ہی واقف ہے۔ پس آیات قیامت آیات متشابہات ہیں جن کے اصلی اور حقیقی مطلب سے خدا کے سوا اور کوئی واقف نہیں اور خدا نے وضاحت فرما دی تھی کہ ان آیات کی تفسیر کوئی شخص نہ کرے اور نہ ان کا مطلب معلوم کرنے کی کوشش کرے ان ہی آیاتِ قیامت کا ذکر کرتے ہوئے خدا سورۂ اعراف میں یوں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ | اور ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں
عَلٰی عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً | جس کی تفصیل ہم نے علم کی بنا پر کی ہے جو ہدایت

مِنَ الرَّجْعَةِ وَاَشْبَاهِهَا فَقَالَ اِنَّ هٰذَا الَّذِیْ تَسْئَلُوْنَ عَنْهُ لَمْ یَجِیْ اَوَانُهٗ وَقَدْ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ۔	تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جن باتوں کا مطلب پوچھا ہے ان کا ابھی وقت نہیں آیا اور خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی بے علمی کی وجہ سے اس کا مطلب نازل ہونے سے پہلے ہی انکار کر دیا۔

پس معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات رجعت و قیامت کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ درست نہیں اور نہ ان کو ایسا سمجھنے کا کوئی حق حاصل تھا اس لئے ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ قیامت صغریٰ میں مردے زندہ کئے جائیں گے یا آئمہ اطہار دوبارہ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر آئیں گے اور سلطنت کریں گے لیکن حضرات آئمہ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ قائم آل محمد اور قیامت دو مترادف لفظ ہیں اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا یہ بات بالکل ٹھیک ہے اور ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن اس کا واقعی اور حقیقی مفہوم کیا ہے کہ قیامت کہتے ہیں قائم آل محمد کے ظہور کو۔ یہ بات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ بعثتِ انبیاء و رسل کے حقیقی سبب کو نہ سمجھ لیا جائے گا اس لئے ہم سب سے پہلے یہ بیان کرتے ہیں کہ بعثتِ انبیاء و رسل کا سب سے بڑا سبب کیا ہے جیسے ہی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ انبیاء و رسل کیوں مبعوث ہوتے ہیں قیامت کا راز حل ہو جائے گا۔ خداوند عالم سورۂ بقر میں فرماتا ہے:

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ	ابتدا میں سب لوگ ایک ہی عقیدہ پر تھے بعد میں خدا نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان کے

وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (پ۲ ع۱۰)	ساتھ برحق کتاب بھی نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے۔ یہ اختلاف ان لوگوں کی طرف سے ہوتا تھا جنہوں نے روشن دلائل آنے کے بعد آپس کی ضد کی وجہ سے کر لیا تھا پھر خدا نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے ان کے اختلافات کے بارے میں راہِ حق دکھا دی اور خدا جس کو چاہتا ہے راہِ حق دکھا دیتا ہے۔

یہ سنتِ الٰہی اور قدرت کا عام اور اٹل قانون ہے کہ کوئی قوم جب روشن دلائل آنے کے بعد آپس کی ضد کی وجہ سے اپنے اندر اختلافات پیدا کر لیتی ہے تو وہ ان اختلافات کو دور کرنے اور اپنے آپس کے نزاعات کا فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کو ثالث کی ضرورت ہوتی ہے خدا نے خود کتاب اتاری ہے ان کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے ہی تو اس پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے ان کے ساتھ اپنا صحیفہ بھیجا ہے کہ یہ برحق کتاب یا قانون ہے جو لوگ اس خدائی فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ راہِ حق پا لیتے ہیں۔ بظاہر یہ اختلافات کا معاملہ معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے یہ بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے انہی اختلافات کی وجہ سے وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ دینِ الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اور حکومت الٰہیہ منتشر ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آجکل آپ دیکھ رہے ہیں یہ فسادات

امت اور قومی تشتت و تفرق اور دین کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا جو ضعف قوم
کی وجہ سے ہوتا ہے ایسا خطرناک معاملہ ہے جس کی تصحیح خدا کے سوا دوسرا
شخص نہیں کرسکتا۔ ان ہی اختلافات کا دوسرا نام شرک ہے اس شرک سے
صرف خدا ہی نجات دے سکتا ہے اس لئے اس معاملہ میں خود خدا ثالث بنتا
ہے اور خود فیصلہ فرماتا ہے اور خدا کا یہ فیصلہ اس کا پیغمبر سناتا ہے۔ جس دن
پیغمبر یہ فیصلہ لے کر آتا اور قوم کو مخاطب کرتا ہے یہی وہ دن ہے جو یوم القیامۃ
یوم الفصل اور یوم الدین کہلاتا ہے یعنی قیام اور کھڑے ہونے کا دن۔ حق و باطل
میں فرق ہوجانے کا دن۔ فیصلہ کا دن۔ دین اور شریعت نازل ہونے کا دن۔ یہی وہ
دن ہے جبکہ خدائی صور پھونکا جاتا ہے یعنی پیغمبر اپنا اعلان کرتا ہے جس کے ذریعہ
مردہ قوم کو زندہ کرتا اور مردہ دین میں جان ڈالتا ہے جو لوگ اس کا فیصلہ سن کر ایمان
لے آتے ہیں روحانی طور پر زندہ ہوجاتے ہیں اور ان ہی لوگوں کی وجہ سے
نئی اور زندہ قوم کی بنیاد پڑتی ہے اور جو لوگ نافرمانی کرتے ہیں وہ تباہی، ذلت،
رسوائی اور پستی کے جہنم میں جا گرتے ہیں۔ پس آدم کا ظہور قیامت تھا نوح و
ابراہیم کا ظہور قیامت تھا موسیٰ کی آمد قیامت تھی۔ ظہور حضرت مسیح
یوم قیامت تھا خود فرماتے ہیں "قیامت میں ہوں" حضرت خاتم الانبیاء کی بعثت
کا دن یوم قیامت تھا۔

وہ ساعت ہے تو ہر روز قیامت ہوگی
ہم بھی دیکھیں گے تماشہ یہ تماشہ [illegible]

جس پیغمبر کا ظہور ہو وہ قیامت کہلاتا ہے کیونکہ پیغمبر اس دن مردہ قوم

کو زندہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے مردہ قوم نئی زندگی لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور زندہ ہو جاتی ہے۔ پیغمبر کے ظہور کا دن یوم الفصل کہلاتا ہے کیونکہ جن اختلافات کی وجہ سے قوم مردہ ہو جاتی ہے ان اختلافات کو وہ فیصلہ کر دیتا ہے اور نئی قوم نئے فیصلہ اور نئی شریعت کے سایہ میں اپنا سفر حیات از سر نو شروع کر دیتی ہے۔ قومی اختلافات کا فیصلہ کرنا حکمت الہیہ یعنی دین خداوندی کو تباہ ہونے کے بعد از سر نو زندہ کرنا ہے اور اس کام کے لئے پیغمبروں کا مبعوث ہونا جب خدا کی قدیم سنت ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ امت اسلام اس قانون کی گرفت سے بچ جاتی چنانچہ امت اسلام کو بھی قرآن مجید کے ذریعہ سے ایک دستور العمل عطا فرمایا گیا تھا۔ اور وہ دستور العمل حسب ذیل تھا:۔

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (سیقول)	اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر اور رسول تمہارے اوپر گواہ رہیں۔
(۲) وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (الانفال)	خدا نے مسلمانوں کے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی ہے اگر تم زمین کے تمام خزانے خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے لیکن خدا نے ان میں محبت پیدا کی۔ بیشک وہ عزت اور حکمت والا ہے۔

(۳) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔	سب مل کر خدا کی رسی کو مضبوط تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔
(۴) لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا وَكُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ (سورہ روم)	اے مسلمانو! تم مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، مشرک وہ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اپنے عقائد میں خوش و مطمئن ہے۔

(شیعہ حضرات اس مضمون سے عبرت حاصل کریں!)

یہ وہ دستور العمل ہے جو خدا کی طرف سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا کی ہر قوم کو دیا گیا تھا یہ خدا کی سنت قدیمہ ہے اور اسی دستور العمل کی مخالفت اور نافرمانی کی وجہ سے تمام انبیاء و رسل کی بعثت عمل میں آئی۔ دوسری طرف اقوام عالم کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اس ہدایت کبریٰ کی برابر مخالفت کرتی آئی ہیں اور مشرکانہ اختلافات میں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کو بھی ان اختلافات میں قوموں کی سنت جاریہ کے مطابق مبتلا ہونا تھا اس لئے مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ تم بھی اگلوں کے نقش قدم پر چلوگے اور ان کو ان کے انجام سے اس طرح آگاہ کر دیا گیا تھا۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ	وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے یا نیچے سے مسلط کر دے۔ تم کو فرقہ فرقہ کر دے اور تمہیں باہمی تصادم کا مزہ چکھائے دیکھو ہم کس طرح آیات کو کھول کھول کر بیان

الآیاتِ لَعَلَّکُمْ یَفْقَھُوْنَ ۔ (مائدہ) کہتے ہیں تاکہ تم سمجھو۔

چونکہ اہل اسلام کا انجام بھی دیگر اقوام کی طرح ایسا ہی ہونا تھا جس کا نقشہ آیت بالا میں کھینچا گیا ہے اس لئے تفرق و تشتت اور باہمی تصادم کے عذاب سے نجات دینے کے لئے جس طرح کہ تمام اقوام عالم سے آیندہ آنے والے پیغمبر کی آمد کا اور اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا تھا اسی طرح مسلمانوں سے بھی عہد لیا گیا تھا کہ پیغمبر اسلام کے بعد بھی ایک پیغمبر آنے والا ہے۔ وہ عہد جو تمام اُمتوں سے لیا گیا تھا یہ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے خدا سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ۔	یعنی خدا نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دیدوں اور اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آئے تو تم اس کی مدد کرنا اور اس پر ضرور ایمان لانا۔

یہاں بظاہر انبیاء سے عہد لئے کا تذکرہ ہے لیکن دراصل ان انبیاء کی قوموں سے یہ عہد لیا گیا ہے کیونکہ بعد میں آنے والے پیغمبر کے وقت اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کے لئے نبی سابق زندہ ہی نہیں رہتا بلکہ اس کی قوم زندہ رہتی ہے جو اس کی مدد کرتی اور اس پر ایمان لاتی ہے چنانچہ جوامع الکلم اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں واذ اخذ اللّٰہ میثاق امم النبیین ۔ یعنی خدا نے گذشتہ انبیاء ان کی امتوں سے یہ عہد لیا تھا۔ اور جناب محمد باقر علیہ السلام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہی اس طرح اتری تھی بعد میں لفظ امم گرا دیا گیا (دیکھئے تفسیر عیاشی) اس

سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ تمام قومیں کرتی آئی ہیں۔ چنانچہ حضرت علی ابن ابی طالب خاتم النبیین کی تفسیر کے سلسلہ میں زیارت دورہ میں تلقین شدہ فرماتے ہیں کہ:

الخاتم لما سبق والفاتح لما استقبل والمهیمن علی ذلک کله۔ — یعنی جناب رسالت مآب نبیٔ گذشتہ کے ختم کرنے والے اور آئندہ کے شروع کرنے والے ہیں اور سب پر نگہبان ہیں۔

(بحار الانوار جلد ۲۲)

بہرحال حضرت محمد سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ تمہارے بعد بھی ایک پیغمبر آنے والا ہے جس پر ایمان لانا تمہارا اور تمہاری امت کا فرض ہے۔ اور یہی ہے وہ صاحب شریعت پیغمبر جو کتاب و حکمت لیے گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے اور شریعت جدید کی آرائش کرنے کے لئے آنے والا تھا اور جس کو احادیث رسول اور بیانات آئمہ میں مہدی، قائم آل محمد کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے ظہور کو قیامت کہا گیا اور مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دیا گیا تھا کہ قیامت کا انتظار کرتے رہیں یہی وجہ ہے کہ قائم آل محمد کے ظہور کو قیامت کہتے ہیں اور قائم آل محمد اور قیامت کے معنی ایک ہی ہیں جیسا کہ فرمایا:

اذا قام القائم فقد قامت القیامة — یعنی جب قائم کا ظہور ہوگا تو قیامت قائم ہو جائے گی

لیکن قائم آل محمد کے ظہور کو قیامت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قائم آل محمد کو ایک قومی اور بین الاقوامی مسائل کے اختلافات کا فیصلہ کرنا تھا لیکن ان کے ظہور کے علاوہ قرآن مجید میں بھی نص یک اور پیغمبر عظیم کے ظہور کی پیش گوئی فرماتا ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ تمام اقوام عالم کے مذہبی اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرے۔ سورۂ حج میں فرماتا ہے:

ان الذین آمنوا والذین ھادوا	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے
والصابئین والنصاریٰ والمجوس	اور ستارہ پرست اور نصاریٰ اور آتش پرست
والذین اشرکوا ان اللہ یفصل بینھم	اور مشرکین اب سب کے اختلافات کا فیصلہ
یوم القیامۃ ان اللہ علیٰ کل	خدا قیامت کے دن کر دے گا یقیناً وہ ہر چیز
شی شھید۔	کو دیکھ رہا ہے۔

پس اقوام عالم کا بیک وقت فیصلہ کرنے والے رسول اعظم کے ظہور کا دن قیامت کبریٰ کہلاتا ہے۔ اسی رسول اعظم کا نام احادیث میں مسیح یا حسین ہے۔

پس مہدی موعود قائم آل محمد اور مسیح یا حسین کا ظہور واضح طور پر کتاب الٰہی سے ثابت ہو گیا۔ قائم آل محمد کا ظہور قیامت کہلاتا ہے اس لئے سورۂ قیامت میں قائم آل محمد کے ظہور کا بیان ملاحظہ ہو۔

یسئل ایان یوم القیامۃ فاذا برق	پوچھتا ہے قیامت کا دن کب آئیگا تو جب آنکھ چندھیا
البصر وخسف القمر وجمع الشمس	جائیگی اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور آفتاب و ماہتاب
والقمر یقول الانسان این المفر	جمع ہو جائیں گے۔ انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ آج کہاں ہے
کلا لا وزر الی ربک یومئذٍ المستقر	ہرگز کوئی ٹھکانا نہیں۔ اس دن تو تیرے رب ہی کی جگہ تیرے
ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر	پروردگار ہی کی طرف ہوگی اس دن انسان کو معلوم
بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ولو	ہو جائیگا وہ جو کچھ کر چکا ہے اور آخر کیا ہے
القیٰ معاذیرہ لا تحرک بہ لسانک	بلکہ انسان اپنے نفس پر بصیرت رکھتا ہے اور وہ چاہے عذر
لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ	پیش کیا کرے تم اس کے ساتھ اس غرض سے اپنی زبان کو
فاذا قرآنہ فاتبع قرآنہ ثم	حرکت نہ دو کہ جلدی سے سمجھ لو یقیناً اس کا جمع کرنا

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَہ ۔	ہمارے ذمّہ ہے اور پڑھ دینا بھی۔ جب ہم اس کو پڑھا چکیں تو تم اس کو پڑھتے رہنا پھر اس کا بیان ہمارے ذمّہ ہے۔

اب تاویل سنئے :۔

(۱) جب قیامت کا دن آئے گا یعنی زمانہ ظہور آ جائے گا تو انسان کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ آنکھیں اس وقت چندھیاتی ہیں جب ان کو ناقابل برداشت روشنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ آفتاب صداقت یعنی خدا کے پیغمبر کے ظہور کے وقت کفر و شرک اور تقلیدی عقائد کی تاریکیاں اس قدر چھائی رہتی ہیں کہ لوگ ان تاریکیوں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں لیکن انھیں کچھ نہیں سجھائی دیتا ایسی حالت میں جب آفتاب صداقت و حقانیت طلوع فرماتا ہے اور پیغمبر جدید ان کی امیدوں کے خلاف حقیقی عقائد اور جدید علم و عرفان کی برقی روشنی ان کی آنکھوں کے سامنے ڈالتا ہے تو ان سے برداشت نہیں ہوتا اور وہ حیران ہو جاتے ہیں۔ یہی واقعہ قائم کے ظہور کے وقت ہو گا۔ دوسرا واقعہ یہ ہو گا کہ چاند کو گہن لگ جائیگا جب چاند کو گہن لگتا ہے تو عالم بے نور ہو جاتا ہے ٹھیک اسی طرح جب خدائی علم و عرفان کے چاند کی روشنی باقی نہیں رہتی یعنی جب نہ تو پیغمبر ہوتا ہے نہ جانشین پیغمبر موجود ہوتے ہیں نہ علمائے حق کی کوئی سنتا ہے تو پھر ہر طرف ضلالت اور گمراہ کن عقائد کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔ ایسا ہی قائم کے ظہور کے وقت ہو گا جبکہ شمس رسالت کی روشنی باقی نہ رہے گی نہ قمر ولایت روشن ہو گا بلکہ اس کو گہن لگ چکے گا کسی امام کا وجود باقی نہ رہے گا اور بقول حضرت صادق

فتہائے قوم اشرالشقیٰا ہو جائیں گے اور ہدایت کے قابل نہ رہیں گے تو مسلم
قوم شدید تاریکی میں مبتلا ہو جائے گی - اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے خدا چاند
اور سورج کو ایک جگہ جمع کر دے گا - اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ چاند کے
اوپر سورج چڑھ جائے گا یا سورج اور چاند ایک جگہ مل کر ساتھ ساتھ حرکت
کیا کریں گے تو یہ بات بالکل غلط ہے - واقعہ یہ ہے کہ جس طرح اس آسمانِ دنیا
کی زینت یہ ظاہری چاند اور سورج ہیں اسی طرح آسمانِ دین کے چاند اور
سورج بھی ہوتے ہیں جو انسان کی روحانی دنیا کو روشن کرتے ہیں اس چاند
اور سورج کو آپ کی مسلمہ کتاب اصول کافی سورۂ والشمس کی تفسیر میں اس طرح
سمجھاتی ہے کہ شمس سے مراد رسول اللہ اور قمر سے مراد علی ہیں اور یہ تفسیر
یقینی طور پر صحیح اور درست ہے اور سورۂ قیامت میں زیرِ بحث چاند اور سورج
سے مراد محمد و علی ہی ہیں - یعنی گمراہی اور ضلالت کی انتہائی تاریکی کے وقت
ایک پیغمبر کا ظہور ہوگا جس کا نام محمد اور علی کے ناموں سے مرکب ہوگا جس میں
آفتابِ رسالتِ محمدی اور ماہتابِ امامتِ علوی کے روحانی کمالات جمع ہو جائیں
گے - اس کے ظہور کے وقت لوگ گھبرا کر کہیں گے کہ آج بھاگنے کی جگہ کوئی
نہیں ہے اور ٹھیک بھی ہے ہر پیغمبر کے ظہور کے وقت یہی واقعہ ہوتا ہے لوگ نبی
کے وجود سے گھبرا اٹھتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ اس کی کتاب و شریعت سے بچ کر
کہیں نہیں جا سکتے کیونکہ وہ تو ہر جگہ پہنچ جاتی ہے تو اپنے دل میں کہتے ہیں کہ افسوس
اب بچنے کی کہیں جگہ نہیں ہے - اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ اس دن تیرے پاس
صرف تمہارے رب یعنی مربیِ روحانی (پیغمبر نبی) کے پاس ہی جگہ ہوگی سوئے رب

کتاب قائم کا نام: الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمہ البیان۔
اس آیت کا عام ترجمہ یہ ہے کہ الرحمٰن نے قرآن سکھایا انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا۔

ہمارے نزدیک یہ ترجمہ بالکل ناقص اور خلافِ قاعدہ ہے کیونکہ خدا نے قرآن کی تعلیم دینے کے بعد انسان کو پیدا نہیں کیا نہ اس کو بولنا سکھایا بلکہ تخلیقِ انسانی کے بہت عرصہ بعد قرآن نازل کیا ہے اس کے علاوہ تعلیم قرآن کا ذکر کرنے کے بعد پیدائش انسان اور اس کو قوت گویائی عطا کرنے کے ذکر میں کون سی بلاغت ہے ایسا کلام تو ایک معمولی مصنف کے لئے بھی زیب نہیں دیتا جہاں تک اصول انشاپردازی کا تعلق ہے پہلے جملہ کے بعد دوسرا جملہ فصاحت و بلاغت و لفظی و معنوی خوبیوں میں پہلے جملہ سے بڑھ کر ہونا چاہئے تعلیم قرآن جیسے افضل مضمون کے بعد ایک ادنیٰ درجہ کا مضمون کرنا ایک الہامی کتاب کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا بہتر ترجمہ حسب ذیل ہے:

الرحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی پھر ایک انسان کو پیدا کرے گا جس کو البیان کی تعلیم دے گا۔ یہاں یہ اعتراض نہ ہونا چاہئے کہ خَلَقَ اور عَلَّمَہٗ ماضی کے صیغے ہیں اور ترجمہ مستقبل میں کیا گیا کیونکہ ماضی کا ترجمہ مستقبل میں کرنے کا قاعدہ زبانِ عرب میں عام ہے بشرطیکہ ایسی ضرورت پیش آئے۔ اس ترجمہ کے بعد وہ عیب باقی نہیں رہا جو پہلے ترجمہ میں تھا۔ تعلیم قرآن کے بعد اس سے اعلیٰ مضمون یعنی دوسری کتاب کے نزول کا بیان عین بلاغت ہے۔ سورۂ قیامت میں تو کتاب محمد کے نام کا ذکر نہ تھا بلکہ اس پر جو کتاب نازل ہوگی اس کا نام بھی آپ نے سورۂ رحمٰن میں پڑھ لیا اب

بے جا نہ ہوگا اگر یہاں کچھ احادیث آئمہ کا ذکر بھی کر دیا جائے:

(۱) حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ

"هو ذو الاسمين الاعليين" وہ دو بلند مرتبہ ناموں والا ہوگا"

(بحار جلد ۱۳ صـ ۲۲۰)

(۲) "هو ذو الاسمين" یعنی علی محمد۔ (بحار صـ ۱)

(۳) حضرت امیر فرماتے ہیں:

"انا الجانب والجنب محمد" اس کے نام کے ایک حرف میں ہوں دوسری حرف محمد میں۔ یعنی علی محمد۔ (مشارق الانوار سید محمد مهدی)

(۴) عن النبی علیه السلام "اسمه اسم علیّ و انا تخت رجلیه" اس کا نام علی کا نام ہوگا اور میں اس کے پیروں کے نیچے ہوں یعنی علی محمد۔

(نوائد المنعین)

اس حدیث پر یہ اعتراض بیجا ہے کہ اس سے آنحضرت کی توہین ہوتی ہے اگر حضرت امیر آنحضرت کے کاندھوں پر چڑھ کر بُت توڑ سکتے ہیں اور توہین نہیں ہوتی تو حضرت حضور سے توہین ہونا کیا معنی رکھتا ہے خصوصاً جبکہ وہ خود ہی فرما رہے ہوں۔

(۵) عن النبی "ان لی کرۃ و بعد کرتین کرۃ قبل محمد کرۃ بعد حسین"

(کشف الحقائق و وافی)

رسول حضرت فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ دنیا میں آؤں گا اور تم دو مرتبہ ایک مرتبہ محمد سے پہلے دوسری مرتبہ حسین کے بعد یعنی علی محمد و حسین علی بہاء اللہ

(۶) تو کُم کا نام ربّ کے عدد کے مطابق ہوگا (کشف عدتی) یعنی میں محمد کے عدد ربّ کے عدد کے مطابق ہیں۔

اب سورۂ رحمٰن کی آیت خلق الانسان وعلمه البیان کے متعلق تفسیر امام ملاحظہ فرمائیے:

(۱) تفسیر قمی میں حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خلق الانسان سے مراد امیر المومنین ہیں۔ اس تفسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ پیدائش انسان اور قوت گویائی والا مطلب نادرست ہے بلکہ الانسان سے امیر المومنین مراد ہیں تو کیا تم آل محمد کے متعلق مومنین کے میر ہونے میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟

(۲) تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ البیان وہ اسم اعظم ہے جس سے ہر چیز کا علم ہوا۔

(۳) تفسیر قمی میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ البیان کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے امیر المومنین کو ہر اس چیز کا علم عطا فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہوا کرتی ہے۔

ان دونوں تفسیروں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ الانسان کی طرح البیان کی تفسیر قوت گویائی درست نہیں ہے بلکہ معصوم فرماتے ہیں کہ البیان اسم اعظم ہے اور اسم کے معنی کی ضرورت ہے یعنی وہ چیز ہونی چاہئے جس کا نام بیان ہے محض نام سے ہر چیز کا علم نہیں ہو سکتا۔ کتاب اللہ سے بڑھ کر اور کون سا بڑا اسم ہو سکتا ہے جس سے انسان کی تمام روحانی، خلقی، تمدنی، معاشرتی ضروریات

کا حسن دستیاب ہوتا ہے۔ پس البیان وہ کتاب ہے جس میں تاویلِ تشابہات نازل ہوگی اور وہ قائم آلِ محمد پر نازل ہونی چاہئے۔

قائم آلِ محمد کا آسمانی عہدہ:

سورۂ حدید میں قیامت کے دن مبعوث ہونے والے پیغمبر اور مومنین و منکرین کی باہمی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فضرب بینهم بسورٍ له باب باطنه فیه الرحمة و ظاهره من قبله العذاب۔

یعنی اس دن دو گروہوں کے درمیان ایک چہار دیواری قائم کی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر رحمت اور باہر عذاب ہوگا۔

اس آیت کا جو ظاہری تصور ہے وہ بالکل غیر معقول ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اس دن ایک شہرِ علم و عرفان تعمیر کیا جائے گا جس میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ واسطہ ہوگا جس کے بغیر اس شہر علم کی معرفت ناممکن ہوگی جیسا کہ حدیث مشہور انا مدینة العلم و علی بابها سے ظاہر ہے۔ قیامت کے دن بھی رسول اللہ جیسا صاحبِ کتاب پیغمبر جو شہرِ علم ہوگا، مبعوث کیا جائے گا اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے بھی ایک شخص ہمنام علی ہوگا جو اس شہر تک پہونچنے کے لئے "باب" کا کام کرے گا۔ اور بابِ علم ہوگا اور وہی بابیت کے منصب پر فائز ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت علی محمد باب نے شیراز میں ملا حسین بشرویہ کے ممتاز عالم کے سامنے ان لفظوں میں اعلان کیا کہ میں باب ہوں اور اس ہستی کی بشارت دینے کے لئے مبعوث ہوا ہوں جس کو خدا عنقریب ظاہر کرنے والا ہے۔

کتاب قائم کس زبان میں نازل ہوگی؟

قرآن مجید کا تذکرہ فرماتے ہوئے سورہ حٰم سجدہ کے ع ۱۹ میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ءَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ۔

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اتارتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کے احکام (ہماری سمجھ کے لائق) صاف کیوں نہیں کئے گئے کیا (کلام) عجمی ہے حالانکہ مخاطب عربی ہیں تم کہہ دو کہ وہ ایمان والوں کے لئے تو ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے وہ ایسے ہی رہیں گے کہ گویا ان کو دور سے آواز دی جا رہی ہے اور ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی تھی جس میں اختلاف کیا گیا۔

ہم نے آیت مذکورہ بالا کا شیعہ ترجمہ تمام و کمال درج کر دیا ہے دیکھئے (مقبول ترجمہ صفحہ ۹۶۸) مگر ہمارے نزدیک یہ ترجمہ بالکل درست نہیں اس میں حسب ذیل نقائص ہیں:

(۱) اس ترجمہ میں تین جگہ بریکٹوں میں اپنی طرف سے الفاظ کے اضافہ کے بغیر کامیاب ترجمہ میں دشواری پیش آئی ہے۔

(۲) ءاعجمی وعربی میں یہ ترجمہ کس لفظ کا ہے کہ حالانکہ مخاطب عربی ہیں چونکہ حالانکہ مخاطب کے لئے آیت میں کوئی لفظ نہیں ہے اس لئے ترجمہ غلط ہے

اور مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔

(۳) اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اُتارتے۔ جلالین کا ترجمہ "اُتارتے"
غلط ہے گر ایسا ہوتا، تو نزندہ ہوتا۔

(۴) آیاتہ کا ترجمہ احکام غلط ہے جبکہ آیات کا لفظ بالکل واضح ہے جس کے
ترجمہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔

معنوی اعتراض: خدا فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے
تو یہ لوگ یہ کہتے کہ اس کی آیات مفصل یعنی صاف اور
آسان کیوں نہیں ہیں۔ لیکن غور کیجئے اگر قرآن عجمی زبان میں اترتا اور خدا
اس کی آیات مفصل صاف صاف اور آسان نازل کرتا تو کیا عرب قرآن کو سمجھ
لیتے ہرگز نہیں کیونکہ قرآن عجمی زبان میں ہوتا اور وہ یہ زبان جانتے نہ سمجھتے
اس لئے اس کی آیات کا مفصل یا غیر مفصل ہونا بے شکل بیکار تھا اور ان کا یہ
اعتراض پھر بھی باقی رہتا کہ یہ قرآن ہماری زبان یعنی عربی میں کیوں نہیں ہے اس لئے
یہاں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اگر ہم اپنے رسول پر عجمی زبان میں قرآن کو نازل
کرتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ یہ قرآن ہماری زبان عربی میں نازل کیوں نہیں ہوا
اس کے بعد یہ کہنا درست تھا کہ کیا کلام عجمی ہوتا حالانکہ مخاطب عربی ہیں لیکن
اس آیت میں اصل اعتراض کا ذکر نہیں کیا گیا جو عرب قرآن کے عجمی ہونے کی صورت
میں کرتے اس سے کلام میں نقص پیدا ہو گیا جو در اصل کلام الٰہی کا نقص نہیں ہے
بلکہ غلط ترجمہ نے یہ عیب پیدا کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا تذکرہ کرتے کرتے
یہاں ایک نئی کتاب کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے جو در اصل نزول قرآن کی غرض و غایت

اور سب سے بڑا مقصد ہے اور جس کو قرآن کے بعد نازل ہونا تھا اور چونکہ اس کتاب کو عجمی زبان میں نازل ہونا تھا اس لئے اسی اعتراض کا ذکر بھی کیا گیا جو اس کتاب پر ہونے والا تھا یعنی آیات کا غیر مفصل صاف اور آسان نہ ہونا۔ اب ہمارے ترجمہ پر غور فرمائیے جو اس اعتراض سے بالکل پاک ہے۔

بہائی ترجمہ: اور جب ہم اس قرآن کو عجمی بنادیں گے تو اس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ اس قرآن کی آیات کھول کھول کر اور تفصیل کے ساتھ بیان کیوں نہیں کی گئیں یہ تو عجمی بھی ہے اور عربی بھی (یعنی دونوں زبانوں میں ہے) کہدو وہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے شفا اور ہدایت ہوگا اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے ان کے کانوں میں ٹھیٹی ہوگی اور اس میں ان کو کچھ دکھائی نہ دے گا۔ لوگوں کو دور دراز مقام سے ندا دی جائے گی اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی جس میں اختلاف کیا گیا تھا (اسی طرح اس عجمی قرآن میں بھی اختلاف کیا جائے گا۔

اس آیت کے بموجب حضرت علی محمد باب پر قرآن عجمی اور عربی دونوں زبانوں میں نازل ہوا جس کا نام البیان ہے اور چونکہ بیان کا انداز بیان مشکل اور پیچیدہ ہے اس لئے اہلِ عرب کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ اس کی آیات مفصل کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ اس کتاب کی طرف شیراز سے جو مکہ سے دور دراز فاصلہ پر واقع ہے۔ عربوں کو دعوت دی گئی اور اس کتاب کے بارے میں اسی طرح اختلاف کیا گیا جیسا کہ کتابِ موسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا گیا۔

چنانچہ حسب ذیل حدیث اس مضمون کو صاف کرتی ہے:

بخیر صبی من ہاشم ذو کتاب جدید یبایع الناس بکتاب جدید علی العرب شدید فان سمعتم منہ شیئاً فسارعوا الیہ۔

یعنی ایک ہاشمی نوجوان نئی کتاب لے کر آئے گا اور نئی کتاب پر بیعت لے گا جو عربوں کو گراں گزرے گی۔ پس اگر تم اس سے کچھ سنو تو اس کی طرف دوڑو۔

اگر اس تفسیر میں اب بھی کچھ شک ہو تو اس آیت کی تفسیر پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا معصوم فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے توریت میں ایسا ہی اختلاف کیا تھا جیسا کہ قرآن میں اس امت نے کیا ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ قائم آل محمد جناب امیر المومنین کا جمع کیا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں گے اور لوگ اس میں اختلاف کریں گے یہاں تک کہ بہت سے تو اس کا صاف انکار کر دیں گے تب وہ حضرت کے حکم سے گرفتار کئے جائیں گے اور ان کی گردنیں ماری جائیں گی (کافی)

پس ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں قرآن عجمی و عربی کی پیشگوئی کی گئی ہے جو قائم آل محمد پر نازل ہونے والا تھا۔ تاریخ ملاحظہ ہو۔ حدیث مذکور بالکل واقعہ بن گئی ہے۔ حضرت باب نے جناب امیر والا قرآن پیش کر دیا ہے اور شیعہ حضرات نے اس کا انکار کر دیا۔

اعتراض: لو حرف شرط ہے جس کے معنی ہیں "اگر" اس لئے ولو جعلناہ کا شیعہ ترجمہ ہی درست ہے نہ کہ بہائی ترجمہ۔

جواب: بے شک لو حرف شرط ہے جس کے معنی "اگر" کے علاوہ "جو" اور "جب" بھی ہوتے ہیں مثلاً حدیث مشہور ملاحظہ فرمائیے۔

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنَ الْفَارِس۔ — یعنی جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا تو بہت سے لوگ اس کو ثریا سے (زمین پر) لے آئیں گے۔

معلوم ہوا کہ "لَوْ" کے معنی "جب" بھی ہوتے ہیں۔ لفظ "اگر" سے اگر ترجمہ بگڑتا ہے تو اس کے وہ معنی کیوں نہ کئے جائیں جو ہم نے کئے ہیں۔

قائمِ آلِ محمد کا وطن: یہ بیان کرنے کے بعد کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے سورۂ شعرا میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْن — اور اگر ہم یہ قرآن کسی عجمی پر نازل کرتے
فَقَرَاَهٗ عَلَیْہِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْن — اور وہ ان کے سامنے پڑھتا تو وہ اس پر
کَذٰلِکَ سَلَکْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْن — کبھی ایمان نہ لاتے۔ اس طرح ہم نے مجرموں کے
لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ — دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جب تک وہ
الْاَلِیْمَ فَیَاْتِیَہُمْ بَغْتَةً وَّہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ — دردناک عذاب نہ دیکھیں گے ایمان نہ
فَیَقُوْلُوْا ہَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْن۔ — لائیں گے اور وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور ان کو
(سورۂ شعراء) — خبر بھی نہ ہوگی اس وقت وہ کہیں گے کیا ہم کو مہلت دی جا سکتی ہے۔

یہ تھا ترجمہ جو ہم نے درج کر دیا ہے لیکن اس ترجمہ پر ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اگر یہ قرآن کسی عجمی پر نازل ہوتا تو عرب کے لوگ ایمان کیوں نہ لاتے جبکہ قرآن عربی میں نازل کیا گیا تو عجمی بھی ایمان لے آئے اور انہوں نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں زمانۂ نزول کے ایک واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے اور قرآن مجید کا بیان کرنے کے

بعد اس کے بعد نازل ہونے والے قرآن کی پیشگوئی کی جا رہی ہے - اب ہمارا ترجمہ ملاحظہ ہو اور فرمائیے کہ اس پر آپ کا اعتراض کیا ہے؟

بہائی ترجمہ: اور جب ہم اس قرآن کو ایک عجمی پر نازل کریں گے اور وہ ان کے سامنے اس کو پڑھے گا تو وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں یہ مجرموں کے دلوں میں ہم ایسی ہی بات ڈال دیا کرتے ہیں (یعنی یہ ہمارا قانون عام ہے کہ مجرم کسی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائے اور نہ لائیں گے) وہ اس قرآنِ عجمی پر اس عذاب کے دیکھنے سے پہلے ایمان نہ لائیں گے جو ان کے پاس اچانک اور بے خبری کی حالت میں آ جائے گا اور اس وقت وہ کہیں گے کہ کیا آج کچھ مہلت دی جا سکتی ہے - اور یہ وہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ بعثت پیغمبر اور نزول کتاب کے بعد عذاب آیا کرتا ہے اور پھر توبہ یا مہلت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اس پر یا تو ایمان لانا پڑتا ہے یا اس پر ایمان نہ لانے کی پاداش بھگتنی پڑتی ہے - پس ثابت ہو گیا کہ قرآن کے بعد دوسری کتاب ایک عجمی پر نازل ہو گی اور قائم آل محمد عربی نہیں بلکہ عجمی ہو گا اور اس کی کتاب کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو خدا کی تمام کتابوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔

قائم آل محمد کا نسب: خداوند عالم سورۂ ہود میں حضرت محمد رسول اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ	یعنی کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن
وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن	دلیل پر قائم ہے اور جس کے بعد ان کے
قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً	بعد اس کی شہادت دینے والا آتا ہے جو اسی کا جزو

ہوگا اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت
تھی اور وہ ان کی شاہد تھی۔

حضرت موسیٰؑ نے واضح طور پر اپنے مثیل حضرت محمد رسول اللہؐ کی خبر توریت میں اس طرح دی تھی کہ "خداوند تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے مجھ جیسا نبی برپا کرے گا" اسی کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے کہ:

قل ارأیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشہد شاہد من بنی اسرائیل علی مثلہ فآمن واستکبرتم (احقاف)

کہدو نہیں تو دیکھو کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے اور بنی اسرائیل میں سے شاہد نے اپنے مثیل کی شہادت دے کر ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔

یہاں صاف صاف فرمادیا کہ شاہد بنی اسرائیل نے اپنے مثیل کے متعلق شہادت دی تھی یہ وہی بات ہے جو من قبلہ کتاب موسیٰ میں بیان فرمائی گئی۔

اس آیت پر غور فرمائیے نہایت جامع کلام ہے فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ من جانب اللہ ہیں ان سے پہلے حضرت موسیٰ آپ کی شہادت دے چکے ہیں اور آپ کے بعد بھی آپ کی نسل سے یعنی صاحب شریعت پیغمبر آتا ہے جو آپ کی صداقت کی شہادت دے گا اس پیشگوئی کے پورے پورے مصداق حضرت سید علی محمد باب ہیں جنھوں نے شہادت دی ہے۔ آیت یتلوہ شاہد منہ میں صاف فرمایا کہ آپ کے بعد شاہد پیغمبر آئے گا کیونکہ منہ کے معنی من جنسہ بھی ہوتے ہیں اور چونکہ حضرت رسول اللہ کی شہادت موسیٰ جیسے صاحب شریعت پیغمبر نے دی اس لئے آپ کے بعد آنے والا شاہد بھی اسی مرتبہ کا یعنی صاحب کتاب

پیغمبر ہونا چاہئے۔

اسی طرح یتلوہ شاھد منہ میں منہ کا ترجمہ یہ بھی درست ہے کہ
وہ شاہد آپ کا جزو یعنی آپ کی نسل سے ہوگا جیسا کہ فرمایا کہ الحسین منّی "حسین
مجھ سے ہے" یعنی میری نسل سے ہے اس قاعدہ پر قائم کا آنحضرت کی نسل اور
ذریت سے ہونا ثابت ہے اور اسی لئے اس کو قائم آل محمد کہا جاتا ہے جیسا کہ
تمام مسلمان اس بارے میں متفق ہیں۔ قائم آل محمد حضرت باب امام حسین کی
نسل سے ہیں۔ اور ان کا آل محمد ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

وقتِ ظہور: سورۂ سجدہ میں خدا فرماتا ہے کہ:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ۔

خدا آسمان سے زمین کی طرف امر کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ امر اس کی طرف چڑھ جائے گا ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے۔

اس آیت میں امر سے شریعتِ اسلام مراد ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ
فرماتا ہے کہ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر یعنی اے محمد ہم نے تجھے اپنی
شریعت یعنی امر پر قائم کیا۔ اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ خدا شریعتِ اسلام کی تدبیر
کرتا ہے اور اس کو مستحکم بناتا ہے اس کے بعد یہ شریعت ایک ہزار سال کے عرصہ
میں اس کے پاس چلی جائے گی یعنی شریعت اسلام کا وقت ختم ہو جائے گا
شریعتِ اسلام کی ترقی اور تنزل کا زمانہ خدا ایک ہزار سال معین کرتا ہے اب
دیکھنا یہ ہے کہ شریعتِ اسلام کے استحکام اور ترقی کا زمانہ کتنا ہے۔ یہ بات تاریخی طور

پر ثابت ہے کہ نزول قرآن کے شروع سے ختم نزول قرآن تک جناب رسالتمآب بحیثیت مدبر اسلام موجود تھے جو اسلام کو سمجھاتے اور اس کو مستحکم کرتے رہے ان کے بعد ان کے جانشین ان کی طرف سے کتاب کی مشکلات کو حل کرتے اور اسلام کو ترقی دیتے رہے اور اس کو پستی میں جانے سے حتی الامکان بچاتے رہے تا اینکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ آگیا اور گیارھویں امام حسن عسکری علیہ السلام نے سنہ ٢٦٠ھ میں وفات پائی اور وقت وفات فرمایا کہ اب میرے شیعہ متفرق ہو جائیں گے۔ چونکہ آپ کے بعد اسلام کا حقیقی مدبر اور اس کو مستحکم کرنے والا کوئی نہیں رہا اس لئے امام حسن عسکری کے عہد تک کا زمانہ تدبیر و استحکام اسلام کا زمانہ ہے اور آپ کے بعد تنزل کا زمانہ شروع ہو گیا جو ایک ہزار سال تک رہا یہاں تک کہ شریعت اسلام نافذ نہ رہی۔ اس لئے زمانہ تدبیر شریعت اسلام ٢٦٠ سال ہجری + تنزل اسلام کا زمانہ ١٠٠٠ سال = ١٢٦٠ سال ہجری۔

یہ زمانہ جب ختم ہوا تو سنہ ١٢٦٠ ہجری میں شریعت اسلام کی عمر کی مدت ختم ہوتے ہی حضرت سید علی محمد باب نے شیراز میں اپنی قائمیت و موعودیت کا اعلان فرمایا اور کتاب جدید پیش کر دی جس کا نام البیان ہے۔

کتب الٰہی قائم آل محمد کے ظہور کا وقت سنہ ١٢٦٠ھ معین فرماتی ہیں اس کی تائید میں حسب ذیل روایت ملتی ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

یا مفضل یظہر فی سنۃ الستین	یعنی اے مفضل وہ سنہ ٦٠ میں ظاہر ہوگا
فیعلو ذکرہ ویظہر امرہ	پس اس کا ذکر بلند ہوگا اور اس کا دین ظاہر
وینادی باسمہ وکنیتہ ونسبہ	ہو جائے گا اور اس کے نام کنیت اور نسب

ويكثر ذكره على افواه المحققين والمبطلين والموافقين ليتلزم منهم الحجة بمعرفتهم به ـ	ساتھ ندا دی جائے گی اور یہ ذکر حق پسند اس پرست موافق اور مخالف سب کی زبانوں پر بکثرت جاری ہوگا تاکہ ان کی معرفت کی حجت سب پر تمام ہو جائے۔

جس طرح مذکورہ بالا سورۂ سجدہ والی آیت متشابہ تھی اور سنہ ظہور اس طرح بیان کیا گیا کہ لوگ سمجھ نہ پائیں۔ وہی انداز امام معصوم اختیار کرتے ہیں اور صرف سنہ ۶۰ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ کوئی شخص سنہ ظہور ٹھیک ٹھیک معین نہ کر سکے۔ اب ہم حضرت صادق کے زمانہ سے سنہ ۶۰ھ کے اشارہ کو ساتھ لیکر ہر صدی کے سنہ ۶۰ھ کو دیکھتے چلے آتے ہیں تو تمام صدیاں اس واقعہ سے خالی ملتی ہیں لیکن جب ہم سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں دیکھتے ہیں کہ حضرت علی محمد باب نے دعویٰ قائمیت فرمایا اور ان کی شہادت ظاہر ہوگئی۔ ان کا ذکر چاروں طرف پھیل گیا اور ان کے مومنین نے تمام ایران میں پھیل کر ان کے نام ان کی کنیت اور ان کے نسب کا اعلان کیا اور یہ ذکر حق پرست ان کے تمام مخالفین باطل پرست موافق اور دشمن سب کی زبانوں پر جاری ہو گیا اور تمام حجت ہو گئی تاکہ معترض صاحب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے سنا نہیں۔

اب معترض صاحب کی تنقید مع جواب سنئے۔

اعتراض: اس روایت میں سنہ ستین کی بجائے "فی شبہۃ یستبین" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظہور شک و شبہ کے زمانہ میں ہوگا تاکہ واضح کر دے۔

جواب: سنہ ۱۲۶۰ھ میں حضرت باب کے اعلان سے گھبرا کر فی غیبت کے پاس

تحریف کے سوا چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا یہی وجہ ہے کہ بحار کے نسخوں میں ب
وہ لفظ بھی ملنے لگا ہے جس کو آپ نے پیش کیا ہے مگر وہ بھی باقی ہے جو ہم نے
پیش کیا ہے۔ سنہ ۶۰ والی بات کچھ ایسی اہم اور ناقابل تردید تھی کہ حضرت باب کے
مشہور دشمن حاجی کریم خان کرمانی مدعی رکن رابع بھی اپنی کتاب فصل الخطاب
میں اس حدیث میں وفی سنۃ الستین لکھے بغیر اور اس کا اقرار کئے بغیر
نہ رہ سکا۔

اس حدیث میں مذکورۂ بالا اقتباس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ مفضل نے

اعتراض: جب وقتِ ظہور دریافت کیا تو امام معصومؑ نے ذکر کیا کہ خدا نے
ایسا وقت کوئی مقرر نہیں کیا جو ہمارے شیعوں کو معلوم ہو سکے اس لئے امام
سنہ ۶۰ کس طرح مقرر کر سکتے تھے اور خدا کی مشیت کے خلاف وقت کس طرح
ظاہر کر سکتے تھے۔

درست ہے امام معصومؑ نے خدا کی مشیت کے خلاف کوئی وقت مقرر

جواب: نہیں کیا بلکہ صرف ایک ناقابل فہم اشارہ فرمایا اور خدا کی مشیت اپنی
جگہ بدستور باقی رہی۔

مذکورہ بالا اقتباس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ "امین آپ نے

اعتراض: (بہجت) ان کا نام و نسب و کنیت سب چیزیں بتا دی ہیں اور
کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے جد رسول اللہؐ کا ہمنام و ہم کنیت ہوگا۔

یہ جملہ تحریف کرنے والوں کا خانہ زاد ہے اس کا ثبوت معترض نے

جواب: خود اپنے رسالے کے صفحہ ۲۹ پر اس طرح پیش فرمایا ہے کہ:

" اب رہا یہ امر کہ عثمان بن سعید نے حضرت کا نام کیوں نہ بتایا تو یہ بھی آئمہ طاہرین ہی کی تعلیم کے مطابق تھا کیونکہ خود ان ہی معصومین نے اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے چنانچہ امام زین العابدین سائل کے نام پوچھنے پر فرماتے ہیں کہ " تو نے بڑی بات کا سوال کیا:

لو بنی فاطمة عرفوه حرصوا على ان يقطعوه بضعة۔   یعنی اگر خود سادات کو نام معلوم ہو جائے تو ان کی خواہش ہوگی کہ مہدی کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔

یہی حضرت دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر نام معلوم ہو جائے گا تو وہ اسے شہرت دیں گے اور اگر جگہ معلوم ہو جائے گی تو لوگوں کو بتا دیں گے۔

(بحار جلد ۱۳ باب النہی عن التسمیہ)

جواب دیکھئے کہ امام زین العابدین مہدی کا نام بتانے سے انکار کرتے ہیں اور نام پوشیدہ رکھنے کی مصلحت و عظمت کو اس قدر عظیم الشان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں کہ " تو نے بڑی بات کا سوال کیا " یعنی تمہیں ان کا نام ہرگز دریافت نہ کرنا چاہئے اس کے نام کو پوشیدہ رکھنے میں خاص مصلحت ہے اور وہ یہ کہ اگر نام اور پیدائش کی جگہ معلوم ہو گئی تو خود فاطمہ کی اولاد جو اس کے عہدہ کی منتظر ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی۔ ایسی حالت میں ان کے پوتے حضرت صادق اپنے دادا کی مخالفت کس طرح کر سکتے تھے اور مفضل کو نام اور پیدائش کی جگہ بتا کر مہدی منتظر کے ٹکڑے ٹکڑے کس طرح کرا سکتے تھے۔ یہ اس قدر کھلی بات ہے کہ ایک بے وقوف بھی سمجھ سکتا ہے آپ [illegible] اب یا تو امام زین العابدین والی روایت کو جھوٹا کہئے یا یہ بحث روایت سے ہاتھ

دھو لیجئے اور یا ہماری طرح دونوں روایتوں کو جو سنتِ الہٰی کے عین مطابق ہیں اور واقعات کا ساتھ دیتی ہیں درست اور صحیح مان کر ان لوگوں کی جان کو دعائیں دیجئے جنھوں نے مذکورۂ بالا اقتباس کے آگے ہمنام جدِّ رسول مقبولؐ کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام وہ احادیث و روایات جعلی ہیں جن میں قائم کا نام محمد یا باپ کا نام حسن عسکری یا مقام پیدائش سامرہ لکھا ہے۔ سنّتِ الہٰی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ہر قوم کے موعود کا نام پیدائش کی جگہ اور دیگر مخصوص حالات مخفی رہے ہیں اور جب تک کہ موعود ظاہر ہو کر اعلان نہیں کر دیتا مخفی ہی رہتے ہیں اگر کچھ علامات بیان بھی کئے جاتے ہیں تو نہایت احتیاط کے ساتھ اور رمز کی زبان میں بیان ہوتے ہیں تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے اور اس رمز کو وہ خود ظاہر ہو کر سمجھائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موعود قوم صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور صاحب شریعت ہر گز ہر قوم پر گراں گذرتا ہے اس لئے اگر کسی قوم کو پہلے سے یہ معلوم ہو جائے کہ موعود فلاں شخص ہے فلاں کا بیٹا ہے اور فلاں جگہ پیدا ہونے والا ہے یا پیدا ہو چکا ہے اور اس کا نام یہ ہے اور وہ ہماری شریعت کو منسوخ کرنے کے لئے آنے والا ہے تو واقعی وہ اپنے موعود کو ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہ چھوڑے۔ ہم لئے چونکہ امام فرماتے ہیں کہ اگر میں نام و مقام ظاہر کر دوں تو خود شیعہ منتظر ہونے کے باوجود اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ عین خوشی و مسرت کی بات ہے۔ پس اس روایت کا آخری جملہ محرّف ماننا ہوگا اور اگر اب بھی آپ کو اصرار ہے تو بارہ آخری

جواب ہے کہ یہ روایت حضرت امام غائب ہی کے متعلق کیوں نہ ہو مگر اس میں جو واقعہ درج ہے وہ حرف بحرف پورا ہو گیا اور حضرت باب سبقت لے گئے اگر جناب یہ جواب نادرست ہے جو آپ نے اپنے ضمیر کو گواہ کر کے لکھا ہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب منادی ندا کرے گا کہ حضرت محمد بن حسن عسکری جن کی کنیت ابوالقاسم ہے ظاہر ہو گئے ہیں تو ہم بلا پس و پیش ایمان لے آئیں گے بالفعل تو حضرت باب کا ذکر دنیا میں مسلم ہو چکا ہے اور اس واقعہ سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

وقت ظہور کے سلسلہ میں دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

عن شعیب بن ابی حمزہ قال دخلت علی ابی عبداللہ فقلت لہ انت صاحب ھذا الامر فقال لا قلت فولدک قال لا قلت فولد ولدک قال لا قلت فولد ولد ولدک قال لا قلت فمن ھو قال الذی یملأھا عدلا کما ملئت جورا لعلی فترة من الائمة یاتی کما ان رسول اللہ صلعم بعث علی فترة من الرسل۔

شعیب بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ سے کہا کیا آپ صاحب امر ہیں فرمایا نہیں میں نے کہا کیا آپ کا لڑکا ہے فرمایا نہیں میں نے کہا کیا آپ کے پوتے کا بیٹا ہے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا پھر کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص ہے جو زمین کو ظلم و جور سے بھر جانے کے بعد عدل سے بھر دے گا۔ وہ اس وقت ظاہر ہو گا جب کوئی امام نہ ہو گا جیسے کہ رسول اللہ صلعم اس وقت مبعوث ہوئے تھے جبکہ کوئی رسول موجود نہ تھا۔

(۱) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ

تک لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ قائم آل محمد کون ہے ورنہ شعیب ان سے سوال نہ کرتے کہ کیا آپ قائم آل محمد ہیں حالانکہ اسی رسالہ کے ابتدائی حصہ میں جناب شیخ الطائفہ کا یہ دعویٰ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت محمد بن حسن عسکری کی قائمیت وامامت وغیرہ کے متعلق پہلے سے بکثرت متواتر احادیث وروایات منتشر اور مشہور ہو چکی تھیں۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ قائم آل محمد کے ظہور سے پہلے دنیا میں کوئی امام موجود نہ رہنا چاہئیے۔ چنانچہ امام معصوم سلسلہ آئمہ کے ختم ہو جانے کو اس طرح واضح کرتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ کوئی رسول موجود نہ تھا۔ حضرت باب کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ دنیا میں کوئی امام موجود نہ تھا اور سلسلہ آئمہ ایک ہزار سال پہلے ٹوٹ چکا تھا یہ روایت حضرتِ امام غائب کی موجودگی کو بالکل واضح طور پر باطل کرتی ہے۔ اس روایت پر معترض صاحب کی تنقید مع جواب ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض: شعیب مجہول الحال راوی ہے جس کا کتب رجال میں پتہ نہیں ہے اس لئے وہ غیر ذمہ دار راوی ہے۔

جواب: شعیب کو مجہول الحال راوی کہنے سے نجات نہیں مل سکتی ان معلوم الحال راویوں کے متعلق کیا ارشاد ہے جن کا ذکر کتب رجال میں موجود ہے اور جنہوں نے ہر امام کے عہد میں یہی سوال کیا ہے۔

اعتراض: شعیب کے سوال سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ مسئلہ قائم پہلے سے طے شدہ نہ تھا اگر طے شدہ نہ ہوتا تو امام اپنے بیٹے اور پوتے

کے متعلق قائم ہونے کی نفی کیوں فرماتے؟

جواب: ہم نے یہ کہاں لکھا ہے کہ کتاب الہٰی رسول اللہ اور آئمہ کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ قائم کون ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ بات کتاب یا خدا کے رسول اور آئمہ کی طرف سے نہیں بتائی گئی تھی کہ قائم فلاں شخص ہے اور یہ نام ہے۔

اعتراض: اگر راوی گھبرا نہ جاتا بلکہ سلسلہ وار کچھ اور اسی طرح آگے بڑھتا تو اس روایت میں حجۃ ابن الحسن کی تعیین ہو جاتی۔ لیکن جب راوی نے پھر وہ کون ہے سوال کر دیا تو آپ نے بھی صفات قائم بیان کرنی شروع کر دیئے راوی تو گھبرا گیا نہیں گھبرایا مگر "راوی گھبرا نہ جاتا" کے الفاظ آپ کی

جواب: گھبراہٹ کی غمازی ضرور کرتے ہیں اور اگر آپ کے دل میں کوئی گھبراہٹ نہیں تو فرمائیے کہ راوی تو مجہول الحال ہے جس کا کتب رجال میں پتہ ہی نہیں تو پھر آپ نے راوی کے دل کی گھبراہٹ کی آواز ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد کیسے سن لی اور وہ ابھی تو مجہول الحال تھا ابھی معروف الحال کیسے بن گیا اور آپ روایت کو اپنے مطلب کے مطابق بنانے میں اس قدر جلد کیوں مصروف ہو گئے وہ بھی اس طرح کہ گویا آپ امام اور شعیب کے باہمی گفتگو کے وقت موجود تھے اور راوی کے چہرے کے آثار چڑھاؤ سے اس کی دل کی نبض دیکھ رہے تھے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ راوی کی گھبراہٹ کی کیا وجہ؟ خیر آگے بڑھئے: راوی اگر اور آگے بڑھتا تو حجۃ بن الحسن کی تعیین ہو جاتی: ہم کہتے ہیں کہ قائم کا نام بتانے میں کوئی نقصان نہ تھا تو امام تو عالم الغیب ہوتا ہے اور وہ آپ سے زیادہ راوی

کے دل کی گھبراہٹ کو محسوس کر رہے ہوں گے انھوں نے قبل اس کے کہ وہ پوچھے وہ کون ہے، کہتا امام فرما دیتے کہ محمد بن الحسن۔ یا امام نے اتنے سوال ہی اس کو کرنے کا موقع کیوں دیا پہلے ہی سوال پر فرما دیتے کہ میں نہیں بلکہ محمد بن الحسن۔

اعتراض: اگر طے شدہ کا مطلب آپ نے یہ سمجھا ہے کہ ہر عہد کے شیعوں کو مصداق قائم معصوم ہونا ضروری ہے تو یہ آپ کی ہٹ دھرمی ہے کسی روایت سے ایسی ضرورت ثابت نہیں ہے۔

جواب: جناب والا! ہم نے "طے شدہ" کا مطلب کچھ نہیں سمجھا جسے ہم نے مطلب سمجھا ہے جو ہمیں جناب شیخ الطائفہ نے سمجھایا ہے۔ ان کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ شیخ الطائفہ فرماتے ہیں:

"نیز فرزند امام حسن عسکری کی امامت اور صحت غیبت پر وہ مشہور معروف روایتیں دلالت کرتی ہیں جو حضرت کے آبائے طاہرین سے اس زمانے سے بہت پہلے مروی ہو کر پھیل چکی تھیں۔"

حضرت شیخ الطائفہ کی عبارت کا یہ وہ ترجمہ ہے جو خود آپ نے کیا ہے شیخ الطائفہ نے حضرت محمد بن الحسن کی امامت اور صحت غیبت کا ثبوت ہی یہ پیش کیا ہے کہ یہ بات بہت پہلے سے مروی ہو کر پھیل چکی تھی کہ قائم محمد بن حسن عسکری ہوگا۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ کسی روایت سے اس کی ضرورت ثابت نہیں ہے کہ ہر عہد کے شیعوں کو مصداق قائم معصوم ہو۔ اگر ضرورت ثابت نہیں ہے تو یہ اعتراف کیجئے کہ شیخ الطائفہ کا بیان درست نہیں ہے اور کوئی مشہور و معروف روایت ایسی نہیں ہے جو ان کی امامت کو ثابت کرتی ہو ورنہ تو مشہور و معروف

نام محمد بن الحسن عسکری مشہور کر رکھا تھا اگر شعیب کبھی امام کی زبان سے سن لیتا تو اس میں البیت نا البیت کی کیا بات ہے۔ بات بالکل سیدھی ہے زبردستی کی کھینچا تانی سے کوئی فائدہ نہیں۔

اس کے بعد معترض صاحب نے اپنے جواب کی کمزوری کو محسوس فرماتے ہوئے جناب صدوق کی پناہ لی ہے اور فترت کے متعلق اُن کی کتاب کمال کے ایک مضمون کا خلاصہ پیش کیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جناب صدوق فرماتے ہیں کہ ایک قوم فترتِ آئمہ کی قائل ہو گئی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ حجت خدا کا ہر زمانہ میں رہنا ضروری ہے"

اس کا جواب ہم نے اس رسالہ کے ابتدائی حصہ میں دیدیا ہے مگر مختصر جواب: یہاں پھر لکھتے ہیں کہ ہر زمانہ میں حجتِ خدا کے وجود کے خلاف ہم بھی نہیں ہیں مگر یہ لازمی نہیں ہے کہ حجتِ خدا منصوص من اللہ یا رسول باضابطہ طور پر وصیت کے ساتھ ہی ہو کیونکہ ہر امام حجت خدا ہوتا ہے مگر ہر حجت کا عمدہ امام ہونا لازمی نہیں ہے اگر اسی طرح کے اماموں کا وجود لازمی ہے جن کو شیعہ فرقہ منصوص من اللہ مانتا ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ حضرت مسیح اور حضرت محمدؐ کے درمیان کون کون منصوص جانشین حضرت مسیح تھے اس کا جو جواب آپ دیں وہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ اس کے جواب میں رسالہ انتظار قائم آل محمد کے مصنف محترم نے تحقیقات کے دریا بہا دئے ہیں اور تاریخی معجزات پیش فرمائے ہیں۔ اعتقاداتِ صدوق سے نقل فرماتے ہوئے یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"حضرت عبدالمطلب حجت تھے اور ابو طالب وصی تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں حضرت شریعتِ عیسوی کے پیرو اور عیسائی تھے حالانکہ یہ بات سرے سے باطل ہے ہم عبدالمطلب اور ابو طالب کے منصوص من اللہ وصی ہونے یا نہ ہونے کی تلخ بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے تھے اور اسی لئے اسی قسم کے ایک موقعہ پر ہم اپنے رسالہ کے پیشِ لفظ میں اس بحث سے دانستہ گریز کر گئے تھے مگر نقوی صاحب ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ اصل حقیقت کو واضح کریں۔ عبدمناف عبدشمس عباس عبدالمطلب ابو طالب ابو جہل ان تمام بزرگوں کے بعض ناموں ہی سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا مذہب کیا تھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک ملی جنگ میں ابو جہل نے عزت ہبل کا نعرہ لگایا تھا ان سب بزرگوں کا عبادت خانہ وہ مقدس گھر تھا جس میں ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے اور اس بُت خانہ کی تولیت اسی قبیلہ میں تھی یہ بات اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس قبیلہ کا مذہب کیا تھا۔ پس عبدالمطلب اور ابو طالب کا وصیٔ حضرت مسیح یا ان کا عیسائی ہونا تو درکنار۔ دینِ توحید پر ہونا بھی ثابت نہیں اگر کم از کم دینِ توحید ہی پر ہوتے تو حضرت رسول پر ایمان لانے میں کبھی پس و پیش نہ کرتے۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ عبدالمطلب اور ابو طالب کو حجت اور وصی تو کہہ دیا لیکن اس وقت کی آخری شریعت تو شریعتِ عیسوی تھی اس لئے ان دونوں حضرات کو قاعدہ سے عیسائی ہونا چاہیئے اور ان کا عیسائی ہونا ثابت نہیں معترض صاحب نے مجبوراً ایک اور دلچسپ تحقیق پیش فرمائی کہ "عبدالمطلب اور ابو طالب شریعتِ موسوی کے سلسلہ کے آخری وصی تھے۔ اور یہ تخیل غلط ہے کہ زمانۂ فترت میں

صرف شریعتِ عیسوی کا نفاذ تھا نہیں بلکہ ملتِ ابراہیمی بھی بمنزلہ پہلو بہ پہلو جاری تھی
چونکہ شریعتِ عیسوی سے پہلے دینِ ابراہیمی کی آخری قسط شریعتِ تورات
تھی اس لئے معترض صاحب کے الفاظ سے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ جناب
عبد المطلب و ابوطالب عیسائی نہیں بلکہ شریعتِ موسوی کے سلسلہ کے آخری
وصی اور مذہباً یہودی تھے اس سے قطع نظر کہ جناب عبدالمطلب و ابوطالب
کا یہودی ثابت کرنا قطعی ناممکن ہے فاضل معترض کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی
چاہئے تھی کہ شریعتِ عیسوی ناسخ شریعتِ تورات تھی اور توریت کے اوصیاء
کا سلسلہ حضرت یحییٰ بن زکریا سے پہلے پہلے ختم ہو چکا تھا یہ دونوں شریعتِ موسوی
کے وصیِ آخر کبھی قرار نہیں پا سکتے اور نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔ فاضل
معترض صاحب بزعمِ خویش یہ فیصلہ کرنے اور ہم پر زبردستی یہ فیصلہ مسلط کرنے
کے بعد کہ عبدالمطلب اور ابوطالب شریعتِ موسوی کے منصوص من اللہ وصی آخر
تھے اپنے [illegible] وہ ہمارے رسالہ کے محترم ناظرین کی معلومات میں ایک در قابل
تحسین و آفرین اضافہ فرماتے ہیں و ہو ہذا۔

اوصیاء حضرت مسیح کے سلسلہ میں جناب کو وقت جناب سلمان کی
طرف متوجہ کرتا ہوں جس میں حضرت مسیح کی وصایت شمعون (پطرس) سے منتقل
ہوئی چند دیگر اوصیاء سے منتقل ہوتی خود حضرت سلمان تک پہونچی اور سلمان نے
وہ وصایت بصورت ودیعت پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر کر دی۔

(بحار جلد ۶ ص ۹۸۳ و ۸۴ و ۸۵)

ہم فاضل معترض صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انصاف [illegible]

حضرت مسیح کے سلسلہ میں جناب سلمان کی طرف ہمیں متوجہ فرمایا اور تاریخ میں ایک
نئے باب کا اضافہ کیا مگر ہم معافی چاہتے ہیں۔ ہم تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم
اپنے اس فیصلہ میں ترمیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ جناب سلمان قبل از اسلام
صرف ایک زرتشتی تھے اور بس ـــــ پُرجوش تحقیق کے عالم میں فاضل معترض
نے یہاں تک پہونچنے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا کہ اوصیاء حضرت مسیح کے مسئلہ
کے سلسلہ میں ہم نے ظہور قرآن محمد کے مصنف کو چاروں شانے چت تو
کر دیا ہے مگر کیوں نہ اس کی ساری جان نکال لی جائے تاکہ ہمیشہ کے لئے قصہ
پاک ہو۔ اس لئے موصوف اس طرح آخری وار کرتے ہیں۔

"اگر آپ اوصیاء حضرت مسیح کا تا دورِ پیغمبر اسلام نام بنام ذکر سننا
چاہتے ہیں تو حضرت ختمی مرتبت سے سنئے۔ اس روایت میں امیر المومنین بوجود
مقداد و عبد الرحمن بن عوف کی موجودگی میں وصی کا سوال پیغمبر اسلام سے کیا گیا
آپ نے آدم سے تا ذیک کا سلسلہ نام بنام بیان فرمایا اور جناب عیسیٰ تک
پہونچ کر جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:

"و اوصیٰ عیسیٰ بن مریم الی شمعون بن حمون الصفا واوصیٰ
شمعون الی یحییٰ بن ذکریا واوصیٰ یحییٰ الی منذر واوصیٰ منذر
الی سلمہ واوصیٰ سلمہ الی بردہ واوصیٰ الیّ بردہ و دفعہا
الیّ علی بن ابی طالب تا آخر (بحار جلد ۹ صفحہ ۱۸۲)

اس روایت کو پڑھ کر ہمیں بے اختیار ہنسی آگئی اور جب کبھی سنائی وہ قہقہہ
بے اختیار کا منظر پیش کئے بغیر نہ رہ سکے۔ معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ کے مسخرے

راویوں نے زمانہ بھر کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی قسم کھا رکھی تھی اور تعجب تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں ایسی خرافات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اندھی تقلید کی اس سے بڑھکر روشن مثال اور کیا ہوگی کہ فاضل معترض نے بالکل غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ اس میں کیا بیان کیا گیا ہے اس روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"عیسیٰ بن مریم نے شمعون کو اپنا وصی بنایا شمعون نے یحییٰ بن ذکریا کو اپنا وصی بنایا۔ یحییٰ بن ذکریا نے منذر کو اور منذر نے سلمہ کو وصی بنایا سلمہ نے بردہ کو بنایا اور بردہ نے وصیت میرے لئے کی اور میں اے علی تمہیں اپنا وصی بناؤں گا"

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت یحییٰ بن ذکریا نے حضرت مسیح کے ظہور کی بشارت دی اور حضرت مسیح کی زندگی میں شہید ہو کر عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی بشارت کے مطابق حضرت مسیح نے خدا کی بادشاہت یعنی اپنے ظہور کا اعلان کیا اور تین سال تک تبلیغ کرنے کے بعد بصورت صلیب وفات پائی اور اپنا جانشین شمعون یعنی پطرس کو مقرر کیا۔ اب پطرس کی وفات کا وقت آیا تو پطرس کا جانشین بننے کے لئے حضرت یحییٰ بن ذکریا کہاں سے آگئے جبکہ وہ مسیح سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے۔ پس روایت کا جعلی ہونا آشکار ہے۔ مگر فاضل معترض اس روایت میں یحییٰ بن ذکریا کے معاملہ کو نظر انداز کر کے اس فکر میں پڑ گئے کہ روایت تو لکھ ماری اگر یہ اعتراض ہوا کہ پہلے تو بحار جلد ششم کی روایت کے مطابق جناب سلمان کو حضرت مسیح کا وصی آخر بتاتے اور اس روایت نے سلمان کے بجائے

وصایت کی پگڑی اتار کر بردہ کے سر پر رکھ دی اس کا کیا علاج ہے بجائے اس کے کہ وہ دونوں روایتوں کو راویوں کے منہ پر دے مارتے انھوں نے حسب عادت دونوں روایتوں کو صحیح کرنے کی ٹھان لی اور اس اعتراض کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ سلمان ایران کے لئے تھے اور بردہ عرب کیلئے۔ یہ فرماکر دل میں یہ معقول شبہ پیدا ہوا کہ یہ دو دو وصی یک وقت کیسے ٹپک پڑے اور جب کچھ جواب بن نہ پڑا تو بے لبی عالم میں فرماتے ہیں کہ اس تعدد کی وجہ خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر دونوں کا وصی ہونا بہر حال ثابت ہے۔ فاضل معترض جب اس منزل پر پہونچے تو ان کو خیال آیا کہ حریف کی جان تو نکال لی لیکن روح تو خبیث ہے ایسا نہ ہو کہ پھر واپس آجائے اور پیچھے بھاگے اس لئے کیوں نہ قبر میں اُتار کر دم لیا جائے۔ اس لئے حسب ذیل

روایت زیب رقم فرماتے ہیں:۔

اگر اب بھی کچھ شک ہو تو دوسرا ثبوت بحار جلد نہم ص۲۳-۲۱۴ دیکھئے جس میں ابلیس کا پڑپوتا سرورِ عالم سے تمام واقعات کو بتاتے ہوئے انبیاء کے اوصیاء کو تفصیلاً بیان کر رہا ہے۔

کیا کہنا بحار کی اس روایت کا تعریف نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم فاضل معترض کی خدمت میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت محمد بن حسن عسکری علیہ السلام کے وجود کے متعلق ہمارے کرم اپنی طرف سے ابلیس کے پڑپوتے کو تو بطور گواہ پیش نہ کیجئے جبکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابلیس کے پڑپوتے طیہ معن کے بیان کا کیا اعتبار۔ جعلی راویوں کے بیانات پر ایمان رکھتے لاتے

اعداء اللہ ویعز بک اولیاء اللہ ویظہر بک دین اللہ فقال یا حکم کیف اکون انا وقد بلغت خمساً واربعین سنۃ وان صاحب الامر اقرب عہداً باللبن منی واخف علی ظہر الدابۃ۔	دوستانِ خدا آپ کی وجہ سے عزت پائیں گے اور آپ کے ذریعے سے دینِ خدا ظاہر ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اے حکم وہ میں کس طرح ہو سکتا ہوں جبکہ میری عمر ۴۵ سال سے متجاوز ہو چکی ہے حالانکہ صاحب الامر کا زمانہ شیرخوارگی کے زمانہ سے زیادہ قریب ہوگا اور گھوڑے کی سواری پر زیادہ چست ہوگا۔

(بحار الانوار ص ۳۵ و کافی)

(۱) اس حدیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ قائم آلِ محمد کی عمر بوقتِ ظہور ۴۵ سال سے کم ہوگی۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ قائم صاحبِ شریعت ہوگا کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو راوی یہ نہ سوال کرتا کہ کیا آپ ہی ہیں وہ جن کے ذریعے دینِ الٰہی ظاہر ہوگا اگر اس سے شریعتِ اسلام مراد ہوتی تو وہ تو ظاہر تھی معلوم ہوا کہ دینِ الٰہی سے ایسا دین مراد ہے جو بوقتِ سوال ظاہر نہ تھا اور وہ دینِ جدید ہی ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث بھی صرف حضرت باب کے ظہور پر مکمل طریقے سے صادق آتی ہے نہ کہ پسرِ امام حسن عسکری پر۔

(۳) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ انہ قال لو خرج القائم لقد انکرہ الناس یرجع الیہم شاباً موفقاً فلا یلبث علیہ الا کل	حضرت صادقؑ نے ابو بصیر سے فرمایا۔ جب قائم آلِ محمد کا ظہور ہوگا تو لوگ ان کا سخت انکار کریں گے کہ وہ نوجوان ہوں گے اور ان پر وہی مومن ایمان لائیں گے جن

یہ شیعہ مسلّمہ ہے کہ حضرت محمد بن حسن عسکری کی عمر اس وقت ایک ہزار
سال سے زائد ہے لیکن احادیث و روایات میں یہ نہیں پایا جاتا کہ قائم آلِ محمد
بوقت ظہور بڑھے ہوں گے بلکہ یہ پایا جاتا ہے کہ وہ نوجوان ہوں گے اور چالیس سال
سے بھی کم ہوں گے مگر خوش فکر اور عقیدت مند لوگ ان احادیث کی یہ تاویل کرتے
ہیں کہ وہ بطور اعجاز نوجوان معلوم ہوگا لیکن یہ تاویل ظاہر ہے کہ بے معنی ہے کیونکہ
اگر ان کی عمر ہزار سال سے زائد اور صورت جوان ہوگی تو یہ [illegible] ہے
بفرمودۂ امام کے مطابق سب سے بڑی مصیبت کیوں ہوگی مصیبت تو یہی ذلت
ہوگی کہ انتظار تو کچھ ہو اور واقعہ کچھ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام احادیث
ظہور حضرت باب پر بغیر تاویل منطبق ہوتی ہیں جن کی عمر ۲۴ سال سے زیادہ اور
۲۵ سال سے کم تھی۔ (بیان فارسی واحد ۲ باب ۱)

حدیث مذکورہ نے موجودہ شیعہ عقیدہ کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ تاریخ
کے صفحات پر ایک نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہی دن حضرت باب کے دعویٰ کے
وقت سب سے بڑی مصیبت پیش آرہی تھی کہ شیعہ صاحبان جو ہزار سالہ بوڑھے
ہزار سال کا انتظار کر رہے تھے اور اسی لئے ان کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ
یہ تو نوجوان ہے۔ مگر دوسری طرف ان احادیث کو سُن کر جن کے وجود کا وہم و
گمان بھی نہ تھا تمام اطراف سے مسلمان ایک لڑکے کی بیعت کرتے ہوئے جوق در جوق
آرہے تھے اور یہ منظر دیکھ کر صاحبان شوکت و قوت علماء و مقتدرین سلطنت
مقام مخالفت پر ڈٹ رہے تھے اگر ایک طرف وہ سعید روحیں جن سے خدا نے ازل
میں عہد لیا تھا حضرت باب پر ایمان لا رہی تھیں تو دوسری طرف علمائے زمان

بھی یہ معلوم نہ تھا کہ قائم آل محمد کون ہے حالانکہ مشہور شیعہ عالم شیخ الطائفہ کا دعویٰ تھا جیسا کہ آپ ابتدائی صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ پسر امام حسن عسکری کی ولادت سے بہت پہلے آئمہ طاہرین کی متواتر پیشگوئیاں شائع اور منتشر ہو چکی تھیں کہ قائم آل محمد امام حسن عسکری کا بیٹا ہو گا لیکن یہ روایت اس دعویٰ کی تردید کرتی ہے امام فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس کی ولادت کا علم ہی نہ ہو گا نہ کوئی اس کے جسم کو دیکھ سکے گا اور نہ قبل از ظہور اس کا نام کوئی شخص بتا سکے گا۔ لیکن شیعہ دعویٰ یہ ہے کہ ان کی ولادت کو بھی دیکھا گیا ان کا جسم بھی مخفی نہیں رہا ان کا نام بھی معلوم ہے۔ اس کے برعکس یہ حدیث حضرت باب پر کس خوبی سے صادق آتی ہے۔ ظہور سے پہلے کوئی شخص یہ نہ جان سکا کہ حضرت باب کس شخص کے بیٹے ہیں نہ آپ کی ولادت کا حال معلوم ہو سکا نہ محل ولادت کا علم ہوا نہ آپ کا نام کوئی جانتا تھا اور نہ بات معلوم تھی کہ آپ ہی قائم آل محمد ہیں۔ حدیث بالکل درست اور مدعا کے مطابق ہے قائم آل محمد ہی سے یہ بات مخصوص نہیں ہے یہ خدا کی سنت ہے کہ پیغمبر موعود کی پیدائش اور اس کے محل ولادت۔ نام اور شخصیت کی اطلاع اس کے ظہور سے پہلے ہرگز نہیں ہوا کرتی اور یہ آزمائش کا بہترین طریقہ ہے۔

مظلومیت قائم: یہ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ قائم آل محمد ظاہر ہو کر تمام اہل کفر و انکار کو بزورِ شمشیر قتل کر دے گا اور ان کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کر کے شریعتِ اسلام کو جاری کرے گا اور پھر عدل و انصاف، امن و امان اور صلح اسلام کی ایک نئی دنیا بسا کر شیعوں کو خلافتِ ارضی کا

ثابت ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر خلافِ عقل و نقل ہے۔

(۱) ایک طرف بزورِ شمشیر اسلام کی اشاعت اور دوسری طرف عدل و انصاف یہ دو متضاد دعوے ہیں۔

(۲) یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک شخص مع اپنی مختصر فوج کے تمام دنیا کو اپنی تلوار سے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے خصوصاً اس ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے زمانہ میں بیچاری تلوار کیا کرے گی۔

(۳) ایسا اسلام جو بزورِ شمشیر اور زبردستی پھیلایا جائے ہرگز اسلام کہلانے کا مستحق نہیں اور جبریہ اسلام پھیلانے والا کسی تعریف اور فخر یا فضیلت کا حقدار نہیں۔

(۴) یہ دعویٰ خود قرآن مجید کے خلاف ہے لا اکراہ فی الدین دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہو سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مقدس کتابوں میں یا صحفِ الٰہیہ کے بیانات میں جہاں خدا کے پیغمبروں کے متعلق غلبہ و سلطنت کی پیشگوئی کی گئی ہے اس سے ظاہری و دنیاوی غلبہ و سلطنت مراد نہیں ہے بلکہ یہ سلطنت اور غلبہ روحانی ہے جو دنیاوی غلبہ و سلطنت سے کہیں بڑھکر ہے اور یہی وہ غلبہ ہے جس کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیے آج حضرت موسیٰ و عیسیٰ و نوح و ابراہیم و حضرت محمد ﷺ دنیا میں موجود نہیں لیکن دنیا نہایت سچائی کے ساتھ ان کا نام لیتی ہے ان کے احکام کے سامنے سر جھکاتی ہے۔ وہ کانٹوں کا تاج جو دشمنوں نے مسیح کے سر پر رکھکر ان کو صلیب پر چڑھایا تھا آج شاہانِ عالم

اُسی نمونہ کا طلائی اور مرصّع تاج اپنے سر پر رکھنا باعثِ فخر سمجھتے
ہیں۔ اپنی ذلتوں اور اپنی جانوں کو قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں مگر
ان مقدس ہستیوں کی توہین برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ اصلی اور
حقیقی سلطنت اور لافانی غلبہ یہی ہے جو خدا فرماتا ہے کہ:

اِنَّ جُنْدَنَا لَغٰلِبُوْن۔ بے شک ہمارے ہی لشکر غالب رہتے ہیں۔

حالانکہ اگر غلبہ سے مراد غلبہ ظاہری ہو تو خدا کے پیغمبر اور خدا پر ایمان لانے
والے ہمیشہ ناقابلِ برداشت ظلم و ستم اٹھاتے رہے۔ ذلیل و حقیر رہے
امام حسین کا واقعہ ملاحظہ ہو۔ اس سے زیادہ ذلت و حقارت و شکست
کیا ہو سکتی ہے لیکن آپ مانتے ہیں کہ حسین نے شکست نہیں کھائی بلکہ یزید کو
شکست ہوئی اس لئے کہ حسین نے روحانی فتح حاصل کی۔ بس اصلی فتح اور
حقیقی سلطنت یہی ہے جس کا وعدہ تمام مظاہرِ مقدسہ الٰہیہ سے کیا گیا ہے
تاکہ آلِ محمد کی سلطنت اور غلبہ سے بھی روحانی سلطنت اور غلبۂ دینی مراد
ہے اور آج حضرت بہاء اللہ کی روحانی غلبہ و سلطنت کا انکار صرف وہی شخص
کر سکتا ہے جس نے دانستہ اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہوں۔

جہاں تک ظاہری غلبہ کا تعلق ہے اسلامی احادیث سے ایسا غلبہ
ثابت نہیں ہوتا بلکہ تمام آلِ محمد کی انتہائی مظلومیت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) عن ابان بن تغلب قال سمعت — یعنی ابان بن تغلب سے منقول ہے
ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول اذا — صادق نے فرمایا کہ جب علمِ حق
ظہرت رایۃ الحق لعنہا اہل المشرق — بلند ہوگا تو مشرق و مغرب والے

آپ اس رسالہ میں دیکھتے ہیں حضرت باب کی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی
اس غلط فہمی کو آپ دور کرلیں۔ احادیث و روایات کا تو ذکر کیا ہے حضرت
باب۔ حضرت بہآء اللہ کی صداقت قرآن مجید تک کی محتاج نہیں اور نہ
کوئی صاحب کتاب و شریعت کسی کتاب قبل کا محتاج ہوتا ہے اس کے
برخلاف تمام گذشتہ احادیث و روایات اور آسمانی کتابیں اپنی صداقت
ثابت کرنے کے لئے آنے والے صاحب کتاب کی محتاج ہوتی ہیں یہ تمام
احادیث و روایات آپ ہی کی ہیں اور صرف آپ ہی کے فائدہ کے لئے
پیش کی جارہی ہیں اور بس۔

(۳) معاویہ بن وھب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صادق نے فرمایا کہ تجھے معلوم
ہے کہ زوراء کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ بغداد کو کہتے ہیں آپ نے
فرمایا کہ نہیں اس کے بعد فرمایا کہ کیا تو کبھی شہر رے میں گیا ہے (تہران ہے) میں نے
عرض کیا ہاں آپ نے پوچھا کہ کیا تو نے سوق الدواب بازار حیوانات دیکھا ہے
کیا تو نے سڑک کے کنارے دائیں ہاتھ کو سیاہ پہاڑ دیکھا ہے یہی زوراء ہے
جہاں کسی کے ۱۸۰ اصحاب قتل کئے جائیں گے اور جو سب خلافت کے لائق ہوں گے
میں نے عرض کیا کہ ان کو کون قتل کرے گا فرمایا اولادِ عجم۔ (کافی)

(۴) جس وقت قائم کا ظہور ہوگا تو وہی لوگ جن کی اطاعت سے خارج
ہو جائیں گے جن کا عقیدہ یہ ہوگا کہ قائم ہی مردین کے لائق ہے اور ستارہ
پرست ایمان لے آئیں گے۔ بحار صفحہ ۲۳۲

نوفل معترض ہم سے ثبوت مانگتے ہیں کہ حضرت باب پکے ستارہ پرست

یہاں سے آپ گذرتے ہوئے دہلی، بمبئی، پٹنہ، احمد آباد، کراچی کے
مقامات پر تشریف لے جائیں گے مسافر کرتے کرتے تھک جائے گا۔

(۳) عن فضیل بن یسار قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول ان قائمنا اذا قام استقبل من جھلۃ الناس اشد مما استقبلہ رسول اللہ من جھال الجاھلیۃ فقلت کیف ذلک قال ان رسول اللہ اتی الناس وھم یعبدون الحجارۃ والصخور والعیدان والخشب المنحوتۃ وان قائمنا اذا قام اتی الناس وکلھم یتأول علیہ کتاب اللہ ویحتج علیہ بہ ثم قال اما واللہ لیدخلن علیھم عدلہ جوف بیوتھم کما یدخل الحر والقر۔

فضیل بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت صادق نے فرمایا کہ جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو لوگ ان کو اس قدر اذیت دیں گے کہ جناب نبی صلعم کو بھی اذیت نہ دی گئی ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہ کیونکر ہوگا فرمایا کہ جب رسول خدا لوگوں کے پاس آئے تھے تو وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے مگر جب قائم آئیں گے تو لوگ کتاب خدا کی تاویلیں ان کے خلاف کریں گے اور اپنی تاویلات کو حجت بنا کر ان کے ساتھ جھگڑا کریں گے مگر خدا کی قسم ان کا عدل ان کے گھروں میں سردی اور گرمی کی طرح داخل ہو جائے گا۔

یعنی ان کے مخالف علما ہوں گے اور یہ بات ظاہر ہے کہ علماء کی مخالفت اور شقاوتِ قلب عام لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور

یہی علما ہیں جو ہر زمانہ میں عوام کو مظاہر الہیہ کے خلاف بھڑکاتے رہے ہیں
حضرت باب کے عہد میں یہ حدیث بھی بالکل واقعہ بن گئی سب سے پہلے ان
کے مقابلہ کے لئے علما اُٹھے اور کتاب الہی کو [illegible]
بنا کر ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ یہ شخص قائم آل محمد
کیونکر ہو سکتا ہے جس کے پاس نہ مال ہے نہ دولت سلطنت ہے نہ
رفاقت ہے نہ قوت بادشاہت نہ حشم اور نہ یہ حسن عسکری کا بیٹا ہے ان
کتابوں سے وہ عوام کو اپنے خود ساختہ عقیدہ کی تعلیم دے رہے تھے ان
کتابوں کے مذکورہ بالا نیز بیانات جن کو ہم نے اوپر درج کیا ہے اس
بات کا انتظار کر رہے تھے کہ علماء اور ان کے مقلدین اپنے ہاتھوں کو قائم
اور ان کے اصحاب با وفا کے خون سے رنگین کریں۔

"این کار از تو آید و مردان چنین کنند"

تبریز میں بابی شہدا کے سر تختہ بچھ گئے مازندران تبریز خراسان اور دوسرے
شہروں میں بابی شہیدوں کے جسموں کو ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا
ایران کی سرزمین ان کے خون سے لالہ رنگ ہو گئی ان کے اہل و عیال کی
آہ و بکا کی آوازیں ہر طرف سے بلند تھیں یہ شروع اس قوم کے ہاتھوں
ہوا جو حضرت حسین بن علی اور ان کے اصحاب کی شہادت اور یزیدی مظالم پر
شب و روز ماتم کرتی اور اپنی مظلومیت کا اعلان کرتی رہتی ہے یہ مظالم ایک عرصہ
سے ایران میں مسلسل جاری رہے اور اس عرصہ میں ۲۰ ہزار سے زائد بابی اور بہائی
قتل کئے جا چکے ہیں حتیٰ کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں بھی مظالم

دجّال کی آمد: قائم آل محمد کے ظہور کے سلسلہ میں دجّال اور اس کے گدھے کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اس معاملہ میں بھی لوگوں نے افسانہ تراشی کی حد کر دی ہے حالانکہ بات بالکل سادہ ہے دجّال دجل سے مشتق ہے اور دجل کہتے ہیں جھگڑے اور فساد یا مکر و فریب کو پس دجّال کے معنی ہوئے فسادی اور مکار آدمی حدیث مشہور "العلماء السوء دجاجلة القوم" یعنی علمائے سوء قوم کے دجّال ہوتے ہیں۔ مسئلہ دجّال کی صحیح ترین تفسیر یہ ہے ہر زمانہ میں علماء سوء ہی نے خدا کے مقدس پیغمبروں کا مقابلہ کیا ہے اور اپنی قوم کو حق پر ایمان لانے سے روکتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کو دجّال کہا گیا ہے اور ان کے مقلدین کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ علماء سوء اپنے مقلدین کے اوپر ہر وقت سوار رہتے اور ان کو جس طرف ان کا دل چاہتا ہے ہانکتے رہتے ہیں اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ دجّال اور اس کے گدھے کی آمد کی پیشگوئی کس خوبی سے حضرت باب کے عہد میں پوری ہوئی اور یہ فیصلہ بھی اب آپ کے ہاتھ میں ہے کہ دجّال اور اس کے گدھے کے متعلق جو تفسیر ہم نے پیش کی ہے وہ قرین عقل ہے یا وہ جو عام طور پر مشہور ہے۔

مدت ظہور قائم: قال رسول اللہ صلعم یخرج رجل من اهل بیتی و یعمل بسنتی و ینزل اللہ البرکة من السماء و تخرج الارض برکتها و یملاء الارض عدلا کما ملئت

یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا اور وہ میری سنت پر عمل کرے گا آسمان سے برکت نازل ہوگی اور زمین اپنی برکتیں ظاہر کرے گی وہ زمین کو عدل سے

ظلماً وجوراً ثم یعیش علی هذه الامة سبع سنین وینزل بیت المقدس۔ (بحار الانوار ص ۲۰)

بھر دے گا جبکہ وہ ظلم سے بھر گئی ہوگی اور وہ اس امت پر سات سال حکمرانی کرے گا اور بیت المقدس میں آئے گا۔

حضرت باب ۷ سال اپنے دعویٰ کے بعد زندہ رہ کر اپنی امت پر حکمران رہے اور بیت المقدس میں کوہ کرمل پر دفن کئے گئے جہاں آپ کا خوبصورت روضہ زیارت گاہ عالم ہے۔

شہادت قائم آل محمد

عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ قال قال ابی عبد اللہ لابد لنا من آذربایجان لا یقوم لہ شیء واذا کان ذلک فکونوا احلاس بیوتکم والبدوا ما لبدنا فاذا تحرک متحرک فاسعوا الیہ ولو حبواً واللہ لکانی انظر الیہ بین الرکن والمقام یبایع الناس علی کتاب جدید علی العرب شدید وقال ویل لطغاة العرب من شر قد اقترب (بحار الانوار ص ۲۰)

حضرت صادق نے ابو بصیر سے فرمایا کہ ہمارے لئے آذربائیجان کے مقام پر ایک واقعہ کا پیش آنا ضروری ہے جس کو واقع ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی جب یہ واقعہ پیش آجائے تو تم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ ہم بیٹھے رہیں اس کے بعد جب کوئی حرکت میں آنے والا حرکت میں آئے تو تم اس کی طرف دوڑو۔ خدا کی قسم گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ رکن و مقام کے درمیان لوگوں سے جدید کتاب پر بیعت لے رہا ہے جو عرب کو گراں گذرے گی تب ہے افسوس ہے عرب کے سرکشوں پر اس شر کے بارے میں جو نزدیک ہے یعنی کتاب جدید پیدا ہونے پر افسوس ہے۔

اس حدیث کے مطابق حضرت باب نے کتاب جدید کے نزول اور

حج اکبر کے موقعہ پر اپنے ظہور کا اعلان کیا اور ایک تبلیغی رسالہ ارسالیہ حرمین
کے نام سے شریف مکہ کے پاس بھیجا - یہ رسالہ آپ کے شاگرد ایک مقتدر ملا
محمد علی قدوس نے شریف مکہ کی خدمت میں پیش کیا وہاں سے واپس آکر
ایران میں اپنی ماموریت میں مشغول ہو گئے اور ۷ سال تک مختلف قید خانوں
میں قید و بند کی سختیاں اور تازیانوں کی سزائیں برداشت کیں۔ آذربائیجان
کے مشہور شہر تبریز میں لائے گئے جہاں حکومت ایران نے تبریز کے تین بڑے
علماء سے آپ کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا اور اس میدان میں جو میدان
صاحب الزمان کے نام سے مشہور تھا آپ کو مع آپ کے ایک جاں نثار ساتھی کے
جس کا نام محمد علی تھا اور جس نے آپ کے ساتھ شہید ہونے کی آپ سے درخواست
کی تھی۔ رسیوں سے باندھ کر لٹکا دیا اس طرح کہ محمد علی کا سر آپ کے سینہ پر
تھا۔ ایک عیسائی رجمنٹ بلائی گئی جو ۷۵۰ سپاہیوں پر مشتمل تھی اس فوج کے
کرنل سام خان نے فوج کو فائر کا حکم دیا۔ بندوقیں داغی گئیں ۷۵۰ گولیوں کی
باڑھ ماری گئی اور دھوئیں سے فضا تاریک ہو گئی۔ جب فضا دھوئیں سے صاف
ہوئی تو لاکھوں انسانوں نے جو دور دور تک مکانوں کی چھتوں پر درختوں پر
ہوئے تھے اس خونچکاں نظارہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے دفعتہ
یہ دیکھا کہ حضرت باب مع اپنے ساتھی کے موقعہ پر موجود نہیں ہیں رسیاں
جلی پڑی ہیں۔ ہر طرف حیرت و تعجب۔ ایک سناٹے کا سا عالم طاری تھا
تفتیش شروع ہوئی تو آپ کو اسی کمرہ میں جہاں سے نکال کر آپ کو قتل کرنے
کے لئے لایا گیا تھا۔ اپنے کاتب سید حسین یزدی سے گفتگو کرتے ہوئے پایا۔

قد خرج في اصحابه حتى لا يشك فيه	آمدِ حسین کی خبر دے گا جو مومنوں
المؤمنون وانه ليس بدجال ولا	کے درمیان موجود ہوگی۔ ان کے حق
شيطان الامام الذي بين اظهر الناس	مومن شک نہ کریں گے اور یقین کریں گے
يومئذ فاذا استقر عند المؤمن	کہ وہ دجال یا شیطان نہیں ہیں جب مومن کے نزدیک
انه الحسين لا يشكون فيه وبلغ	یہ بات راسخ ہو جائے گی تو وہ شک نہ کریں گے
من الحسين الحجة القائم بين	اور حسین کی طرف سے اس امر کا ابلاغ ہوگا کہ
اظهر الناس وصدقه المؤمنون بذلك	حضرت حجت لوگوں کے درمیان موجود ہیں اور
جاء الحجة الموت فيكون الذي يلي	لوگ ان کی تصدیق کریں گے اس کے بعد حجت کو
غسله وكفنه وحنوطه وايلاجه	موت آ جائے گی اور ان کے غسل و کفن حنوط و
حفرته الحسين (بحار الانوار صفحہ ۲۰)	دفن کے ذمہ دار حسین ہوں گے۔

حدیث مذکور کو پڑھنے کے بعد آپ یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر حضرت باب فی الحقیقت قائم آل محمد ہیں تو ان کے ظہور کے وقت امام حسین اپنے بہتر شہیدوں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئے۔

جواب: آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ قیامت کا مسئلہ متشابہ تھا اور ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا تھا جو تاویل طلب تھے اور ان کے مفہوم سے خدا کے سوا کوئی واقف نہ تھا۔ قیامت کی طرح مسئلہ رجعت بھی متشابہ ہے جس کی تاویل سے خدا اور راسخین فی العلم کے سوا کوئی واقف نہیں تھا اس لئے قیامت اور رجعت کے متعلق حضرت آئمہ طاہرین نے جتنے سوالات کا جواب دیا ہے وہ بھی متشابہ الفاظ میں دیا ہے تاکہ سائل مطمئن بھی ہو جائے اور وقت سے پہلے راز

منکشف کبھی نہ ہوئے پس ان متشابہ بیانات میں سے ایک یہ حدیث بھی
ہے جس میں ظہور حسینی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ حدیث کا ابتدائی حصہ
متشابہ ہے اس لئے اس حدیث پر مفصل بحث ہم اس باب میں کریں گے
جہاں مسئلہ رجعت پر مستقل بحث کی جائیگی لیکن حدیث سے اتنی بات تو ظاہر
بظاہر سمجھ میں آسکتی ہے کہ قائم آل محمد کے ذمہ یہ بات ہے کہ وہ حسین کے ظہور
کی شناخت لوگوں کو کرائیں اور حسین یہ ثابت کریں کہ قائم آل محمد موجود ہیں
اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ دونوں ہستیوں کے ظہور کا یقین کرلیں گے اور
یہ کام ختم ہونے کے بعد قائم کی وفات ہوگی اور ان کی تجہیز وتکفین
اور تدفین حسین کے ذمہ ہوگی۔ اب اس حدیث پر غور فرمائیے۔

میں اس وقت ان لوگوں سے مخاطب نہیں ہوں جو برخلاف عقل باتوں پر
ایمان رکھنے کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں بلکہ ان صاحبان عقل کی خدمت میں گذارش
کرتا ہوں جو تحقیق کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے کہ ہر وہ شخص خواہ وہ عام آدمی ہو
یا نبی و رسول یا امام ہو جو ایک مرتبہ اس دنیا کو چھوڑ کر حیات جاوید حاصل کر چکا
ہے وہ دوبارہ اس دنیا میں موت کی شراب کا تلخ ساغر پینے کے لئے ہرگز نہیں
آئے گا ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے اس لئے خدا کی مقدس کتابوں میں یا انبیا
رسالت وامامت میں جس ہستی کی دوبارہ آمد کو بیان کیا گیا ہے اس سے یہ مراد
نہیں ہے کہ بعینہ وہی شخص دوبارہ زندہ ہو جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک
دوسرا شخص ظاہر ہوگا جس کی شخصیت اس پہلے شخص کے مشابہ ہوگی اور جو

واقعات اس کے ساتھ پیش آچکے ہیں وہی اس نئے شخص کے ساتھ پیش آئیں گے
اس حدیث میں حسین اور ان کے اصحاب کی دوبارہ آمد سے مراد ایک
دوسرے حسین اور اس کے اصحاب کا ظہور مراد ہے۔

حضرت باب نے اسی حسین کی بشارت دی اپنا مقصد بتایا ہے کتاب بیان
میں اسی حسین کی شناخت اور صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت باب
کے مومنین نے حضرت باب کی ہدایات کے مطابق پتہ کر لیا کہ وہ حسین
حضرت حسین علی بہاء اللہ ہیں اور اسی طرح حضرت بہاء اللہ نے اعلان [illegible]
حضرت باب کی تبلیغ کی اور ثابت کیا کہ آپ ہی تو قائم [illegible] ہیں اور [illegible]
ہو جانے کے بعد حضرت باب نے شہادت پائی اور حضرت [illegible] بہاء اللہ [illegible]
اپنے ظہور کے بعد جب کہ وہ اپنے ۷۲ ساتھیوں سمیت جلاوطن کر کے فلسطین
پہنچائے گئے۔ حضرت باب کی نعش مبارک کو ارض مقدس لے جانے اور کوہ کرمل
پر دفن کرنے کا حکم دیا اور ایسا ہی ہوا پس پیشگوئی کامل طور پر پوری ہو گئی۔

حضرت علی محمد باب کی مذکورہ بالا ارشادات جس کو ہم نے آپ کی خدمت
میں پیش کیا۔ بابیوں اور بہائیوں نے تصنیف نہیں کی بلکہ یہ بجنسہ قرآن
اور بیانات آئمہ طاہرین میں موجود ہے جو خاص بابی مذہب اور حضرت باب
پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ یقین کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اور دنیا سے شیعہ قسم کے اسلام کا اقرار جبراً اور زبردستی حاصل کریں گے مگر یہ عقیدہ کبھی واقعیت اور اصلیت سے بالکل خلاف ہے عقل اور نقل کو اس عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس شیعہ عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ حضرت پیغمبر اسلام آخری پیغمبر ہیں اور قرآن مجید کتاب شریعت کا بالکل آخری درس ہے آپ کے بعد نہ کوئی پیغمبر ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہو سکتا ہے نہ شریعت قرآن کے بعد کوئی دوسری شریعت آسکتی ہے اس لئے حضرت امام غائب بعد از ظہور احکام قرآن کو نافذ فرمائیں گے۔ "ہمارا پیغمبر اور ہماری شریعت آخری ہے" اس عقیدہ میں شیعہ حضرات کے ہمنوا باقی تمام مسلمان بھی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر قوم اس خطرناک عقیدہ میں مبتلا ہے اور ہر بعد میں آنے والی قوم نے گذشتہ امت سے وراثتاً یہ عقیدہ پایا ہے اس لئے مسلمانوں نے بھی یہ عقیدہ ورثہ میں پایا ہے تھوڑی سی تحقیق یہ بات ثابت کردے گی کہ یہ عقیدہ قرآن کا عقیدہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ان قوموں اور امتوں کا خود ساختہ عقیدہ ہے جو ہمیشہ خدا کے مقدس پیغمبروں اور ان کی مقدس کتابوں کا انکار کرنے کے لئے اس عقیدہ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں اور اسی عقیدہ کی بدولت تمام انبیاء و رسل کو نہایت ہولناک اور خطرناک منزلوں سے گذرنا پڑا ہے اور اپنی قیمتی جانوں کی قربانی دینی پڑی ہے۔

حضرت یوسف نے جب اپنے وطن کنعان سے اپنے بھائیوں یعنی اپنی قوم کی بے وفائی اور انکار شریعت سے تنگ آکر مصر کی طرف ایک صاحب شریعت

شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مرگیا اور تم کہنے لگے کہ اب
خدا اس کے بعد کسی رسول کو مبعوث نہ کرے گا اسی طرح تو
خدا حد سے زیادہ بڑھ جانے والوں اور شک کرنے والوں
کو گمراہ کیا کرتا ہے۔"

ملاحظہ فرمائیے کہ فرعون اور فرعون والے اگر شریعت یوسف کے تابع تھے
تو پھر مومن آلِ فرعون نے یہ کیوں کہا کہ تمہارے پاس جب یوسف آئے تھے تو
تم نے اس کی شریعت کا بھی انکار کر دیا اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ
اس کے مر جانے کے بعد یہ کہنے لگے کہ یوسف خاتم النبیین و خاتم المرسلین
ہیں ان کے بعد کوئی رسول نہ آئے گا۔ معلوم ہوا کہ یوسف صاحب شریعت
تھے اور موسیٰ ناسخ شریعتِ یوسف تھے۔ اپنی شریعت کی تنسیخ فرعون اور
قوم فرعون کو گوارا نہ تھی اس لئے حضرت موسیٰ کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے
اور ان کا انکار کر دیا مگر خدا اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنے والے کہ
ہمارے پیغمبر کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا حد سے بڑھ جانے والے شکی اور گمراہ
ہیں۔ معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ گمراہ کن ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام کے
بعد خدا کسی پیغمبر کو مبعوث نہ کرے گا اور یہ عقیدہ ہمیشہ گمراہ لوگوں کا رہا ہے۔

حضرت موسیٰ کے بعد جب حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا اور انہوں نے
شریعت توریت کو منسوخ فرمایا تو یہودیوں نے حضرت مسیح کا انکار کیا اور کہا کہ
ہم ناسخ توریت کے منتظر نہیں بلکہ اس مسیح کے منتظر ہیں جو قوانین شریعت توریت
کو رائج کرے کیونکہ حضرت موسیٰ خاتم المرسلین اور شریعت توریت آخری شریعت

اس طرح یہودی قوم خدا کے ایک صاحب عزم رسول یعنی مسیح پر ایمان لانے سے
محروم رہ گئی اور ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گئی۔

جس وقت حضرت پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا تو یہودیوں نے پھر وہی بات
کہدی کہ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ - اللہ کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ یعنی خدا اب کسی
پیغمبر کو مبعوث نہیں کر سکتا اور کوئی شریعت توریت کے مقابلہ میں نازل نہیں کر سکتا
اور خدا نے جواب میں فرمایا کہ:

غُلَّتْ اَیْدِیْہِمْ بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ — یعنی کہنے والوں کے ہاتھ بندھ جائیں اللہ کے
یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ۔ — تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے عطا
کرتا ہے۔

یہودیوں نے ایک مرتبہ پھر نافرمانی کی۔ اور حضرت پیغمبر اسلام کا بھی انکار
کر دیا۔ دوسری طرف عیسائیوں کو دعوت اسلام دی گئی تو انھوں نے جواب میں
حضرت مسیح کا یہ قول پیش کرتے ہوئے اسلام کا انکار کر دیا کہ "زمین و آسمان ٹل
جائیں گے مگر میرا کلام نہیں ٹل سکتا" جب مسیح کا کلام نہیں ٹل سکتا تو پھر ان کی
شریعت کو منسوخ کرنے کا دعویٰ جو شخص بھی کرے وہ جھوٹا ہے اور خدا کا پیغمبر نہیں
ہے اس لئے معاذ اللہ حضرت پیغمبر اسلام بھی جھوٹے ہیں۔ یہودیوں کی طرح عیسائی بھی
فیض محمدی سے محروم ہو گئے محض اس لئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کو اور اپنی شریعت
کو آخری سمجھا۔ مگر خدا لوگوں کے انکار کے باوجود پیغمبر بھی بھیجتا رہا اور شریعت بھی
نازل کرتا رہا اور اس طرح اپنے عمل سے دنیا کے سامنے یہ بات ثابت کرتا رہا کہ
اپنے پیغمبروں اور شریعتوں کو آخری کہنے والے ہمیشہ گمراہ رہے ہیں اور رہیں گے

لیکن اس کے باوجود آج جب مسلمانوں کی باری آئی تو وہ بھی اس گمراہ کن عقیدہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور بالآخر انھوں نے بھی اگلی امتوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنا یہ عقیدہ قائم کیا کہ حضرت محمدؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا اور شریعت قرآن کے بعد خدا کوئی شریعت نازل نہ کرے گا۔ اس عقیدہ پر اسلامی دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی دلیل: قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ۔ — بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ — یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ دوسرا دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

جب خدا یہ فرماتا ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرا دین قبول نہ کیا جائے گا تو قرآن کے بعد دوسری شریعت کیونکر آ سکتی ہے۔

جواب: اسلام کے معنی ہیں گردن نہادن بہ اطاعت یعنی اصطلاح شرع میں احکام الٰہی کے سامنے گردن جھکا دینے اور ان کی اطاعت کرنے کو اسلام کہتے ہیں۔ جب اسلام کی یہ تعریف معین ہو گئی تو آپ نے احکام الٰہی کو خواہ کتاب قرآن میں کیوں نہ ہوں یا شریعت توریت، انجیل، زبور سے پہلے کی شریعتیں جن کے ذریعہ سے نازل ہوئیں یہ سب احکام خدا کے احکام تھے۔ یقیناً وہ سب خدا کے احکام تھے تو انجیل کا دین بھی اسلام تھا توریت کا دین بھی اسلام تھا

سب کتابوں نے دینِ اسلام ہی پیش کیا تھا اور ان سب کے ماننے والے مسلمان تھے چنانچہ سورۂ ابراہیم میں خدا فرماتا ہے کہ:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا۔ — اس نے تمہارا نام مسلم رکھا تھا پہلے بھی اور اب بھی۔

ملاحظہ فرمائیے خدا تمام قوموں کا نام مسلم فرماتا ہے حالانکہ ان قوموں نے اپنے آپ کو کبھی مسلمان نہیں کہا مگر چونکہ وہ لوگ بھی احکامِ الٰہی کے مطیع تھے اور ان کی کتابوں میں اسلام ہی تھا اس لئے بلحاظ قرآن وہ بھی مسلمان تھے اور ان کو جو احکام دئے گئے تھے وہ اسلام سے خارج نہ تھے اور جو دین ان کو دیا گیا تھا وہ بھی اسلام ہی تھا اگرچہ وہ تمام شریعتیں آپس میں مختلف اور جدا جدا تھیں۔ پس اسلام قرآن سے مخصوص نہیں اور قرآن کے بعد دوسری شریعت کے نزول کو نہیں روکتا۔ قرآن کے بعد جو شریعت نازل ہوگی وہ بھی اسلام ہی ہوگی اور خدا کے نزدیک مقبول ہوگی خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو۔ اس لئے یہ عقیدہ درست نہیں کہ قرآن آخری شریعت ہے۔

دوسری دلیل: خدا فرماتا ہے کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ — یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

جب دین کامل ہو گیا نعمت تمام ہو گئی اور دین اسلام پسند کر لیا گیا

تو پھر قرآن کے بعد دوسری شریعت کیونکر آسکتی ہے۔

(۱) اسلام کی تشریح دلیل اوّل کے جواب کے سلسلہ میں کی جا چکی ہے
جواب: تمام انبیاء و رسل کا دین اسلام ہی تھا اور سب کے لئے دین اسلام
ہی پسند کیا گیا تھا مسلمانوں کے لئے بھی وہی پسند کیا گیا۔ توریت کے بعد
جب انجیل آسکتی ہے حالانکہ دینِ توریت اسلام ہی تھا تو قرآن کے بعد دوسری
کتاب کیوں نہیں آسکتی۔ انجیل کا دین اسلام ہی تھا لیکن اس کے بعد قرآن
آسکتا ہے تو قرآن کا دین اسلام ہونے کے باوجود دوسری کتاب کیوں نہیں آسکتی
اور اس کا دین اسلام کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(۲) دین کا کامل ہونا دوسری کتاب شریعت کے نزول میں حائل نہیں ہوسکتا
کیونکہ جس طرح دینِ ابراہیمی قومِ ابراہیم کے لئے کامل تھا اسی طرح دینِ موسوی
یہودیوں کے لئے بالکل کامل تھا اور دینِ انجیل عیسائیوں کے لئے بالکل کافی
اور کامل تھا اسی طرح دینِ قرآن مسلمانوں کے لئے کامل کر دیا گیا۔ اگر دینِ ابراہیمی
کامل ہونے کے باوجود شریعتِ یوسف آسکتی ہے اور شریعتِ یوسف کامل
ہونے کے باوجود شریعت توریت نازل ہوسکتی ہے اور شریعتِ توریت کی تکمیل
کے باوجود انجیل نازل ہوسکتی ہے تو قرآن کے ذریعہ دین کامل ہونے کے باوجود
دوسری شریعت کیوں نہیں آسکتی۔ دنیا میں ہر قوم کو اس کی ضرورت کے
مطابق کامل ہی دین دیا گیا تھا کوئی شریعت ناقص نہیں تھی اور خدا نے کسی نبی کی
امت کو خلاف عدالت و انصاف ناقص دین اور غیر مکمل شریعت نہیں دی اسی طرح
مسلمانوں کو بھی کامل دین دیا گیا تھا اور مکمل شریعت ان کے لئے نازل ہوئی تھی لیکن

یہ بات دوسری کتاب اور نئی شریعت کی آمد کو نہیں روک سکتی کیونکہ کامل دین کے بعد ہمیشہ کامل دین آتا رہا اور مکمل شریعت کے بعد پھر مکمل شریعت آتی رہی اسی طرح قرآن بھی مکمل شریعت ہے اس کے بعد بھی دوسری کتاب مکمل شریعت پیدا کر سکتی ہے۔ تکمیل دین قرآن ہی سے مخصوص نہیں بلکہ توریت کے لئے بھی قرآن میں یہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔

اور ہم نے موسیٰ کی تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

(الاعراف)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

(۲) ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو نیک عمل کرنے والوں کے لئے کامل ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔

اگر موسیٰ کی کتاب کے بعد جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے یعنی کامل شریعت ہے انجیل اور قرآن جیسی الہامی کتابیں نازل ہو سکتی ہیں تو قرآن ایک مکمل کتاب اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہونے کے باوجود اس کے بعد دوسری مکمل کتاب کیوں نازل نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر کتاب اپنے اپنے زمانہ میں کامل اور مکمل نازل ہوئی تھی اور جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو وہی کتاب زمانہ کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے نامکمل ہو گئی اور دوسری کتاب نازل ہو گئی اسی طرح قرآن اپنے زمانہ میں مکمل تھا اور چونکہ وہ بھی مخصوص زمانہ کے لئے تھا جب وہ زمانہ ختم ہو گیا تو اب یہ

اور اگر مان لیا جائے کہ آنحضرت مراد ہیں تو پھر سورہ احزاب میں اس آیت کی تشریح و توضیح اس طرح موجود ہے۔

(٣) وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا۔

یعنی جب ہم نے تمام انبیا سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم سے عہد لیا اور ان سے بڑا سخت عہد لیا تاکہ وہ سچوں سے ان کے عہد کی بابت پوچھے اور انکار کرنے والوں کے لئے درد ناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اس دوسری آیت میثاق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام انبیاء کی طرح حضرت پیغمبر اسلام سے بھی یہ عہد اور بڑا سخت عہد لیا گیا کہ تمہارے بعد جب کوئی رسول تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ یہاں عہد انبیاء سے مراد یہ ہے کہ ان انبیاء کی امتوں سے یہ عہد لیا گیا ہے ورنہ اگر امتیں مراد نہ ہوں گی تو پھر انبیاء سے ان کے عہد کی بازپرس اور ایمان نہ لانے اور نصرت نہ کرنے پر عذاب الیم کیسا جبکہ نبی سے عہد کی خلاف ورزی اور انکار اور ایمان نہ لانا اور مدد نہ کرنا ممکن ہی نہیں اس لئے یہ عہد ان انبیاء کی امتوں سے لیا گیا ہے جن سے عہد کی خلاف ورزی بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ مصدق کتاب و حکمت رسول آئے تو وہ ایمان نہ لائیں اور اس کی مدد نہ کریں۔ الغرض امت اسلام سے بھی بذریعہ حضرت پیغمبر اسلام ایک مصدق قرآن رسول کی آمد کا عہد لیا گیا ہے۔ پھر

خاتم النبیین کے معنی کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

(۴) لِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔

یعنی تمام قوموں کا ایک رسول آنے والا ہے جب وہ آجائے گا تو ان کے تنازعات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔

اس آیت میں تمام دنیا کے ایک بین الاقوامی رسول کے آنے کی پیشگوئی موجود ہے۔ پس ایسی حالت میں آیت خاتم النبیین کی معقول تفسیر کیا ہوگی۔ ثابت ہوگیا کہ آیت خاتم النبیین کے معنی آپ صحیح نہیں سمجھے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب حضرت محمد کے بعد کوئی رسول آنے والا نہیں ہے اور اگر آپ اپنے مفہوم پر اصرار کریں گے تو پھر آیات کا باہمی تضاد کسی طرح دور نہ ہو سکے گا اور کلام الٰہی میں تضاد نہیں ہوا کرتا بلکہ ہر آیت دوسری آیت کی تائید کرتی ہے لہٰذا جب کم از کم چار آیات آپ کے سامنے ایسی ہیں جن سے آنحضرت کے بعد ایک دوسرے رسول کی آمد ثابت ہوتی ہے تو پھر آیت خاتم النبیین کی اپنی تفسیر میں مجبوراً آپ کو ترمیم کرنی ہوگی۔ پس آپ کی تیسری دلیل بھی ٹوٹ گئی اور آنحضرت کے بعد ایک رسول کا آنا ثابت ہوگیا تاکہ وہ اپنی شریعت کے ذریعہ سے اختلافات اقوام عالم کا فیصلہ کرے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک نہ کوئی رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے نہ شریعت

آسکتی ہے۔ قیامت اس عقیدہ کی بالکل آخری حد ہے۔ چونکہ قیامت کے معنی
ہیں پیغمبر جدید اور شریعت جدید کی آمد اس لئے آنحضرت اور اُس پیغمبر
صاحب شریعت جدید کے درمیان جس کی آمد قیامت کی آمد ہے نہ کوئی
نبی آسکتا ہے نہ رسول نہ کوئی شریعت۔ اس لئے خاتم النبیین کے یہی دو
یقینی معنی ہوئے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت عیسیٰ سے پہلے
کے درمیانی عرصہ میں انبیائے مروجین آیا کرتے تھے جو شریعت موسوی کے
ماتحت رہ کر حسب ضرورت زمانہ جزوی اور فروعی تبدیلیاں کرتے رہتے تھے
اور اس طرح شریعت توریت کو رواج دیتے تھے۔ اس قسم کے مروجین قرآن
آنحضرت اور رسول میثاق کے درمیانی عرصہ میں نبی کے نام سے نہیں آئیں گے
ایسے انبیائے مروجین کے آپ خاتم ہیں آپ کی کتاب کے احکام رواج دینے
کرنے والوں کا نام نبی نہ ہوگا کیونکہ آنحضرت کے بعد نبی کی اصطلاح ہمیشہ
کے لئے خدا ختم کرنے والا تھا۔ آنحضرت کے بعد دو مصدق قرآن ہستیاں
آنے والے تھے جن میں سے ایک کا آسمانی عہدہ باب یا قائم آل محمد اور
دوسرے کا آسمانی لقب اور منصب خدا یا رب یا رجعت حسینی ہے۔ عہدہ
بابیت کے متعلق آپ قائم آل محمد کی قرآنی تاریخ میں باب گذشتہ میں پڑھ چکے ہیں
اور قائم آل محمد کو جس رسول کی بشارت دینے کے لئے ظاہر ہونا تھا وہ رسول
"خدا" کے نام سے آنے والا تھا اس لئے آنحضرت کو خاتم النبیین کا لقب
عطا فرمایا گیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیاء کی آمد بند ہے اب باب اور
خدا یا حسین کی آمد قریب ہے جس کے دیدار کا وعدہ قیامت کے دن ہو گیا ہے

چنانچہ فرمایا ہے کہ:

وجوہ یومئذ ناضرۃ ۔ ناظرۃ الیٰ ربہا۔ — اس دن بہت سے چہرے خوش و خرم ہوں گے۔ وہ اپنے پروردگار کو دیکھتے ہوں گے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ذات غیب کی طرف دیکھا نہیں جا سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ اس کا مظہر ہے جس کی طرف دیکھنا ممکن ہے اور جس کو دیکھ کر اہل ایمان کے چہرے خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔ خدا کی آمد کو ہم آئندہ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

الغرض یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ آنحضرت کے بعد پیغمبروں اور شریعتوں کی آمد بالکل بند ہے۔ یہاں تک آپ کے دلائل کا جواب تھا اب اس موضوع پر ہمارے دلائل ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل: انسان اپنی جسمانی اور روحانی تربیت کے لئے ہر وقت شریعت الٰہیہ یعنی خدائی دستور العمل کا محتاج ہے۔ پیغمبروں اور شریعتوں کا سلسلہ اگر انسانی تربیت و ترقی کے لئے جاری کیا گیا تھا تو جب تک انسان اس سرزمین پر باقی ہے اس وقت تک پیغمبروں اور شریعتوں کا سلسلہ بھی برابر جاری رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شریعت ہی کامل اور مکمل ہوتی ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی کسی شریعت کی ضرورت پیش نہیں آسکتی تو اس قادر مطلق خدا کے لئے یہ بہت ہی بہتر تھا کہ وہ شروع ہی میں ایسی کتاب بھیج دیتا جو دنیا کے ختم ہونے تک کافی ہوتی۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا کہ نہ متعدد پیغمبر اور مختلف دستور بھیجنے پڑتے۔ اختلاف و افتراق کے جھگڑے نہ پیش آتے اور دین

ایک ہی کتاب پر متفق رہتی حتی کہ دنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کائنات خدا کا لازوال درخت ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا نوعِ انسان اس سرزمین پر ہمیشہ رہے گی اور حسب ضرورت وقت جس طرح خدا کی شریعتیں آتی رہیں ہمیشہ آتی رہیں گی۔ اس لئے شریعتِ قرآن آخری شریعت نہیں بلکہ عارضی تھی اور اس کا بھی ایک وقت معین تھا اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد قائم آل محمد کو نئی شریعت لیکر آنا تھا جیسا کہ واقع ہوا۔ شریعتِ قرآن کے آخری نہ ہونے پر یہ عقلی دلیل تھی۔ اب نقلی دلائل سنئے:

دوسری دلیل: خداوند عالم سورۂ کہف میں فرماتا ہے کہ:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔

اے رسول کہدو اگر سمندر کلام ربی کے لئے سیاہی ہو جائے تو میرے رب کا کلام ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائے گا خواہ ہم اس سمندر کی مدد کیلئے اس جیسا سمندر اور لے آئیں۔ کہدے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے بے شک تمہارا خدا واحد ہے جو لوگ اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ عمل صالح کریں اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

غور فرمائیے کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان سے کلام ربی لکھا جائے تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر خدا کا کلام کبھی ختم نہ ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر خدا کا

کلام ختم ہو گیا ہے اور اس کا کلام جتنا تھا وہ سب قرآن میں آگیا ہے تو قرآن لکھنے کے لئے تو روشنائی کی صرف ایک شیشی کافی ہے بلکہ وہ بھی بچ رہے گی حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ اس کا کلام لکھنے کے لئے سمندر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

پس ثابت ہو گیا کہ جس قوم کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ ہماری شریعت آخری ہے اس میں کوئی صداقت نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ خدا کی ذات لامحدود ہے اس کی صفات بھی لامحدود ہیں۔ اس کی صفات میں سے ایک صفت متکلم بھی ہے اور وہ غیر محدود و ناقابلِ اختتام ہے اگر اس کی ایک صفت بھی ختم ہو جائے تو اس کی لامحدودیت میں نقص پیدا ہو جائے گا اور یہ درست نہیں ہے۔ پس خدا ہمیشہ کلام کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا اس کا کلام کبھی ختم نہ ہوگا ہمیشہ شریعت آتی رہی ہے اور آتی رہے گی۔ پیغمبر ہمیشہ آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے اسی لئے تو اس آیت کے آخری حصہ میں فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کی امید رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ اعمال صالحہ بجا لائیں۔ ملاقات پروردگار کا کیا مطلب ہے۔ کیا یہ مطلب ہے کہ لوگ قیامت کے دن اس ذات غیب سے ملاقات کریں گے جو وہم و گمان و قیاس سے بالاتر ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سے ملاقات ناممکن ہے۔ پھر ملاقات کی کیا صورت ہے صرف یہی صورت ہے کہ یہاں رب سے مراد اس کا جانشین یعنی پیغمبر مراد لیا جائے کیونکہ رب کہتے ہیں مربی کو اور خدا کے پیغمبر خدا کی طرف سے انسانی تربیت کے لئے آتے ہیں اور ان پر ایمان لانا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب ان کے ظاہر ہونے سے پہلے لوگ ان پر ایمان لانے کے لئے تیاری کرتے رہیں اور یہ تیاری

کفر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ کبھی بانجھ نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنی اولاد پیدا کرتی رہے گی اور خدا کی شریعت کبھی بند نہ ہوگی بلکہ ہمیشہ نازل ہوتی رہے گی۔ اس لئے شریعت قرآن آخری شریعت نہیں اس کے بعد بھی ایک شریعت کا آنا لازمی ہے۔ اس شریعت کے نزول کا دن یوم قیامت کہلاتا ہے جس دن قائم آل محمد شریعت جدید کے ساتھ قائم ہوگا۔ اب قرآن مجید کی ان آیات کے مطابق حدیث رسول و آئمہ طاہرین ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن ابی بصیر عن ابی جعفر علیہ السلام قال قال علیہ السلام یقوم القائم بامر جدید وکتاب جدید وقضاء جدید علی العرب شدید لیس شانہ الا السیف ولا یستتیب احدا ولا یاخذہ فی اللہ لومۃ لائم۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قائم آل محمد شریعت جدید اور نئی کتاب نئے احکام لیکر آئے گا اس کے ساتھ اس کتاب اور اس کے احکام کو منوانے کیلئے سیف (یعنی بندوق) ہوگی اس کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور وہ خدا کا دین پھیلانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لے گا۔ (بحار جلد ۱۳ صہ ۱۹۲)

(۲) عن ابی بصیر عن الصادق علیہ السلام قال اذا قام القائم جاء بکتاب جدید وامر جدید کما دعی رسول اللہ فی بدء الاسلام الی امر جدید۔

جب قائم کا ظہور ہوگا تو وہ جدید کتاب اور نئی شریعت پیش کریں گے جس طرح ابتدائے اسلام میں رسول اللہ نے نئی شریعت کی دعوت دی تھی۔

(بحار جلد ۱۳ صہ ۲۲۳ و غیبت نعمانی صہ ۱۸۹ و کشف الغمہ صہ ۳۲۲)

حدیث مذکورہ کا مطلب بالکل واضح ہے کہ قائم نئی کتاب اور نئی شریعت لیکر

آئے گا۔ نئی کتاب اور نئی شریعت کو تشبیہ دے کر یہی سمجھا دیا کہ جس طرح
ابتدائے اسلام میں نئی کتاب و شریعت یعنی توریت و انجیل کے علاوہ قرآن
لیکر آئے تھے اور قرآن جو نئی کتاب تھی اس کی نشر دعوت دی تھی۔ فاضل
معترض کو یہ حدیث بحار الانوار میں نہیں ملی مگر ہم اپنے حوالہ پر قائم ہیں۔
بہرحال ہم بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ان کو یہ حدیث کشف الغمہ میں مل گئی ہے
اور انہوں نے اس حدیث کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے۔ بحار میں ہو یا کشف الغمہ میں
مطلب تو حدیث سے ہے لیکن فاضل معترض کتاب جدید اور امر جدید کا ترجمہ
نئی کتاب اور نئی شریعت تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس میں شریعت کا
لفظ کہیں نہیں ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ شریعت کے لئے امر کا لفظ قرآن میں متعدد
جگہ آیا ہے مثلاً ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر "یعنی اے محمد ہم نے
تم کو شریعت یعنی امر پر قائم کیا" پس امر جدید کے معنی شریعت کے سوا دوسرے
نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب جدید کو کہاں چھپائیے گا اس کا ترجمہ تو بجز نئی کتاب
کے کچھ اور ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ [illegible] کا مطلب یہ ہے
کہ قائم اسلام حقیقی کی طرف دعوت دیں گے نہ یہ دعوت بالکل نئی معلوم ہوگی
کیونکہ وہ اسلام حقیقی سے بیگانہ ہو گئے ہوں گے آپ سے ہم کیا عرض کریں۔
مطلب کیا ہے۔ اگر سیدھی بات سمجھ میں ہوتی تو بہتر ہوتا کہ ہمارا دل نہیں چاہتا کہ
قائم نئی کتاب اور نئی شریعت لیکر آئے جب یہ آپ کا مطلب تو اس کو ہم
صاحبان انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ کتاب جدید کا مطلب کیا ہے۔

(۳) عن الباقر علیہ السلام یصنع ما صنع   تو قائم وہی کرے گا جو رسول نے کیا تھا۔

غلیظا لیسئلن الصادقین عن صدقهم
واعد للکافرین عذابا
الیما۔

بڑا سخت عہد لیا تھا تاکہ سچوں سے ان کی سچائی
کی بابت باز پرس ہو اور منکرین کے لئے
اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ تھا وہ عہد جو رسول اللہ سے لیا گیا تھا اور بڑا سخت عہد لیا گیا تھا کہ
آخر زماں میں جب کوئی صاحب کتاب پیغمبر ہو اور تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آئے
تو اس پر ایمان لانا اور نصرت کرنا۔

اس حدیث میں عہد کا لفظ دیکھ کر فاضل معترض کو اس لفظ عہد نامہ سمجھے
اور کتاب جدید کا ترجمہ عہد نامہ کر ڈالا اور سمجھے کہ یہ حدیث ان کے مطلب کے
مطابق ہے لیکن اگر ان کو اس عہد کا علم ہوتا جو رسول اللہ سے لیا گیا تھا تو کبھی اس
حدیث کو ہمارے مقابلہ پر پیش نہ کرتے جو سراسر ہمارے حق میں ہے۔ پس جو حدیث
انہوں نے کتاب جدید کی خبر کے لئے پیش کی تھی وہ بجائے اس کے کہ ان کو کوئی
فائدہ پہنچاتی الٹا ان ہی کو نقصان پہنچائے گی مگر فاضل معترض کی طرح ہم ان کی
خدمت میں یہ عرض کرنے کی جرأت نہیں کریں گے کہ

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

الی ان قال ثم انا اربع علامات من
رجال بنی موسی وعیسی ویوسف
ومحمد اما العلامة من
موسی الخوف والانتظار و
اما العلامة من عیسی ما قالوا

ہمارے قائم کے لئے چار نبیوں کی چار علامتیں
ہیں وہ چار نبی موسیٰ و عیسیٰ و یوسف و
محمد ہیں۔ اس میں موسیٰ کا نشان خوف و انتظار
پایا جائے گا اور عیسیٰ کی وہ نشانی
پائی جائے گی جو اس کے حق میں لوگوں نے

لہٰذا سے آپ کی مدد حضرت بہاء اللہ تقیہ کے مدد آپ کی تمام
عمر قیدخانوں میں گذری آپ کا آخری قیدخانہ قلعہ چہریق تھا۔

۷۔ حضرت محمد کی طرح آپ پر قرآن کی مثل کلام نازل ہوا۔ اس پیشگوئی کا
ایک شوشہ بھی ایسا نہیں جو پورا نہ ہو گیا ہو۔

---

(۱) حضرت صادق فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ علم کے کل ۲۷ حروف ہیں
اب تک جتنے پیغمبر ہو چکے ہیں وہ صرف دو حرف ہیں دنیا ان دو حرفوں کے سوا
اور کچھ نہیں جانتی مگر جب قائم آل محمد ظاہر ہوگا تو وہ ان دو حرفوں کے علاوہ
باقی ۲۵ حرف بھی اپنے ساتھ لائے گا تاکہ کل ۲۷ حرف دنیا کو سکھا دے۔

(بحار صفحہ ۳۲۳)

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قائم آل محمد علم میں تمام انبیاء سے
افضل ہوگا کیونکہ اب تک تمام نبیوں پر صرف دو حرف نازل ہوئے مگر اس پر ۲۵
حروف اور زیادہ نازل ہوں گے یعنی کامل علم کا مالک ہوگا۔ ایسا شخص جو ۲۷
حروف کا مالک بن کر آئے گا وہ کس طرح اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کی شریعت کا
متبع ہو سکتا ہے۔ پس یقیناً قائم آل محمد کو صاحب شریعت جدیدہ و مالک کتاب جدید
ہونا چاہئے جیسا کہ واقع ہوا۔ حضرت باب اعظم وہ حدیث لائے جو پہلے کسی
نبی پیغمبر نے نہیں دی مثلاً حضرت باب پر یہ وحی نازل ہوا کہ قیامت سے یہ
معنی نہیں کہ ایک دن تمام دنیا معدوم ہو جائے گی اور دوبارہ حساب و کتاب اور
سزا و جزا کے لئے اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکلے گی بلکہ قیامت سے

مراد خدا کے پیغمبر کا ظہور مراد ہے وہ ظاہر ہو کر یہاں روحانی مُردوں کو زندگی بخشتا ہے مومنوں کو ترقی کا راستہ بتا کر جزا دیتا ہے اور منکروں کو ذلت و پستی کے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ یہ حقیقت یقیناً آج تک کسی شیعہ نے یعنی امت پیغمبر نے بیان نہیں کی بلکہ قرآن نے بھی یہی کہا کہ آیات قیامت کی تاویل ایک عرصہ بعد ظاہر ہوگی۔ قیامت کے اس مفہوم کے متعلق حضرت باب کا چیلنج ہے کہ اگر کسی کو اس کا علم ہے تو وہ قیامت کا مفہوم اس کے خلاف ثابت کرے۔

فاضل معترض کو حدیث مذکور کا صحیح ہونا تسلیم ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۷ حروف کا علم تمام انبیاء کو تھا مگر لوگوں کی جہالت کی وجہ سے کسی پیغمبر نے ظاہر نہیں کیا۔ تو قرآن مجید کے ذریعہ کامل علم ظاہر ہوا ہو گا۔ تمام انبیاء پر تو قرآن مجید فضیلت رکھتا ہے مگر پیغمبر اسلام پر فضیلت ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ہم فاضل معترض کے مطلب پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے اس لئے کہ حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے اور وہ ہمارے حق میں ہے مگر فاضل معترض اور ان کے ہم خیال حضرات کی تشفی خاطر کے لئے ہم اس حدیث کی وہ تفسیر پیش کرتے ہیں جو خود امام معصوم نے فرمائی ہے یہ معصوم تفسیر ہمارے اور معترض کے درمیان قول فیصل ہے۔

ابی عن موسیٰ علیہ السلام قال   ایک بیعت دو دن کا علم ملے تو
مثل اقرأ نصب عن موسیٰ بن   سے پوچھا کہ مجھے ان ۲۷ حروف کے متعلق خبر
جعفر علیہ السلام اخبرنی عن   دیجئے جو ظاہر ہوکر پہلا تو دنیا میں باقی رہ گئے

میں ترمیم کریں۔ قرآن مجید اور احادیث سے جب یہ بات قطعی طور پر ثابت کردی گئی کہ آں محمد صاحب شریعت جدیدہ کے منصب کا طالب اور حضرت باب اعظم کے سوا منصب قائمیت و مہدویت کا اصلی حقدار اور کوئی نہیں ہے۔ اب کوئی حقیقت منتظرہ باقی نہیں رہی ہے۔ انتظار بالکل بیکار اور عبث ہے آپ کا قومی وقار قومی عروج آپ کی روحانی و مادی ترقیاں قائم آل محمد کے ظہور پر موقوف تھیں آپ شب و روز عجل اللہ فرجہ کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ بہائی جماعت ۱۰۰ سال سے آپ کو یہ مژدہ سنا رہی ہے کہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ قائم آل محمد حضرت باب اعظم نے ظہور فرمایا پھر یہ جمود و خمود کس لئے اور یہ غفلت و مدہوشی کب تک۔ اٹھئے اور اس خوشخبری کی کامل تحقیقات فرمائیے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

فصل سوم

"رجعت"

جس طرح اس خدائے ذوالجلال کی بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر ادا
کرنا ناممکن ہے اسی طرح ہندو اقوام اور رہنمایانِ مذاہب کی بے پایاں عنایت
و احسانِ کرم ان کی تاریخ بھی اپنی کتاب میں ثبت کئے ہے جن کی وجہ سے
بلا استثنا ہر قوم کو ہر زمانہ میں یکساں تاثیر بخشنے والا اور یہ اکسیر بدعت نسخہ ملتا
رہا جس کی بدولت نہایت اطمینان کے ساتھ خدا کے مقدس پیغمبروں کا انکار ہوتا
رہا اور اگر طبیب حقیقی اس زہریلے نسخہ کا تریاق عطا نہ فرماتا تو آج دنیا سے
تہذیب و تمدن جس قدر تاریک ہوتی اس کا اندازہ لگانا بالکل محال ہے یہ نسخہ
ہے جو تین عقیدوں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک وہ تھا جس پر ہم گذشتہ
فصل میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں یعنی "ہمارا پیغمبر آخری اور
ہماری شریعت ناقابل تنسیخ ہے" دوسرا عقیدہ رجعت کے نام سے موسوم
ہے جس کی کارفرمائیاں بھی عقیدۂ اوّل سے کم ثابت نہیں ہوئی ہیں یہ عقیدہ
بھی تقریباً ہر قوم میں موجود رہا ہے اور ہر امت رجعت کو امت سابقہ سے وراثتہً
ملا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

رجعت اور ہندو: ہندو قوم کا عقیدہ ہے کہ ان کے بعض اوتار

کسی زمانہ میں موجود تھے دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔

رجعت اور زرتشتی: زرتشتی قوم کا عقیدہ ہے کہ شاہ بہرام، شاہ کیخسرو زرتشتیوں کو ترقی اور عروج پر پہونچانے کے لئے دنیا میں دوبارہ پیدا ہوں گے۔

رجعت اور یہودی: یہودی کہتے ہیں کہ انیاس نبی دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور پھر مسیح کا ظہور ہوگا۔

رجعت اور عیسائی: عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح آسمان پر غائب ہو گئے ہیں اور دوبارہ آئیں گے۔

رجعت اور مسلمان: مسلمانوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ سے صلیب پر وفات نہیں پائی بلکہ خدا نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہے وقت آنے پر وہ دنیا میں دوبارہ اسلام پھیلانے کے لئے آئیں گے اور لطف یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اسلام کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ خدا حضرت مسیح سے عقیدۂ نبوت چھین کر دنیا میں شریعت اسلام پھیلانے کے لئے بھیجے گا اگر یہ صحیح ہے تو نہیں معلوم کہ ان سے معاذ اللہ ایسا کیا جرم سرزد ہوا ہے جس کی سزا انھیں یہ ملے گی کہ وہ مرتبۂ نبوت سے محروم کر کے بھیجے جائیں گے اور اگر مرتبۂ نبوت پر بدستور فائز رہیں گے تو پھر یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا بہرحال وہ ان کے دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہو گئے تھے۔

حالانکہ ہندوؤں کے ان اوتاروں کے بعد اعداد غیر کے چھٹے پیغمبر دنیا میں آچکے۔ یہودی جس مسیح کے منتظر تھے وہ ظاہر ہو چکے اور چلے بھی گئے۔ انجیل کا موعود سردار عالم حضرت پیغمبر اسلام کی صورت آچکے۔ مگر عیسائی یہاں خبر لائے حضرت حسین علی بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حسین بن علی میں ہی ہوں جس کے تم منتظر تھے مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح انھیں یقین ہی نہیں آتا۔

رجعت حسین کا عقیدہ کسی عقلی بنیاد یا کتاب اللہ کی نص پر نہیں بلکہ چند روایات پر مبنی ہے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:-

(۱) پہلی حدیث: حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ شہادت سے پہلے امام حسین نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میرے نانا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے میرے پیارے فرزند تجھے عراق کی طرف کھینچ بلایا جائے گا..... پس اے میرے اصحاب تمہیں خوش خبری ہو بخدا یہ لوگ ہمیں قتل کر دیں گے پھر ہم اپنے نبی کے پاس پہنچ جائیں گے پھر جب تک خدا چاہے گا ہم وہاں ٹھہریں گے بعد ازاں میں پہلا شخص ہوں گا جس کے لئے زمین شگافتہ ہوگی اور میرا خروج امیر المومنین کے خروج اور قیام قائم سے مطابقت رکھے گا میرے پاس آسمانی وفد نازل ہوں گے پھر محمد عربی اپنا عمامہ اور تلوار ہمارے حوالہ کر دیں گے پھر ہم مدت مشیت ٹھہرے رہیں گے پھر مسجد کوفہ سے خدا تین چشمے جاری کرے گا چشمہ روغن چشمہ آب اور چشمہ شیر۔ پھر امیر المومنین کے حکم سے میں مشرق و مغرب عالم کے تمام دشمنوں کو قتل کر دوں گا اور کل بتوں کو جلا دوں گا یہاں تک

کہ ہندوستان کو بھی فتح کر لوں گا پھر میں تمام حرام جانوروں کو مار ڈالوں گا، وہ صرف پاکیزہ جانور رہ جائیں گے، مسلم پر احسان کروں گا اور اس سے نفرت کرنے والوں کو قتل کر دوں گا...... زمین پر کوئی اندھا، اپاہج اور مصیبت میں مبتلا شخص باقی نہ رہے گا کہ اس کی یہ مصیبتیں ہماری وجہ سے خدا دور نہ کر دے گا۔

(بحارالانوار ص۲۱۸)

(۲) دوسری حدیث: صادق آل محمد نے فرمایا کہ پہلے جو لوگ دنیا میں رجوع کریں گے وہ حسین بن علی اور ان کے اصحاب ہوں گے اور یزید بن معاویہ اور اس کے ساتھی ہوں گے۔ پس حضرت ان سے جنگ کرکے بالکل ٹھیک ٹھیک انتقام لیں گے۔

(بحارالانوار ص۲۲۲)

(۳) تیسری حدیث: حسین کے خروج کا ان کے اصحاب کے ذریعہ اس قدر کھلا اعلان ہوگا کہ مومنین کو ان کے بارے میں کوئی شک نہ رہے گا اور حضرت حجۃ ان کے درمیان موجود ہوں گے پس جب قلوب مومنین میں حضرت کی معرفت متمکن ہو جائے گی تو حضرت حجۃ کو موت آجائے گی اور امام حسین ان کی تجہیز و تکفین کے متکفل ہوں گے۔

(۴) چوتھی حدیث: صادق آل محمد نے فرمایا کہ سب سے پہلے دنیا کی طرف حسین بن علی کی رجعت ہوگی اور وہ اتنے دن دنیا میں حکمراں رہیں گے کہ بڑھاپے سے ان کی بھویں آنکھوں پر لٹک آئیں گی۔

(بحارالانوار جلد ۱۳ ص۲۱۸ باب رجعت)

(۵) پانچویں حدیث: صادق آل محمد نے فرمایا کہ میں نور کا ایک تخت دیکھ رہا ہوں جس کا قبہ یاقوت سرخ کا جواہرات جڑا ہوا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ حسین اس تخت پر رونق افروز ہیں اور اس کے گرد نوے ہزار قبے ہیں جن میں سے مومنین حضرت کی زیارت کر رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں اور خدا ان سے فرماتا ہے کہ اے میرے اولیاء مجھ سے مانگ لو جو چاہو تم نے بہت اذیتیں اٹھائی ہیں تمہیں ذلیل کیا گیا پریشان کیا گیا لہذا آج دنیا و آخرت کی ہر حاجت پوری کروں گا یعنی ان کا کھانا پینا جنت سے مہیا ہوگا پس بخدا یہ کرامت ہے۔

(بحار الانوار ص ۲۲)

رجعت حسین کے متعلق ان دو حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد ہم سے کہا گیا ہے کہ:

اہل بہاء سے سوالات: حضرت حسین علی بہاء اللہ کو حسین کا ظہور کہنے والے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیں:

(۱) اگر حسین علی بہاء اللہ ہی حسین ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے تھے تو ان کو جنت نور سے پیدا ہونے کے بجائے زمین کربلا سے ظاہر ہونا چاہیے تھا اور ان کے بڑے بھائی کا نام حسن ہونا چاہیے۔

(۲) اگر مرزا حسین علی بہاء اللہ وہی نواسۂ رسول نہیں ہیں تو وہ حسین کے مصداق کیونکر ہو سکتے ہیں یا آپ تناسخ کے قائل ہیں یعنی حسین نواسۂ رسول حسین علی بہاء اللہ کی شکل میں پیدا ہوئے ہیں۔

(۳) کیا حدیث ۲۷ کے مطابق حسین علی بہاء اللہ دنیا میں اتنے عرصہ حکومت کرتے رہے کہ ان کی بھویں آنکھوں پر لٹک آئی ہوں۔

(۴) حضرت بہاء اللہ کا ظہور زمین کے اندر سے ہوا ہے یا بطنِ مادر سے اور ان کے ساتھ امیر المومنین کا خروج بھی ہو گیا اور کیا ان پر آسمانی وفد بھی نازل ہوئے۔ کیا کوفہ سے پانی روغن اور شیر کے چشمے جاری ہو چکے۔ کیا وہ مشرق و مغرب کے دشمنوں کو قتل کر چکے؟ کیا انھوں نے تمام بت جلا دئے؟ ہندوستان فتح کر لیا۔ حرام جانوروں کو انھوں نے مار ڈالا؟ اسلام یا تلوار کو غیر مسلموں پر پیش فرمایا؟ کیا زمین پر کوئی اندھا، اپاہج اور مصیبت زدہ باقی نہیں رہا۔

(۵) کیا وہ یزید اور اس کے اصحاب سے لڑے اور انتقام لے لیا؟

(۶) کیا تمام مومنین نے ان کے ظہور کو حسین کا ظہور تسلیم کر لیا اور کیا ان کے دعویٰ کے وقت آپ کے قائم بقید حیات تھے اور کیا آپ کے قائم کی تجہیز و تکفین ہوئی اور یہ خدمت کو حسین علی بہاء اللہ نے انجام دیا؟

(۷) کیا حسین علی بہاء اللہ کو اس دنیا میں نور کا تخت ملا جس کے نیچے ہزار تخت ہوں۔

(۸) کیا یہ علامات [illegible] کے آپ [illegible] پیدا ہوئی ہیں؟

قبل اس کے کہ ہم ان سوالات کا جواب دیں مناسب ہے اس امر پر غور کیا جائے کہ ان احادیث پر تھوڑی سی تنقید کر لی جائے تاکہ معلوم ہو [illegible] احادیث کی اصل حیثیت کیا ہے [illegible]

علم و تحقیق کی روشنی میں مسئلہ رجعت پر بحث کی جائے گی اور اس کے ضمن میں فاضل معترض کے سوالات کا جواب بھی پیش کر دیا جائے گا۔

(۱) مذکورہ بالا احادیث میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین شہید کربلا مع اپنے اصحاب کے اور ان کے علاوہ جناب رسالتمآب اور حضرت علی دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ عقلاً ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ سنتِ الہٰی یا قانون فطرت و قدرت ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور رہے گا۔ سنتِ الہٰی ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور خدا نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے کہ سنتِ خدا کو تم کبھی بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اس سنتِ جاریہ کے مطابق خدا نے تخلیق انسانی کا بھی ایک قانون اور قاعدہ مقرر فرمایا ہے یعنی انسان انسانی نطفہ سے مختلف شکلیں بدلتا ہوا بتدریج بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے مر جاتا ہے۔ نوع انسان اس قانون کو اسی طرح دیکھتی آئی ہے اور دیکھتی چلی جائے گی۔ اس کے خلاف تخلیق انسانی کا کوئی اور قانون انسانی تصور و عقل سے بالاتر ہے۔ اس لئے کسی انسان کی تخلیق کو دفعتاً اور مروجہ و مقررہ قانون کے خلاف عمل میں آنا خلاف عقل ہے۔ اور خلاف عقل بات ہرگز تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ کوئی شخص خواہ وہ نبی ہو یا رسول ہو یا امام ہو ایک دفعہ مر جانے کے بعد سنتِ الہٰی کے خلاف کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس قانون رجعت منافی معقول

دلائل سے ثابت کریں کہ جناب رسالت مآب حضرت علی اور امام حسین کا دوبارہ اُسی عمر میں پیدا ہونا جس عمر میں وہ شہید ہوئے تھے کس قاعدہ اور قانون سے ممکن ہے؟

(۲) اگر ہر چیز کی تحقیق کا ایک قانون معین ہے تو ثابت کیجئے کہ امام حسین کا زمین کے اندر سے معینہ قانون کے خلاف یکایک پیدا ہو جانا کس قانون سے ثابت ہے؟

(۳) آسمانی وفد سے کیا مراد ہے اور وفد آسمان میں کس طرح موجود ہیں اور آیا آسمان کا وجود مادّی عقلاً ثابت ہے؟

(۴) امام حسین کے ظہور کے وقت کوفہ کی مسجدیں سے روغن، پانی اور دودھ کے جاری ہونے سے انسانی دنیا کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے جبکہ انسان ان چشموں کے بغیر بھی ان تینوں چشموں سے اُبلنے والی چیزوں کا محتاج نہیں ہے۔ یہ بھی ثابت کیجئے کہ زمین کے اندر حیوانی دودھ کا جو انسان کے استعمال میں آتا ہے کوئی منبع موجود ہے؟ یعنی کیا زمین کے اندر دودھ دینے والے جانور رہتے ہیں جن کا دودھ اس چشمہ کے ذریعہ باہر آئے گا اور اگر نہیں تو یہ دودھ کس قسم کا ہوگا اور کیا انسان کے لئے قابل استعمال ہو سکے گا؟

(۵) اگر امام حسین دنیا میں آکر بتوں کو جلادیں گے تو یہ فرمائیے کہ پتھر کو جلانے سے کیا فائدہ ہوگا اور پتھروں کے بتوں نے کیا قصور کیا ہے جو وہ جلائے جائیں گے۔ جلائے جانے کے قابل تو وہ لوگ ہیں جو بت تراشتے

اور ان کی عبادت کرتے ہیں جب وہ بُت تراش لوگوں کو کبھی نیست
کر دیں گے تو بُتوں کے جلانے سے کیا حاصل ہوگا جب بُت تراش نہ
رہیں گے تو بُت خود نہ رہیں گے اور یہ کبھی فرمائیں کہ حضرت امام
کو بجز اس کے کہ وہ تمام دنیا کے ان گنت بُت خانوں سے بُت
اکٹھے کرتے اور ان کے جلانے کے لئے بھٹیاں بناتے پھریں کوئی اور
کام بھی دنیا میں ہوگا یا نہیں (معاذاللہ) پس ایسا لغو فعل ایک
امام سے ممکن ہے؟

(۶) خدا نے حرام جانوروں کو شروع میں کیوں پیدا کیا تھا وہ اب تک کیوں
باقی رہے اور قرآن کے ذریعہ سے جن جانوروں کو حرام کر دیا تھا
تو رسول اللہ ہی نے ان کو کیوں نہ مار ڈالا اور یہ کہ جب بیچارے حرام
جانور اپنی مرضی سے نہیں پیدا ہوئے تو امام حسین ان کو کس قصور اور
کس جرم میں مار ڈالیں گے۔

(۷) امام حسین کے دوبارہ دنیا میں آنے سے اگر کوئی اندھا، اپاہج اور
مصیبت زدہ شخص باقی نہ رہے گا تو فرمائیے کہ نوع انسان کی ابتدا
سے لیکر اب تک جتنے اندھے، اپاہج اور مصیبت زدہ لوگ رہے ان کی
یہ مصیبتیں ان کے پیغمبروں کے ذریعہ سے دور کیوں نہ کی گئیں جبکہ ان
اندھوں، اپاہجوں اور مصیبت زدہ لوگوں میں لاتعداد مومن بھی تھے
اور جب ان کے یہ مصائب دور نہ ہوئے تو کیا یہ عدالت الٰہیہ کے خلاف
اور ان پر ظلم نہیں ہے کہ وہ تو یہ مصائب اٹھا کر مر جائیں اور امام حسین

کے زمانہ کے اندھے آنکھیں پائیں اور ان کی ساری مصیبتیں دور کی جائیں یہ ترجیح بلا مرجح کیسی ۔ یہ بھی فرمائیے کہ اس اندھے پن کو دور کرنے کے لئے امام حسین کوئی مرہم استعمال فرمائیں گے یا کیا صورت ہوگی ؟

(۸) (الف) یزید اور اس کے ساتھیوں کی دوبارہ پیدائش پر وہی سوال پیدا ہوتا ہے جو امام حسین وغیرہ کی پیدائش پر ہوتا ہے ۔ اس لئے یزید اور اس کے اصحاب کی دوبارہ پیدائش عقلاً ثابت کیجئے ۔

(ب) اگر قیامتِ صغریٰ میں یزید اور یزیدیوں سے ان کے ظلم کا انتقام لے لیا جائے گا تو قیامتِ کبریٰ یعنی روزِ حساب وہ حساب سے معاف کر دئے جائیں گے اور جنت میں چلے جائیں گے یا نہیں اگر جواب اثبات میں ہو تو ہمارا کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر جواب نفی میں ہو تو فرمائیے کہ اگر وہ قیامت کے دن حساب اور عذاب سے نہ بچ سکیں گے ۔ تو قیامتِ صغریٰ میں ان کو پیدا کر کے انتقام لینے سے کیا حاصل ؟

(۹) (ت) اگر محمد عربی اپنا علم اور تلوار قائم کے حوالہ کریں گے اور ان کی معیت میں امام حسین یزید، یزیدیوں اور تمام منکرینِ اسلام کو قتل کر دیں گے تو فرمائیے کہ آج جبکہ گذشتہ اسلحہ جنگ کے مقابلہ میں موجودہ جنگی آلات نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ تلوار کی اب کوئی قیمت ہی باقی نہیں رہی اور یہ تمام سامان منکرینِ اسلام ہی کے ہاتھوں میں ہے حتیٰ کہ وہ رجعت کے موید بھی تو اس زمانہ تک جبکہ قائم آل محمد اور

حسین دوبارہ ظاہر ہوں گے اسلحۂ جنگ کی ایجاد کس قدر ترقی کر گئی ہوگی پس اس قدر ترقی یافتہ ہتھیاروں کی موجودگی میں قائم یا حسین کی تلوار کیونکر تمام منکرینِ عالم کو قتل کر سکے گی؟

(ب) اگر امام حسین کو اسلحۂ جنگ سے کام لیکر سب کو قتل کرنا اور عرصہ دراز تک مادی اور ظاہری حکومت کرنا تھا تو پھر ان کو ۶۱ھ میں قتل کیوں ہونے دیا گیا اسی وقت ان کے ذریعہ سے یزید، یزیدیوں اور تمام منکرین اسلام کو قتل کیا جا سکتا تھا اور اسلام اسی وقت تمام دنیا میں پھیل سکتا تھا۔ ان کو اس قدر مصائب میں مبتلا کرنے اور دوبارہ پیدا کر کے سلطنت کرانے میں کون سی معقولیت ہے؟

(ج) کیا قرآن مجید اسلام کو تلوار سے پھیلانے کی اجازت دیتا ہے اور تلوار کے ذریعہ سے پھیلا ہوا اسلام کیا حقیقی اسلام کہلایا جا سکتا ہے اور کیا ایسا اسلام قائم آل محمد اور حسین کی وفات کے بعد ایک گھنٹہ بھی باقی رہ سکتا ہے؟ اگر اسلام اور تلوار کا نظریہ صحیح ہے تو مخالفین آئمۂ طاہرین جن کا عمل بقول شیعہ صاحبان اسی نظریہ پر تھا ان کی خلافت و امامت کو آپ خلافِ قرآن اور ناجائز کیوں کہتے ہیں اور اب تک آپ کے اور ان کے درمیان دشمنی اور اختلاف کیوں ہے اور اگر اسلام بذریعہ شمشیر کا نظریہ خلاف قرآن اور غیر معقول ہے تو تسلیم کیجئے کہ امام حسین یا قائم کے ذریعہ سے یہ قتل عام نہیں ہوگا اگر آپ یہ کہیں کہ جو لوگ جزیہ دینا قبول کریں گے ان کو قتل نہ کریں گے وہ

زندہ چھوڑ دیں گے تو یہ بات احادیث کے خلاف ہے کیونکہ لکھا ہے کہ
کوئی کافر باقی نہ رہے گا۔

(۱۰) اگر قیامت صغریٰ کے زمانہ میں حسین نور کے ایسے تخت پر بیٹھے ہوں گے
جس کے اوپر ایک قبہ نور کا ہوگا جس میں یاقوت و جواہرات جڑے
ہوں گے تو فرمائیے کہ:

(۱) نور کی کیا تعریف ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) نور اگر زیادہ سے زیادہ کسی قسم کی روشنی کو کہا جا سکتا ہے تو
کیا روشنی کا تخت بننا ممکن ہے؟

(۳) اگر روشنی کی ایک تخت جیسی شکل زبردستی سے مان بھی لی جائے
تو کیا روشنی پر بیٹھنا ممکن ہے؟

(۴) کیا روشنی اور نور کی تخت جیسی شکل پر نور کا قبہ بنایا جانا ممکن ہے
اور اس وہمی شکل میں یاقوت وجواہرات کا جڑا جانا ممکن ہے؟

(۵) روشنی جو ایک لطیف اور بسیط شے ہے جس سے کسی ذی جسم چیز کا
بننا اور اس پر کسی ذی جسم کا استقرار ناممکن و محال ہے تو ایسے
نور کے قبے اور وہ بھی ۹۰ ہزار ممکن ہیں؟ اگر نہیں تو اپنی اس
تمام خود ساختہ خرافات کو صادق آل محمد سے منسوب کرنے میں کوئی
شرم محسوس کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۱۱) اگر حسین اور اصحاب حسین کا کھانا اور پانی جنت سے آئے گا تو اس
کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کہیں اوپر آسمانوں سے پرے کسی جگہ واقع ہے

جہاں سے فرشتے پانی کے گھڑے بغل میں دبائے ہوئے اور سیب
وانگور کے طشت سر پر رکھے ہوئے آسمانوں سے اترتے ہیں گے
اگر یہ مطلب درست ہے تو معقول دلائل سے آسمانوں کا مادی وجود
اور آسمانوں سے ادھر اپنی خیالی جنت کا ہونا ثابت کیجئے۔ اس کے
بعد ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ خدا قرآن مجید کی سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے
کہ جنت کا عرض اتنا وسیع ہے جتنا کہ تمام آسمان اور تمام زمینیں۔ اس کو
سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ تمام آسمان اور تمام زمینوں کے معنی کیا ہوئے
اس کے معنی ہوئے تمام کائنات یا ماسوا اللہ۔ پس جبکہ تمام آسمانوں
اور زمینوں یعنی کائنات کے برابر جنت کی چوڑائی ہے درانحالیکہ طول
کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے تو فرمائیے کہ ماسوا اللہ کے حدود بھی کسی درجہ
کا اور تمام عالم وجود کے سوا کسی اور ایسے مقام کا تصور بھی ممکن ہے
جس کا عرض تمام عالم وجود کے برابر ہو اور جب تصور تک ناممکن ہو
ہے تو پھر آسمانوں سے پرے جنت کیسی اور اس کا آب وطعام چہ
معنی دارد؟ پس فرمائیے کہ جنت اور اس کا آب و نعم
یعنی چہ؟......

معترض صاحب نے ہم سے اپنے آٹھ سوالات کا جواب طلب فرمایا
ہے چونکہ آپ کے سوالات مذکورہ بالا احادیث کے سلسلہ میں تھے اور ہمارے
لئے ان احادیث کے چند مقامات حل طلب تھے جن کا حل ہم نے آپ سے
اپنے گیارہ سوالات کے ذریعہ سے پوچھا ہے۔ آپ ہمارے ان سوالات کا

جواب دے کہ ان احادیث کو معقول ثابت کیجئے ہم آپ کے سوالات کا جواب انشاء اللہ کامیابی کے ساتھ عرض کریں گے۔

قارئین محترم! اب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اگر شیعہ حضرات غیر شیعوں کے مسلک کو نادرست ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کو سب سے پہلے اپنے مسلک پر تنقید کے لئے تیار رہنا اور اس کو معقول اور درست ثابت کرنا ہوگا۔ اپنے عقائد میں مگن رہنا اور باقی دنیا کو کافر کہنا آسان کام نہیں ہے اس لئے یا تو ان حدیثوں کو جعلی تصور فرمائیے کیونکہ یہ خلاف عقل باتوں پر مشتمل ہیں اور اگر آپ ان احادیث کی لاج رکھنا چاہتے ہیں تو صاف صاف اقرار کیجئے کہ یہ احادیث تاویل طلب ہیں اور ان میں جو باتیں بے قاعدہ خلاف قانون فطرت اور مخالف عقل نظر آتی ہیں ان کے ایسے معانی بیان کرنے ہوں گے جن پر کوئی اعتراض واقع نہ ہونے پائے۔

رجعت اور اہل بہاء: مقدس آسمانی کتابوں انبیائے کرام اور آئمہ اطہار کے بیانات کا یہ عام انداز ہے کہ وہ زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کے متعلق جب کوئی پیشگوئی کرتے ہیں تو خیر مبہم الفاظ میں کبھی نہیں کرتے بلکہ استعارات و کنایات کے پردہ میں بیان کرتے ہیں جن کا حقیقی مطلب صرف اسی وقت واضح ہوتا ہے۔ جب ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آجاتا ہے اس لئے مقدس آسمانی کتابوں اور انبیائے الہٰی نے جب کبھی کسی شخص کے دوبارہ آنے یا دوبارہ زندہ ہونے کی پیشگوئی کی ہے تو اس کے معانی وہی نہیں ہیں جو بظاہر الفاظ سے سمجھ

ہیں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب کبھی وہ ہستیاں ظاہر ہوئیں جن کی آمد کی پیشگوئیاں کی گئی تھیں چونکہ ان کا ظہور الفاظ کے ظاہری مفہوم کے مطابق کبھی نہیں ہوا اس لئے ہر زمانہ میں ان مقدس ہستیوں کا انکار ہوتا رہا۔ قرآن مجید نے رجعت موعود کے مضمون کو استعارات اور کنایات میں بیان فرمایا ہے اور اسی کی تقلید کرتے ہوئے جناب رسالت مآب اور آئمہ طاہرین نے بھی آنحضرت کے بعد آنے والے پیغمبروں کے حالات و واقعات کو متشابہ الفاظ اور استعارات و کنایات میں بیان کیا ہے اور جب کبھی ان سے پوچھا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے تو اصلی اور حقیقی مطلب بیان کرنے سے پہلوتہی فرمائی ہے اس ضمن میں ہم ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جو ہمارے دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔

زرارہ بن اعین سے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم رجعت اور اس جیسے امور کا مطلب پوچھتے ہو حالانکہ ابھی ان کا مطلب بیان کرنے کا وقت نہیں آیا اور اس کا ذکر کلام الٰہی میں اس طرح آیا ہے کہ :

"بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ"

(بحار الانوار جلد ۱۳ باب رجعت)

امام معصوم کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قائم آل محمد اور امام حسین کی دوبارہ آمد کے متعلق جو بیانات دئے گئے ہیں ان کا مطلب وہ نہیں ہے جو بظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے اور اگر غور و تدبر سے کام لیا جائے تو ظاہری مطلب بھی کسی طرح معقول نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مطلب دوسرا ہے جس کے بیان کا ایک وقت معین ہے۔ چونکہ شیعہ علماء نے اس حدیث کو نظر انداز فرما دیا اور ان بیانات کو

ظاہری مفہوم درست قرار دیا اور اس مفہوم اور انتظار کے مطابق تو قائم آلِ محمد اور امام حسین کا ظہور کبھی ہونے والا نہیں ہے اس لئے شیعوں کے لئے ناممکن ہے کہ وہ قائمیت اور ظہور حسینی کے مدعی اشخاص پر ایمان لا سکیں یہی وجہ ہے کہ حضرت باب نے جب قائم آلِ محمد ہونے کا اور حضرت حسین علی بہاء اللہ نے ظہور حسینی کا دعویٰ فرمایا تو چونکہ ان کا ظہور پیشگوئیوں کے الفاظ کے ظاہری مفہوم کے مطابق نہ تھا اس لئے انہوں نے دونو حضرات کا صاف انکار کر دیا اور صفِ منکرین میں شامل ہونا پسند فرمایا۔

اہلِ بہاء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رجعت و قیامت کی تاویل بیان کرنے کا وقت آگیا ہے۔ حضرت بہاء اللہ کا ظہور حسینی ہی کا ظہور ہے اور انہوں نے رجعت کا اصلی اور حقیقی کا نزول کیا ہوا مفہوم بیان فرما دیا ہے جس کی روشنی میں ہم اس موضوع کو بیان کرتے ہیں اور اس کو عام فہم بنانے کی انتہائی کوشش کریں گے

رجعت کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا - واپس آنا - دوبارہ آنا - بار بار آنا۔

رجعت کے اصطلاحی معنی ہیں: تاریخ کا اپنے آپ کو بار بار دہرانا۔

رجعت اور عالمِ فطرت: یہ عالمگیر قانون ہے کہ جس طرح سیکنڈ - منٹ - گھنٹہ - دن - مہینہ اور سال جب گزر جاتا ہے تو وقت کے ان حصوں میں سے ایک حصہ بھی پھر کبھی دوبارہ واپس نہیں آتا اسی طرح گزرے ہوئے وقت میں جو چیز پیدا ہوتی ہے اور پھر اپنے وقت پر اس کے اجزا اور عناصر فضا میں منتشر ہو جاتے ہیں تو وہ چیز اپنے سابقہ عناصر اور اجزاء ترکیبی کے ساتھ پھر کبھی دوبارہ واپس نہیں آتی البتہ اسی جیسی دوسری چیز پیدا ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے

عالمِ فطرت کا یہ لاتبدیل قانون ہے جو نہ کبھی بدلا ہے نہ بدلے گا اسی کو سنتِ الٰہیہ
کہتے ہیں جو کبھی نہیں بدلتی۔ جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان یہ قانون
سب پر حاوی ہے۔ مثلاً سال گذشتہ ایک پھول لگا تھا وہ مرجھا کر گر پڑا اور
اس کے اجزا فضائے عالم میں پھیل گئے اِس سال اسی درخت پر پھر ایک
پھول نکلا۔ یہ پھول وہ پارسال والا پھول نہیں ہے جو مرجھا کر فنا ہوگیا تھا بلکہ یہ
پھول اپنے نئے اجزا اور نئے عناصرِ ترکیبی ہوکر نکلا ہے لیکن چونکہ اس پھول
کی صفات وہی ہیں جو پارسال والے پھول میں تھیں یعنی وہی رنگ ہے وہی
خوشبو ہے، وہی لطافت ہے اس لئے اگر کہا جائے کہ سال گذشتہ جو پھول نکلا
تھا اس سال پھر نکل آیا تو بالکل درست ہے چونکہ صفات میں دونو پھول ایک
ہیں پس اِس سال کا پھول پارسال والے پھول کی رجعت ہے۔

مثلاً اس سال بہار آئی ہم کہتے ہیں کہ سال گذشتہ والی بہار پھر آگئی اس کا
مطلب یہ نہیں ہے کہ پچھلی بہار میں جو اجزا اور عناصر تھے بعینہ پھر لوٹ آئے
بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلی بہار میں جو کچھ تھا وہ ہی اِس بہار میں بھی ہے۔

مثلاً گذشتہ سال ایک بیج بویا گیا تھا۔ شاخ نکلی۔ پتے نکلے۔ شگوفے
پھوٹے۔ پھول نکلے۔ پھل پیدا ہوئے اور پھر بیج نکل آئے۔ یہ بیج جب دوبارہ
بوئے جائیں گے تو پھر اسی طرح کی شاخیں نکلیں گی پتے نکلیں گے شگوفے پھوٹیں گے
پھول کھلیں گے پھل پیدا ہوں گے اور اسی درخت کی دوبارہ رجعت ہو جائیگی
شروعات میں بھی بیج تھا آخر میں بھی بیج ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ وہ بیج پھر
آگیا اب اگر اس درخت [illegible] بیج کے [illegible] دیکھئے تو پہلے درخت اور بیج

بیج کے مادّہ میں بہت بڑا فرق ہے مگر جب شگوفوں، پتّوں اور پھولوں اور
پھلوں کو آپ دیکھیں گے تو مادّہ کے فرق کے باوجود وہی مزہ، وہی ذائقہ،
اور وہی لطافت پائیں گے پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ درخت کا پہلا کمال
پھر لوٹ آیا نہ کہ بعینہٖ وہی درخت پھر لوٹ آیا۔

اسی طرح انسانی رجعت بھی ہے اگر ایک انسان مخصوص صفات لئے ہوئے
پیدا ہوا اور مر گیا اور اس کے عناصر منتشر ہو گئے پھر ایک دوسرا انسان ان
ہی صفات کے ساتھ پیدا ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو وہی آدمی ہے جو پہلے پیدا ہوا
اور مر گیا یہی انسانی رجعت کہلاتی ہے کوئی انسان اپنے سابقہ اجزا اور
عناصر کے ساتھ دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا البتہ مشترک صفات کے انسان پیدا
ہوتے رہتے ہیں اور گزرے ہوئے انسانوں کی رجعت کہلاتے ہیں پس رجعت
ذات اور رجعتِ جسم ناممکن ہے البتہ صفات و کمالات کی رجعت ممکن ہے مقدس
آسمانی کتابوں اور انبیائے کرام اور ائمہ طاہرین کے بیانات میں جس رجعت کا ذکر ہے
وہ بھی رجعتِ صفات ہے نہ کہ رجعتِ اجسام۔ صحفِ مقدسہ کے چند بیانات
پر غور فرمائیے:

رجعت اور انجیل توریت میں یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ تم مسیح کا انتظار
کرو جس کے ظہور کی علامت یہ ہوگی کہ اس کے
ظہور سے پہلے [illegible] ہوں گے
[illegible]
[illegible] حضرت یحییٰ نے ان کی بشارت دینی شروع کی تو یہودیوں

نے حضرت یحییٰ سے دریافت کیا کہ "کیا تو مسیح ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میں مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا تو ایلیا یعنی الیاس ہے جس کا مسیح سے پہلے آنا ضرور ہے؟ حضرت یحییٰ نے جواب دیا نہیں میں ایلیا نہیں ہوں۔

حضرت یحییٰ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایلیا نہ تھے لیکن جب حضرت مسیح کا ظہور ہوا تو کوہِ طابور پر ان سے لوگوں نے پوچھا کہ "فقیہ کیونکر کہتے ہیں کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا آنا ضرور ہے؟ مسیح نے اس کے جواب میں کہا کہ "البتہ ایلیا آکر سب کچھ بحال کرے گا مگر کیا وجہ ہے کہ ابنِ آدم کے حق میں لکھا ہے کہ وہ بہت کچھ دکھ اٹھائے گا اور حقیر کیا جائے گا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا اور جیسا کہ اس کے حق میں لکھا تھا انھوں نے جو کچھ چاہا اس کے حق میں کیا۔ "انجیل مرقس باب ۹"

اس کے بعد انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۳ میں لکھا ہے کہ:

"تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ہم سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔"

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ کیا آپ الیاس نبی ہیں۔ تو آپ نے انکار کردیا لیکن حضرت مسیح نے فرمایا کہ یحییٰ ہی الیاس نبی تھے۔ پس اگر حضرت یحییٰ ایلیا یا الیاس تھے تو آپ نے اپنے ایلیا ہونے سے انکار کیوں کردیا اور اگر آپ الیاس نہ تھے تو حضرت مسیح نے ان کو الیاس کیوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ شخصیت اور جسم مراد نہیں بلکہ کمالات و صفات مراد ہیں یعنی وہ کمالات و صفات جو حضرت الیاس میں تھے وہی حضرت یحییٰ میں تھے۔

قربانی کریں جس کی قربانی کو آسمان سے آگ آکر کھا جائے وہی سچا ہے اس معاملہ میں حضرت الیاس کی فتح ہوئی اور وہ سچے نبی ثابت ہوئے۔ جب حضرت پیغمبر اسلام نے یہودیوں کو دعوتِ اسلام دی تو یہودیوں نے کہا کہ جب تک آپ ہمیں حضرت الیاس والا معجزہ نہ دکھائیں گے اس وقت تک ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کے جواب میں خدا کی طرف سے آنحضرت نے یہودیوں کو یہ جواب دیا کہ اگر تم سچائی کے ساتھ یہ بات کہتے ہو تو تم سے پہلے بھی بہت سے رسول معجزات لیکر آئے اور انھوں نے وہ معجزہ بھی دکھایا جو تم طلب کر رہے ہو تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا تھا۔ اس جواب سے یہودی بہت حیران ہوئے اور انھوں نے کہا کہ بہت بڑے تعجب کی بات ہے ہم نہ تو ان پیغمبروں کے زمانہ میں تھے کہ جب وہ معجزے دکھا رہے تھے نہ ہم حضرت یحییٰ کے وقت میں تھے اور ہم نے نہ ان رسولوں کو قتل کیا نہ حضرت یحییٰ کو قتل کیا ہم نے ان پیغمبروں میں سے کسی کو دیکھا تک نہیں مگر معجزہ دکھانا تو درکنار ہمیں الٹی تہمت لگائی جا رہی ہے۔

اس رسالہ کے ناظرین غور کریں یہودیوں نے جو کچھ کہا اس میں کیا غلطی تھی۔ انھوں نے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ یہودی واقعی ان رسولوں کے زمانہ میں نہ تھے نہ رسول اللہ کے زمانہ کے یہودیوں نے ان رسولوں کو قتل کیا تو خدا نے ان پر قتل انبیا کا الزام کیوں لگایا یا تو خدا کے اس الزام کو معاذ اللہ جھوٹا تسلیم کیجئے یا یہ تسلیم کیجئے کہ رسول اللہ کے زمانہ کے یہودی چونکہ زمانۂ قدیم کے قتل کرنے والے یہودیوں کے فعل سے راضی اور متفق تھے اس لئے خدا نے

یہ سمجھ کر کہ اگر یہ لوگ الیاس کے اور دوسرے رسولوں کے زمانہ میں ہوتے تو یہ بھی ان قاتلوں میں ہوتے۔ ان کو بھی ان ہی قاتلوں میں شمار کیا جس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ کے یہودی وہی یہودی تھے جنہوں نے ان رسولوں کو قتل کیا تھا اور یہ لوگ ان اگلے یہودیوں کی رجعت تھے کیونکہ صفات میں دونوں مشترک تھے۔ پس معلوم ہوا کہ رجعت سے مطلب رجعتِ جسم نہیں بلکہ رجعت صفات ہے۔ اب جب رسول اللہ کے زمانہ کے یہودی حضرت یحییٰ کے زمانہ کے یہودی قرار دیے جا سکتے ہیں تو حضرت یحییٰ الیاس کی رجعت اور حضرت رسول اللہ موسیٰ کی رجعت کیوں نہیں کہلا سکتے اور اگر حضرت حسین علی بہاء اللہ کمالات و صفات میں امام حسین اور تمام انبیاء و رسل کے کمالات و صفات کے برابر ثابت ہو جائیں تو وہ ان انبیاء و رسل اور امام حسین کی رجعت کیوں قرار نہیں دیے جا سکتے۔

رجعت اور احادیث: حضرت پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ:

كُنْتُ نَبِيًّا وَكَانَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

یہ حدیث شیعوں کے بچے بچے کو معلوم ہے اور بہت مشہور ہے ہم پوچھتے ہیں کہ جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے تو حضرت محمد کس طرح نبی تھے کیا اس وقت بھی آپ کا وہی جسم نبی تھا جو آمنہ کے بطن اور عبد اللہ کے نطفے سے پیدا ہوا تھا اور مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا ہرگز نہیں! بلکہ

(۳) معصوم فرماتے ہیں:

(۴) جناب امیر فرماتے ہیں:

نُذُرُ الآخِرَةِ وَالأُولى وَنُذُرُ	اور آئندہ جتنے نذیر مبعوث ہوں گے وہ
كُلِّ زَمانٍ وَأَوانٍ بِنا	سب ہم ہی ہوں گے ہر زمانے میں جتنے نذیر
هَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَنَجا	وہ ہم ہی تھے ہمارے ذریعہ ہلاک ہونے والے
مَنْ نَجا ۔ (خطبہ تطنجیہ)	تو ہلاک ہوئے اور ہمارے ہی ذریعہ نجات پائے

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت علی بن ابی طالب اپنے سے پہلے کے تمام پیغمبروں کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ میں ہی تھا اور کوئی نہ تھا ۔ نذیر میں ہی تھا ۔ فرماتے ہیں کہ آئندہ بھی جب تک آتے رہیں گے وہ نہیں آتے رہیں گے بلکہ میں ہی آتا رہوں گا ۔ گذشتہ زمانہ میں جو قومیں اپنے پیغمبروں کے ذریعہ عذاب پاتی رہیں اور نجات حاصل کرتی رہیں ان پیغمبروں کی شکل میں میں ہی تھا ۔ اس سے بڑی معنوی اور روحانی تجلی اور کیا ہوگی کہ سب کے وجود کو اپنا وجود فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو گذشتہ پیغمبروں کی رجعت بتاتے ہیں اور آئندہ پیغمبروں کے وجود کو اپنی رجعت فرماتے ہیں اور ان کے آنے کو اپنا آنا اور ان کے ظہور کو اپنا ظہور فرماتے ہیں حالانکہ گذشتہ پیغمبر شخصیت کے اعتبار سے جدا جدا تھے اور دوسرے ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے ان کا جسم علی بن ابی طالب کا جسم نہ تھا اسی طرح آئندہ آنے والے پیغمبر بلحاظ شخصیت و جسم و زمان و زبان علی بن ابی طالب کی جسم سے مختلف ہوں گے دوسرے ماں باپ سے پیدا ہوں گے دوسرے مقامات پر ہوں گے ان کی زبانیں عربی نہ ہوں گی مگر ان کا ظہور علی ہی کا ظہور ہوگا کیونکہ وہ اور علی روحانی صفات میں مشترک ہوں گے ۔ یہی اور حقیقی رجعت ہے ورنہ جسم کی دوبارہ پیدائش بالکل محال ہے ۔

فرماتے ہیں کہ:

یا علی اِنَّ لِی کَرَّۃً وَلَکَ — یعنی اے علی میں ایک مرتبہ پھر دنیا میں آؤں گا

کَرَّتَین کَرَّۃً قَبْلَ مُحَمَّدٍ وَ — اور تم دوبار آؤگے ایک مرتبہ محمد سے پہلے

کَرَّۃً بَعْدَ حُسَیْن ۔(کشف الحقائق) — اور دوسری مرتبہ حسین کے بعد۔

چنانچہ حضرت سید علی محمد باب کے نام میں حضرت علی محمد سے پہلے آئے اور دوسری مرتبہ حضرت حسین علی کے نام میں حسین کے بعد آئے اور خود حضرت محمد ایک مرتبہ آئے۔ ملاحظہ ہو اسے کہتے ہیں کلام رسول جس کی صداقت دور سے لول اٹھے۔ یہ وہی بات ہے جو جناب امیر علیہ السلام نے فرمائی کہ میں دو مرتبہ پیدا ہوں گا اور دو مرتبہ قتل ہوں گا۔ آپ کا ارشاد پورا ہو گیا ایک مرتبہ آپ فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہو کر ابن ملجم کی تلوار سے شہید ہوئے اور دوسری مرتبہ روحانی لحاظ سے شیراز میں حضرت سید علی محمد باب کی صورت میں پیدا ہوئے اور تبریز کے میدان میں شیعوں کی ۷۵۰ گولیوں سے شہید ہوئے۔ پس حضرت علی دو مرتبہ پیدا ہوئے اور دو مرتبہ قتل ہوئے۔

محترم حضرات! مسئلہ رجعت پر کافی بحث ہو گئی ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ رجعت کے حقیقی معنی ہیں۔ تاریخ کا اپنے آپ کو بار بار دہرانا۔ ہمیشہ پیغمبر آتے رہے۔ مخالفین برداشت کرتے رہے۔ لوگ ایمان بھی لاتے رہے انکار بھی کرتے رہے۔ مستقبل کا یہ واقعہ ماضی کی رجعت تھا۔ اس طرح تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہی آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہے گی اور

مستقبل ماضی کی رجعت بنتا رہے گا۔

حضرت علی محمد باب نے ظاہر ہو کر اپنے آپ کو گذشتہ تمام انبیا و رسل اور ائمہ کی رجعت اور حضرت حسین علی بہاء اللہ نے ظاہر ہو کر اپنے آپ کو حسین ابن علی کی رجعت ثابت کر دیا۔

اب منزل من اللہ تاویل کی روشنی میں پیش کی ہوئی احادیث کے معنی سنئے اور اس ضمن میں اپنے سوالات کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

(معترض کے سوالات کا جواب)

(۱) ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ انسان اپنا جسم عنصری چھوڑنے کے بعد دوبارہ اسی جسم کے ساتھ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی پیدائش خلاف قانون فطرت و خلاف سنت الٰہی ہے البتہ صفات و کمالات اور روحانی لحاظ سے اسی قسم کا دوسرا انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا اسی کا نام رجعت ہے۔ ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر اور ایک امام کے بعد دوسرا امام صفات نبوت و امامت کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے اور یہ پہلے کی رجعت ہوتا ہے سی تو ضیح پر جن حدیثوں میں امام حسین کی دوبارہ آمد کو بیان کیا گیا ہے ان سے مراد بعینہٖ حسین ابن فاطمہ کی آمد مراد نہیں بلکہ ان ہی جیسی دوسری روحانی ہستی کا ظہور مراد ہے اور وہ حضرت مرزا حسین علی بہاء اللہ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حسین کی رجعت ہیں اس لئے ان کو زمین کربلا سے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ سے پیدا ہونا چاہئے تھا اور ہوئے ان کا ظہور حسین ابن فاطمہ ہی کا ظہور ہے۔

خود اپنے مومنوں کے امیر تھے اور حضرت علی ابن ابی طالب کی رجعت تھے۔

(۳) حضرت بہاء اللہ پر علوم لدنیہ اور وحی الہی و کلام ربانی کے وہ نازل ہوئے اور اتنے ہوئے کہ ان سے پہلے کسی پیغمبر پر نازل نہیں ہوئے اس کا امتحان کرنے کے لئے آپ کو خدا بننے کی ضرورت نہیں آیئے ان کے ادنیٰ خادموں سے مقابلہ کیجئے جن کے پاس حضرت بہاء اللہ پر نازل شدہ وحی و دراثتہً موجود ہیں۔

(۴) کونسے روغن، پانی اور دودھ کے چشمے جاری ہونے کے متعلق آپ پوچھتے ہیں تو اس کے جواب میں گزارش ہے کہ آج دنیا پانی اور دودھ اور سرسوں کے تیل کی محتاج نہیں ہے یہ چیزیں اس کو بافراط میسر ہیں اور ان تین چیزوں کا وہ مطلب بھی نہیں جو آپ سمجھے ہیں۔ جس طرح پانی، دودھ اور تیل ایسی چیزیں ہیں جو ضروریات زندگی میں داخل ہیں اسی طرح پانی، دودھ اور تیل کی ایک ایسی قسم بھی ہے جس کی روح انسانی محتاج ہے وہ خدا کے مقدس پیغمبر اسی روحانی پانی، دودھ، اور تیل کی ضروریات پوری کرنے اور انسان کو روحانی و اخلاقی غذا مہیا کرنے کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے بغیر روحانی و اخلاقی ضروریات پوری نہیں ہوتیں حضرت علی محمد باب اور حضرت حسین علی بہاء اللہ کے ظہور سے پہلے حضرت شیخ احمد احسائی اور حضرت سید کاظم رشتی علیہ الرحمہ نے اپنے شاگردوں کو ان دو ظہوروں کی بشارت دی اور اپنی وفات کے وقت ہدایت و وصیت کی کہ قائم آل محمد دنیا میں موجود ہے تمہیں چاہئے کہ تم

اپنی ریاضت وعبادت دعا اور مناجات کے ذریعہ اس کو تلاش کرو یہ تمام شاگرد وصیت کے مطابق کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور مسجد کوفہ میں پہونچکر تین جماعتوں میں منقسم ہوگئے اور اسی مسجد میں معتکف ہوکر دعا ومناجات میں مشغول ہوئے تاآنکہ باری باری ہر جماعت کو بشارت غیبی ہوئی اور شیراز جاکر قائم آل محمد کی زیارت سے مشرف ہوئے اور یہی وہ تین چشمے ہیں جو مسجد کوفہ سے جاری ہوئے اور ان کے ذریعہ سے اہل ایران نے قائم موعود کی ندائے الٰہی اور جن کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح موجود ہے:

عن ابی عبد اللہ قال کیف انتم اذا ضرب اصحاب القائم علیہ السلام الفساطیط فی مسجد کوفان ثم یخرج الیہم المثال المستانف امر جدید علی العرب شدید۔

امام معصوم فرماتے ہیں کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب قائم علیہ السلام کے اصحاب مسجد کوفہ میں خیمہ زن ہوں گے اور ان کو ایک فرمان جدید سے یعنی شریعت تازہ جو عرب پر گراں گزرے گی۔ (بحار جلد ۱۳ باب غیبت قائم)

(د) کیا حضرت بہاء اللہ دشمنان خدا کو قتل کریں گے - اس کے جواب میں گزارش ہے کہ خدا کے دشمن وہ لوگ ہیں جو خدا کے دین کا انکار کرتے ہیں ان پر غلبہ پانے کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان کے خلاف تلوار اٹھائی جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دین کی عملی تبلیغ ہو اور اس کے ساتھ غیبی طاقت ہو۔ خدا کے مقدس پیغمبروں نے تلوار کو مجبوراً استعمال کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت رسول اللہ نے مجبوراً تلوار اٹھائی

موجود ہیں اور یہ ترقی روز افزوں ہے۔ ہندوستان کی فتح کا مقصد یہی ہے

(۸) حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ امام حسین حرام جانوروں کو مار ڈالیں گے۔ حرام جانوروں کے مار ڈالنے سے کچھ حاصل نہیں ہے اگر اس کو درست مان لیا جائے تو پھر اس سے زیادہ لغو بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ حرام جانور وہ ہوتے ہیں جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کا حکم ہر شریعت دیتی ہے اس لئے حدیث میں حرام جانوروں سے وہ انسان مراد ہیں جن میں انسانیت اور شرافت بالکل نہیں ہوتی جو خدا کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں سرکشی کرتے ہیں۔

خداوند عالم سورۂ یسین میں فرماتا ہے کہ:

اولئٰک کالانعام بل ھم اضل — یعنی یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی
اولئٰک ھم الغافلون۔ — زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔

حدیث مذکور میں حرام جانوروں سے ایسے ہی غافل اور حیوان صفت انسان مراد ہیں۔ امام حسین ظاہر ہو کر صفات وکمالاتِ الٰہیہ کے ذریعہ سے ایسے سرکش انسانوں کی وحشیانہ اور حیوانی صفت کو دور کر کے ان کو حقیقی معنوں میں انسان بنا کر شریعتِ الٰہیہ کا مطیع بنا دیں گے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ معانی معقول ہیں یا وہ جو لوگ سمجھتے ہیں۔ خدا کے پیغمبروں نے وحشی انسانوں کو ہمیشہ اپنے روحانی کمالات کی تلوار سے قتل کر کے ان کی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کیا ہے۔ حضرت حسین علی بہاءاللہ کی قوتِ قدسی بھی برابر یہ کام کر رہی ہے۔

(۹) حدیث میں فرمایا ہے کہ امام حسین کے زمانہ میں کوئی اندھا، اپاہج اور مصیبت زدہ شخص باقی نہ رہے گا۔ کلام الہٰی اور بیانات نبوت و امامت میں ان لفظوں کے وہ معانی کبھی نہیں ہوتے جو بظاہر ان لفظوں سے سمجھ میں آتے ہیں اور روحانی ہستیوں کا یہ فرض نہ تو کبھی رہا ہے نہ آیندہ وہ ایسے کام کریں گے وہ ظاہری اندھوں کو بینا کرنے کبھی نہیں آتے بلکہ جو لوگ روحانی طور پر اندھے ہوتے ہیں ان کی روحانی بصیرت کو روشن کرنے آتے ہیں۔ خدا کے پیغمبر لوگوں کا ظاہری اپاہج پن دور نہیں کرتے اس کے برعکس وہ ان قوموں کو طاقتور بنانے اور ان کی ترقی کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے آتے ہیں جو اپنی نافرمانی و سرکشی کی وجہ سے بالکل بے دست و پا ہو جاتی ہیں اور تنزل و پستی کے عمیق غار میں جا گرتی ہیں اور اس ذلت و پستی کے گڑھوں سے اٹھنے کی ان میں طاقت اور سکت باقی نہیں رہتی۔ پس خدا کے پیغمبر روحانی اپاہج قوموں کو ترقی و رفعت کی فضاؤں میں پرواز کے قابل بنا دیتے ہیں اس کے سوا اس کے معانی اور کچھ نہیں اپنی تفسیر کی صحت پر ہم کلام الہٰی سے دلیل دیتے ہیں اس مفہوم کی تائید میں خدا سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے کہ:

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ یہ لوگ بہرے گونگے و اندھے ہیں اور نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اندھوں سے جو لوگ مراد ہیں۔ حدیث میں بھی وہی اندھے اپاہج اور مصیبت زدہ لوگ مراد ہیں۔

حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ:

" وَاعلموا انکم ان اطعتم طالع المشرق سلک بکم منہاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتداویتم من العمی والصمم واستشفیتم من البکم "

یہ اقتباس جناب امیر علیہ السلام کے ایک خطبہ کا ہے جو بحار الانوار جلد ۱۳ میں موجود ہے۔ نیز نہج البلاغہ میں بھی درج ہے۔ اس خطبہ میں آپ قائم آل محمد کے مقام ظہور کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ مشرق سے ظاہر ہوگا اور اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے مشرق سے ظاہر ہونے والے ستارہ کی اطاعت کی تو وہ تمہارے ساتھ رسول اللہ جیسی رفتار کرے گا اور پھر تم بہرے اور گونگے نہ رہو گے "

اگر بہرے اور گونگے سے ظاہری معانی مراد لئے جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قائم آل محمد کے ظہور سے پہلے تمام مسلمانوں کو گونگا اور بہرا بننا ہوگا اور قائم آل محمد ظہور فرماکر ان کے بہرہ پن اور گونگے پن کا علاج فرمائیں گے ظاہر ہے کہ یہ معانی لغو ہیں بلکہ اس سے روحانی بہرہ پن اور روحانی گونگا پن مراد ہے۔ سرکش اور نافرمان قومیں گونگی اور بہری بھی ہوتی ہیں اندھی بھی ہوتی ہیں ایسا انسان جس میں دیکھنے سننے اور بولنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ انسان بیکار ہے اور اس کا عدم و وجود برابر ہے وہ کوئی ترقی نہیں کر سکتا اسی طرح قوم بھی اندھی بہری اور گونگی ہو جاتی ہے یعنی جب وہ شریعت الٰہیہ کی طرف سے اپنی آنکھ بند کر لیتی ہے اور خدا کے پیغمبروں کی نصیحت و ہدایت کو نہیں سنتی اور اس کی پکار کا جواب نہیں دیتی تو پھر اس کو ترقی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ پس حدیث میں

جسمانی اندھے نہیں بلکہ روحانی اندھے مراد ہیں ان ہی اندھوں کی بصیرت کو مظاہر الہٰیہ روشن کرتے ہیں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ ان روحانی آنکھوں سے کام لے کر ترقی کی شاہراہوں پر دوڑنے لگتے ہیں۔ حضرت حسین علی بہاء اللہ پر نازل شدہ وحی دنیا کو روحانی بصیرت عطا فرما رہی ہے لیکن یہ بصیرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جن کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہم روحانی طور پر بالکل اندھے ہو چکے ہیں۔

(۱۰) حدیث ۲۵ میں حضرت صادق آل محمد امام حسین کو نور کے تخت پر جلوہ فرما دیکھتے ہیں جس کے اوپر یاقوت اور جواہرات کا جڑا ہوا قبہ ہے۔ نور یا روشنی کا تخت اور نور کا قبہ یا روشنی میں یاقوت و جواہرات کا جڑا جانا ایک لغو اور بیہودہ بات ہے نہ روشنی کا تخت ممکن ہے نہ اس پر بیٹھنا ممکن ہے۔ لوگ نہ تو سوچتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور ہر خوبات پر آنکھ بند کر کے ایمان لانے کو طیار رہتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے تو معقول باتوں پر۔

واقعہ یہ ہے کہ لفظ نور ایک استعارہ ہے جو ایک روحانی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ خداوند عالم نے اس لفظ کو بطور تشبیہ اپنے پیغمبروں اور اپنی مقدس کتابوں پر استعمال کیا ہے:

فیہا ھدًی ونورٌ۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔

یہ مشہور آیت ہے جس میں توریت و انجیل کیلئے لفظ نور استعمال کیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ لفظ نور مظاہر الہیہ۔ کتب مقدسہ اور خدا کی تعلیمات اس کے کلمات

واختیارات کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ امام حسین اپنے زمانہ رجعت میں کمالات وصفات الٰہیہ کے نورانی تخت پر رونق افروز ہوں گے اور علوم الٰہیہ جن کو جواہرات سے تشبیہ دی گئی ہے قبہ کی مانند ان پر سایہ فگن ہوں گے یعنی وہ کمالات وصفات الٰہیہ اور خدائی اختیارات کے مالک ہوں گے ان علوم میں سے وہ اپنے مومنین کو حسب حیثیت حصہ عطا فرمائیں گے جن کے ذریعہ سے مومنین ان کی اصلی روحانی حقیقت کی زیارت کرتے ہوں گے اور ان علوم کے ذریعہ سے ان کو حسین کی اصلی اور حقیقی شخصیت معلوم ہوگی۔

(۱۱) امام معصوم فرماتے ہیں کہ ان کا کھانا پینا جنت سے مہیا ہوگا۔ وہ جنت جو مشہور ہے ہمارے نزدیک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ کوئی مادی جنت کسی دوسری دنیا میں کسی معقول دلیل سے ثابت نہیں کی جا سکتی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل حقیقت کی اصطلاح میں ایمان اور عمل صالح کی جنت سے بڑھکر کوئی جنت نہیں ہے۔ دنیا کی تمام جنتیں آسائشیں اور راحتیں ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں اور ایمان اور عمل صالح سے محرومی اس سے بڑا کوئی جہنم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو خدا سورۂ بقرمیں رکوع ۹ میں فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔	یعنی وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں وہ جنت والے ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہتے ہیں اور رہیں گے۔

اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اعمال صالحہ بجالانے والے مومن کہیں اور

جاکر سیب اور انگور والی جنّت حاصل کریں گے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کرنے کی حالت ہی میں جنّت میں ہیں۔ ایمان اور عمل صالح ہی جنّت ہے۔ اصحاب الجنۃ کے معنی ہیں جنّت والے یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے اَصْحٰبُ الْقَرْیَہ بستی والے، اَصْحَابُ الْفِیْل ہاتھی والے، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو کہیں اور جاکر بستی ملے گی یا ہاتھی ملے گا بلکہ جو لوگ بستی میں رہتے ہیں وہ اصحاب القریہ یا بستی والے کہلاتے ہیں اور جن کے پاس ہاتھی ہوتے ہیں وہ ہاتھی والے کہلاتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب الجنۃ ہے جس کے معنی ہیں جنّت والے یعنی جو لوگ جنّت اور آرام میں رہتے ہیں وہ جنّت والے ہیں اس کے بعد لفظ خالدون ہے جس کے معنی ہیں ہمیشہ رہتے ہیں اور رہیں گے کیونکہ خالدون اسم فاعل ہے۔ اور اسم فاعل میں زمانہ حال بھی پایا جاتا ہے اور مستقبل بھی۔ پس وہ لوگ جو خدا و رسول پر ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں وہ ہمیشہ جنّت میں رہتے ہیں اور رہیں گے۔ ثابت ہوا کہ ایمان اور عمل صالح ہی سب سے بڑی جنّت ہے اور جس کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہ جنّت میں ہے اور جب تک یہ دونوں چیزیں اس کے پاس رہیں گی وہ جنّت سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ ایمان اور عمل صالح ہی سب سے بڑی جنّتی اور روحانی غذا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کا روحانی جسم نشو ونما پاتا ہے۔ جنّت کے کھانے اور پانی سے یہ مطلب نہیں ہے کہ فرشتے اپنی اپنی بغل میں پانی کے گھڑے لئے ہوئے اور سروں پر سیب و انگور اور انار کے طشت رکھے ہوئے آسمانوں سے اُترتے ہوں گے بلکہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ ایمان اعمال صالحہ کی توفیق نیز

اصلی اور حقیقی آسمانی علوم ہی جنت کی سب سے بڑی اور اعلیٰ غذائیں ہیں اور یہ غذائیں حضرت حسین علی بہاء اللہ کے ذریعہ سے اہلِ بہاء کو اس قدر ملی ہیں کہ ہم معترض صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ؎

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

چھٹی حدیث: عن الصادق علیہ السلام ان اوّل من یکر فی الرجعۃ الحسین بن علی ویمکث فی الارض اربعین سنۃ حتی یسقط حاجباہ علی عینیہ۔

یعنی سب سے پہلے حسین بن علی دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور چالیس سال دنیا میں رہیں گے حتیٰ کہ ان کی بھویں ان کی آنکھوں پر جھک آئیں گی۔

بھوئیں آنکھوں پر جھک آنے سے مراد بڑھاپا ہے یعنی ضعیفی کی عمر میں وفات پائیں گے۔ حضرت حسین علی بہاء اللہ حضرت قائم آلِ محمد حضرت علی محمد باب سے پہلے سنہ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۳ء میں دعویٰ خفی اور ۱۸۶۳ء میں اپنی رجعت کا اعلانِ عام فرمایا اور ۱۸۹۲ء میں ضعیفی کی عمر میں وفات پائی۔

ساتویں حدیث: عیسیٰ عند النبی فی خروج عیسیٰ السلام ویہلک فی زمانہ الملل کلہا الا الاسلام ویہلک الدجال ویمکث فی الارض اربعین سنۃ

یعنی مسیح کے زمانہ میں تمام قومیں سوائے اسلام کے ہلاک ہو جائیں گی اور دجال ہلاک ہوگا اور مسیح زمین میں چالیس سال زندہ رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور ان کی اطاعت کرنے والے

ثم یتوفی فیصلی المسلمون۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

اس حدیث میں اسلام سے مراد وہ دین ہے جو مسیح لیکر آئیں گے اور وہ دین تمام قوموں کے دینوں پر غالب آجائے گا اور یہی ان قوموں کا ہلاک ہونا ہے یعنی جن قوموں کا دین قابل عمل نہیں رہا اور مغلوب ہوگیا ان قوموں کا عدم و وجود برابر ہے اور یہی ہلاکت ہے۔ مسیح سے مراد مسیح ابن مریم نہیں بلکہ ان کی روحانی رجعت مراد ہے اور مسیح سے مراد حسین ہیں ان کو مسیح سے تشبیہ اس لئے دی گئی کہ مسیح کی مانند مظلوم ہوں گے اور ان کی شریعت حضرت مسیح کی شریعت سے ملتی جلتی ہوگی یعنی وہ ایک ایسی شریعت لیکر آئیں گے جس پر تمام قومیں متفق ہوں گی اور تمام دنیا کے لئے وہ شریعت قابل قبول ہوگی اور ایسی شریعت وہی ہو سکتی ہے جس میں تلوار یا جہاد سے کام نہ لیا جائے بلکہ خالص روحانی ، اخلاقی اور قدرتی طاقت سے پھیلائی جائے اور مسیح کی شریعت ایسی ہی تھی اس لئے حسین کو مسیح کا ظہور بھی کہا گیا۔ حسین اور مسیح دو جدا جدا شخصیتیں نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت مراد ہے اسی لئے دونوں حدیثوں میں حسین اور مسیح کا زمانہ قیام زمین پر ۴۰ سال دکھایا گیا ہے۔ پس حضرت حسین علی بہآء اللہ مسیح اور حسین دونوں کی رجعت ہیں اور ۴۰ سال دنیا میں زندہ رہے اور انتہائی مظلومیت کی حالت میں اپنا زمانۂ حیات گذارا اور ایک ایسا عالمگیر دین عطا فرمایا جس پر تمام قومیں متفق ہوتی چلی جا رہی ہیں اور وہ لوگ جو ابھی تک اس دین پر ایمان نہیں لائے وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس شریعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔

شریعت بہائی یہ اقتدار جہاد اور تلوار کے بغیر حاصل کرتی جا رہی ہے

حتیٰ کہ عنقریب تمام دنیا اپنے وقت معین پر عدل و داد سے بھر جائے گی اور خدا کی بادشاہت پورے جاہ و جلال سے جلوہ گر ہوگی۔

اس موقعہ پر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اپنے محترم ناظرین کے روحانی لطف کو دوبالا کرنے کے لئے "الیواقیت والجواہر" مصنفہ عبدالوہاب شعرانی سے ایک حیرت انگیز پیشگوئی نقل کریں۔ چونکہ یہ واقعات کے مطابق ہے اس لئے ابن عربی کا یہ مکاشفہ یقیناً صحیح اور درست ہے اس مکاشفہ کو خود محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب نصوص الحکم میں لکھا ہے اور شیعہ عالم مرزا محمد شیرازی نے بھی اپنی کتاب نصوص الکلم میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

هو اجلى الجبهة اقنى الانف	مہدی کشادہ پیشانی اور بلند بینی ہوگا اس کے
اسعد الناس به اهل الكوفة	ساتھ اہل کوفہ ہوں گے جو بہترین خلق ہیں وہ مال
يقسم المال بالسوية ويعدل	و علوم دینی کو مساوی طور پر تقسیم کرے گا اور اپنی
في الرعية ياتيه الرجل فيقول	رعایا میں عدل سے کام لے گا اس کے پاس انسان
يا مهدي اعطني وبين يديه المال	حسب بخشش کرتا ہوا آئے گا تو وہ اپنے مال میں سے
فيحثي له في ثوبه ما استطاع	اس کو اتنا عطا کرے گا کہ اس کا بوجھ وہ برداشت
ان يحمله يخرج على فترة من الدين	نہ کر سکے گا دینی سستی کے وقت آپ کا ظہور ہوگا
يزع الله به ما لا يزع بالقرآن	جہالت اور وحشت سے آپ اس قدر روکیں گے
يمسي الرجل جاهلا وجبانا وبخيلا	کہ قرآن کے ذریعہ سے بھی اس قدر ہدایت نہ کی
فيصبح عالما شجاعا كريما يشهد	گئی ہوگی ایک شخص شام کو اگر جاہل ڈرپوک اور بخیل
الملحمة العظمى مادبة الله بمرج	ہوگا تو صبح کو عالم بہادر اور سخی بن جائیگا آپ

عكاء يبيد الظلم واهله يقيم الدين
وينفخ الروح في الاسلام يعز الله
به الاسلام بعد ذله ويحييه بعد
موته شهداؤه خير الشهداء و
امناؤه افضل الامناء وقد استوزر
الله تعالى له طائفة خباهم الله تعالى
له في مكنونة غيبه اطلعهم كشفاً
وشهوداً على الحقائق وما هو امر الله
عليه في عباده وهم على اقدام
رجال من الصحابة الذين صدقوا
ما عاهدوا الله عليه وهم من
الاعاجم ليس فيهم عربي لكن
لا يتكلمون الا بالعربية لهم
حافظ من غير جنسهم ما عصى الله
قط وهو اخص الوزراء ويقتلون
كلهم الا واحد منهم ينزل في
مرج عكاء في المادبة الالهية
التي جعلها الله مائدة للسباع والطيور
والهوام۔

قلعۂ عکہ میں بچھائے ہوئے خدائی خوان نعمت میں
آئیں گے ظلم اور اہل ظلم کو تباہ کر دینگے دین کو
قائم کریں گے اسلام میں روح حیات پھونک
دیں گے ان کے ذریعہ خدا اسلام کو ذلت
کے بعد عزت دے گا اور اس کی موت کے بعد اس کو
زندگی دے گا اس کے شہدا تمام شہیدوں سے بہتر
اور اس کے امنا تمام امینوں سے بڑھکر ہوں گے
خدا اس کا وزیر ایسے گروہ کو بنائے گا جس کو اس
نے پردۂ غیب میں چھپا رکھا ہے خدا ان کو
بطور کشف حقائق اور مشیت الٰہی کی خبر
دے گا وہ ان صحابہ کے نقش قدم پر چلتے ہیں
جنھوں نے خدا کے عہد کو سچائی کے ساتھ پورا
کیا وہ سب کے سب عجمی ہوں گے مگر عربی میں
کلام کرتے ہوں گے ان کا ایک نگہبان ہوگا جو ان کی
جنس سے نہ ہوگا جس نے کبھی خدا کی نافرمانی نہ کی
ہوگی وہ ان کا خاص وزیر ہوگا وہ سب کے سب
قتل کر دئے جائیں گے مگر ایک شخص بچ رہیگا وہ عکہ میں
نازل ہوگا جہاں خدائی دسترخوان ہوگا جس کو خدا نے درندوں
پرندوں و حشرات الارض کے لئے بچھایا ہے۔

مذکورۂ بالا الہامی بیان کے مطابق حضرت باب کی پیشانی کشادہ تھی آپ بلند بینی تھے جیسا کہ عکسِ مبارک سے واضح ہوتا ہے آپ کے اصحاب نے مسجد کوفہ میں دعاء و مناجات اور تضرع و زاری کے ذریعہ آپ کے استقبال کی تیاری کی یہ لوگ بہترین خلق تھے جنہوں نے آپ پر اپنی جانیں قربان کردیں حضرت باب کے پاس جو روحانی دولت تھی یعنی خدائی علوم وہ ان کے مومنین میں مساوی تقسیم ہوئے اور ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا لوگ آپ کے پاس بخشش کی طلب میں گئے اور آپ نے ان پر علوم کی اس قدر بوچھار کی کہ ان سے برداشت نہ ہوسکا آپ نے ایسے وقت ظہور فرمایا جبکہ خدا کے تمام دیان پر خزاں چھاگئی تھی آپ کے دئے ہوئے علوم کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک زبردست جماعت ایسی تیار ہوگئی جس نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا اور ان کی اخلاقی و معاشرتی حالت اس قدر درست ہوگئی کہ ایران کی وحشت و جہالت جو اس زمانہ میں شہرۂ آفاق ہوچکی تھی اس جماعت کو دیکھ دیکھ کر نہ صرف مسلمان بلکہ زرتشتی اور یہودی تک متوجہ ہوگئے اور ایمان لائے اور ان کی وحشت و جہالت اس قدر دور ہوئی کہ قرآن کے ذریعہ سے بھی اتنی دور نہ ہوئی تھی ایک شخص جو شام کو جاہل، غذار اور بخیل تھا۔ بےشک وہ صبح کو عالم، بہادر اور سخی بن گیا۔ بابی جماعت کا بچہ بچہ علماء ایران پر بھاری تھا اور آج بھی ہے ایران میں بابی جماعت کو طاقت سے ختم کردیا گیا لیکن وہ لوگ جنہوں نے دینی مدرسوں کے علاوہ اور کچھ نہ سیکھا تھا جنگی میدانوں میں انھوں نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دئے اور اپنا دفاع کرنے میں بے نظیر شجاعت دکھائی

وہ لوگ جو دینی و قومی تعصب میں مبتلا تھے اور غیر مذہب کے فقیروں کو بھیک تک دینا یا ایک گلاس پانی پلانا گوارا نہ کرتے تھے ایک دوسرے پر جان نثار کرنے لگے۔

حضرت باب اپنی شہادت کے بعد کوہ کرمل پر لے جا کر دفن کئے گئے۔ جس کے دامن میں عکہ واقع ہے۔ آپ کے ذریعہ سے ایرانیوں کا ظلم عدل سے بدل گیا آپ نے خدا کے اس دین قدیم میں جو آدم و نوح و موسیٰ و ابراہیم و محمد کا دین یعنی اسلام تھا اس میں روح حیات پھونک دی۔ وہ دین ذلیل ہو چکا تھا اس نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کی وہ مر چکا تھا اس نے دوبارہ زندگی حاصل کی۔ آپ کے جان نثار اور شہداء گذشتہ تمام شہیدوں سے بڑھ کر اور آپ کے امنا گذشتہ تمام پیغمبروں کے امینوں سے بلند مرتبہ تھے۔ خدا نے حضرت باب کا پیرو ایسے گروہ کو بنایا جو پردۂ غیب میں پنہاں تھا اور خدا نے بذریعہ کشف اس کو حقائق اور اپنی مشیت سے خبردار کیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے قائمِ آلِ محمد کی معرفت حاصل کی یہ لوگ ان آئمۂ طاہرین معصومین کے نقشِ قدم پر چلے جو ہر عہد میں خدا کے عہد کو سچائی کے ساتھ پورا کرتے رہے۔ یہ اصحاب حضرت باب تمام عجمی تھے۔ مگر عربی بولتے تھے اور ان کے عربی آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت باب کی شہادت کے بعد ایک نفس مقدس مومنین حضرت باب کا حافظ و نگہبان قرار پایا۔ یہ حافظ و نگہبان اس گروہ کی جنس سے نہ تھا یعنی معصوم تھا اور اس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ یہ حضرت حسین علی بہاء اللہ تھے جو آپ کے بعد خصوصیت کے ساتھ آپ کی جماعت

کی نگرانی کرتے رہے۔ مذکورۂ بالا اصحاب حضرت باب جن کی تعداد اصحاب بدر کے مطابق ۳۱۳ تھی خراسان سے سیاہ علم لے کر قائم موعود کے ظہور کا اعلان کرنے کے لئے نکلے جن کو قلعۂ شیخ طبرسی کے اندر محصور کر کے قتل کر دیا گیا لیکن حضرت باب کے مومنین میں سے صرف اس جماعت کے حافظ و نگران حضرت حسین علی بہاء اللہ باقی بچے جن کو کوئی قتل نہ کر سکا اور آپ کو ایران سے جلا وطن کر کے پہلے بغداد پھر ایڈریانوپل اس کے بعد قلعۂ عکہ میں نظر بند کر دیا گیا جہاں سے آپ کے عالمگیر دین کی شعاعیں تمام دوسرے ممالک عالم میں پہونچیں اور اس طرح عکہ کا یہ قیدخانہ درندوں، پرندوں اور حشرات الارض یعنی وحشی جاہل اور حیوان صفت انسانوں کے لئے مہمان خانہ قرار پایا جہاں یہ لوگ آتے اور روحانی غذائیں پاتے تھے۔

ناظرین! ملاحظہ فرمائیں کہ پیشگوئی ایسی ہوتی ہے جو واقعہ بن کر اپنی صداقت کا اعلان کرے۔ مذکورۂ بالا پیشگوئی حیرت انگیز طور پر ایسی پوری ہوئی ہے کہ ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جو پوری ہونے سے رہ گئی ہو۔ یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ مذکورۂ بالا بیان میں موت و حیات، مال و دولت، عزت و ذلت، درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کے کیا معانی ہیں اور انبیائے کرام کی زبانوں پر جب یہ الفاظ یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جاری ہوتے ہیں تو ان کے ظاہری معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ روحانی معانی مراد ہوتے ہیں اور تمام بیانات انبیاء و ائمہ تاویل کے محتاج ہیں۔

صفحات ماسبق میں ہم بالکل ٹھوس اور ناقابل شکست دلائل و براہین سے فرقۂ شیعہ کے ہزار سالہ عقیدۂ امام غائب کو باطل ثابت کر چکے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید اور معتبر احادیث واخبار سے مسئلہ قائم آل محمد کے تمام پہلوؤں پر مختصر مگر جامعیت کے ساتھ روشنی ڈال دی گئی ہے اور واضح کیا جا چکا ہے کہ قائم آل محمد کے منصب کا اصلی حقدار کون ہے۔ اور اس کی حیثیت کیا ہے۔ اہلِ بہاء کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی محمد باب کے سوا قائم آل محمد اور کوئی نہیں ہے۔

حضرت باب اعظم ۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو دارالادب شیراز میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا آپ کے والد تاجر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین سے ملتا ہے۔ آپ کی پرورش آپ کے ماموں نے کی آپ کی زندگی بالکل پیغمبرانہ زندگی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے ۲۴ ویں سال میں قدم رکھا تو خدا کی طرف سے قائمیت کے اعلان پر مامور ہوئے۔ آپ نے [illegible] ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو حضرت شیخ احمد احسائی (رہبر اس وقت کے ایک متبحر عالم تھے

کے قبول اور نہ فضل شاگرد ملا حسین بشروئی مجتہد العصر کے سامنے کیا تھوڑے ہی عرصہ میں ۱۸ علماء کی ایک فداکار جماعت نے آپ کے خدائی پیغام کو قبول کیا اور یہ وہ بے مثل فضیلت تھی جو ان سے پہلے کسی پیغمبر کو حاصل نہیں ہوئی۔ علماء کی یہ جماعت ایران میں پھیل گئی اور آپ کے ظہور کی بشارت دینے لگی۔ اسی اثنا میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک شاگرد ملا محمد علی قدوس مجتہد العصر بھی تھے۔

مکہ معظمہ پہونچکر آپ نے رکن و مقام کے درمیان اپنے دعویٰ کا اعلان کیا اور بہت سے لوگ ایمان لائے جن میں سے دو ہندوستانیوں کے نام بھی تاریخ میں ملتے ہیں یعنی سعید ہندی اور سید بصیر ہندی یہ بھی ایمان لائے اور پھر تذکرہ ہندوستان واپس آکر ایران تشریف لے گئے اور مذکورۃ الصدر جماعت علماء کے ساتھ تبلیغ کا فرض انجام دینے لگے۔ ایرانی عوام اور علماء نے شہزادہ حمزہ مرزا پسر فتح علی شاہ قاچار کو جو محمد شاہ شاہِ ایران کا بھائی تھا اور ایک صوبہ کا گورنر بھی تھا مجبور کیا کہ ان کو گرفتار کرے اس نے آپ کو گرفتار کرلیا اور پوچھا کہ اگر حضرت باب مہدی ہیں تو دجّال کون ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ایران کا وزیراعظم حاجی مرزا آقاسی (یہ حضرت باب کا بدترین دشمن تھا) اس نے سوال کیا کہ اچھا حاجی آقاسی دجّال ہے تو دجّال کا گدھا کہاں ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ خرِ دجّال تمہارا بھائی محمد شاہ ہے جس کی لگام حاجی آقاسی کے ہاتھ میں ہے۔ حمزہ مرزا نے غضب ناک ہوکر آپ کی زبان کھینچ لینے کا حکم دیا۔ اور اس طرح آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

حضرت باب کے ظہور کی شہرت بہت جلد تمام ایران میں پھیل گئی اور فریقین میں تصادم ہونے لگا تو محمد شاہ نے مجبور ہو کر اپنے مفتی دربار کو اس کام کے لئے منتخب کیا کہ وہ شیراز جائیں اور حضرت باب سے مل کر معلوم کریں کہ حقیقت کیا ہے۔ یہ ایران کے ایک زبردست عالم تھے جن کا نام جناب سید یحییٰ دارابی تھا جن کو مفتی دربار ہونے کا شرف حاصل تھا اور شاہ آپ کی بیحد عزت کرتا تھا۔ تمام علمائے طہران کو چھوڑ کر شاہ کی نگاہِ انتخاب جناب سید یحییٰ دارابی پر پڑی ظاہر ہے کہ آپ کا علم و فضل کتنا ہوگا۔ آپ شیراز تشریف لے گئے اور اس امر کا امتحان کرنے کے لئے کہ حضرت باب کے دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے۔ مجتہد مذکور نے آپ سے سورۂ کوثر کی تفسیر کرنے کی درخواست کی رات بھر میں تفسیر سورۂ کوثر طیار ہو کر جناب سید یحییٰ دارابی کے حوالہ کر دی گئی۔ یہ تفسیر جناب یحییٰ دارابی کے معیار کے مطابق تھی۔ آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً ایمان لے آئے اور دربار میں اپنی شہادت کے وقت تک نہیں گئے۔

اس موقعہ پر بنارسی معترض صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں حضرت باب پر چند لوگوں کا ایمان لے آنا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ان کی صداقت کی دلیل کس طرح ہو گئی۔ کیا کابل میں گدھے نہیں رہتے۔ نہایت ادب سے گذارش ہے کہ غیر مسلم قومیں آپ کے متعلق بھی ایسا ہی خیال رکھتی ہیں۔ اگر آپ چند نہیں بلکہ کروڑوں ہیں۔ ایک صاحب شریعت جدیدہ کے دعوی پر ایمان لانے والے چند آدمیوں کے متعلق آپ یہ فرماتے ہیں کہ کیا کابل میں گدھے نہیں رہتے

کہ اپنے اپنے جال اپنے کاندھوں پر رکھو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ تاکہ میں
تمہیں آدمیوں کا شکار کرنا سکھا دوں۔ فی الفور یہ مچھیرے جو علم کی ابجد سے
بھی ناواقف تھے آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے یہ وہ
جاہل لوگ تھے جن کو قرآن مجید نے "انصار اللہ" کا خطاب دیا۔ کیا آپ کی
اجازت ہے کہ ان حواریین حضرت مسیح کو معاذ اللہ جاہل اجہل اور گدھا کہہ دیا
جائے۔ حضرت علی جن کی عمر اسلام پر ایمان لانے کے وقت صرف آٹھ
سال کی تھی اور جنہوں نے رسول اللہ کے یہ فرماتے ہی کہ کون ہے جو میرا وزیر
بنے لبیک کہا اور کفار مکہ نے آپ کی طرح ان کے فوراً ایمان لانے کا مذاق اڑایا
اور حضرت خدیجہ جو الف ب کبھی نہ جانتی تھیں رسول اللہ کے یہ فرماتے ہی کہ
آج میرے پاس جبرئیل آئے تھے فوراً ایمان لے آئیں۔ عمار یاسر جن کا مشغلہ
قمار بازی کے سوا کچھ نہ تھا اسی لئے ان کے نام کے ساتھ "یاسر" کا لفظ ہے
فوراً ایمان لے آئے۔ ابوذر غفاری جو صرف ایک گڈریے تھے اور "م" سے "ن"
کو کوئی لگاؤ نہ تھا رسول اللہ پر فوراً ایمان لے آئے۔

غرض ابتدائی مومنین سب کے سب بے علم اور بلال حبشی کی طرح نرے
علم سے بالکل عاری تھے مگر انہوں نے ایمان لانے میں بالکل تاخیر نہیں کی۔ کیونکہ
علم دوستی کے غرور نے ان کی لیاقت نہ کھودی۔ اگر آپ کا معیار تسلیم کر لیا جائے کہ جلدی سے
فوراً ایمان لے آنا جہالت بلکہ اجہل اور گدھا ہونے کی دلیل ہے تو پھر کہو ذرا مومن
مومنین کی جماعت کے متعلق کیا ارشاد ہے اور جب ان مسلمانوں کا فوراً ایمان
لانا جن کا علم سے بے بہرہ ہونا ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے حضرت بشیر

کی حقانیت و صداقت کا ثبوت ہے تو حضرت باب پر ابتدائی ایمان لانے والے (مجتہد نہ سہی) علما کا ایمان لانا جن کی علمی استعداد حضرت خدیجہ، حضرت علی، عمار یاسر، ابوذر غفاری اور بلال حبشی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی بلکہ زمین و آسمان کا فرق تھا حضرت باب اعظم کی صداقت و حقانیت کی دلیل کیوں نہیں ہے (نقل معترض اپنی یہ منطق خود ہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اگر چند جاہل اور بے علم لوگ حضرت پیغمبر اسلام پر بغیر کسی دلیل کے فوراً ایمان لے آئیں تو رسول اللہ سچے پیغمبر ہیں لیکن علما اگر حضرت باب پر امتحان و آزمائش اور دلائل و براہین کے بعد ایمان لے آئیں تو حضرت باب جھوٹے مدعی ہیں۔ کیا خوب انصاف ہے؟

حضرت باب پر ایمان لانے والے علماء کی تعداد ۱۸ سے گزر کر چار سو تک پہونچ گئی۔ یہ علما و نہ صرف ایمان ہی لائے بلکہ میدان شہادت میں بھی آگے آگے رہے۔ یہ کیفیت دیکھکر ناممکن بات تھی کہ عوام متوجہ نہ ہوتے۔ دونوں قسم کے لوگ مبعوث ہوئے ایمان لانے والے ایمان لانے کیلئے اور انکار کرنے والے انکار کرنے اور ظلم و ستم کے تاریخ کو ایک بار پھر دہرانے کے لئے۔

حضرت باب کو شیراز میں پہلے تو گرفتار کیا گیا پھر اپنے ماموں کے گھر میں نظربند کئے گئے اور اس کے بعد شیراز سے جلا وطن کردئے گئے تو آپ اصفہان پہونچے اصفہان کے گورنر منوچہر خان نے اس خیال سے کہ کہیں اصفہان میں بھی شیراز کی طرح کوئی عام ہنگامہ نہ ہو اپنے محل میں آپ کو مہمان رکھا اور چند روز کے اندر منوچہر خان بھی آپ پر ایمان لے آیا۔ قیام اصفہان کے زمانہ میں آپ نے علماء اصفہان کو مناظرہ کا چیلنج دیا لیکن علماء اس دعوت کو منظور نہ کرسکے۔ اسی مقام پر

امام جمعہ اصفہان کی درخواست پر سورۂ والعصر کی تفسیر نازل ہوئی۔ منوچہر خان کے انتقال ہو جانے کے بعد دربار طہران سے حکم آیا کہ ان کو طہران روانہ کر دیا جائے۔

آپ طہران کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو ماکو کے پہاڑ پر چلے جانے کا حکم آیا اور آپ نے قلعۂ ماکو کا رخ کیا۔ جہاں آپ ڈیڑھ سال مقید رہے۔ اسی قید خانہ میں آپ پر کتاب "البیان" نازل ہوئی۔ حضرت باب پر بے انتہا کلام نازل ہوا۔ اگر آپ کے کلام کے مقابلہ میں تمام کتب سماویہ کو یکجا کیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مذکورہ کتابوں کا وزن بہت ہلکا اترے گا۔

حضرت باب کی تمام زندگانی ہنگامہ خیز ہے۔ تمام مومنین حضرت باب نہایت تنگی و پریشانی اور بہت بڑی مشکلات میں گرفتار رہتے تھے ہزاروں مومنوں کا قتل کیا گیا۔ ایران کے شیعوں نے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں تک پر رحم نہیں کیا۔ خود حضرت باب کی تمام زندگی مختلف قید خانوں میں گزری۔ اس سے آپ پر نازل شدہ کلام کا محفوظ رکھنا بھی دشوار تھا۔ اس کی اشاعت کا تو ذکر ہی کیا ہے اور چونکہ شریعت حضرت باب کی مدت کل نو سال تھی اس لئے اس قدر کم زمانہ میں اس کلام کی اشاعت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اہل بہاء کے پاس یہ کلام محفوظ ہے اور لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اس کو شائع کیوں نہیں کرتے۔ لیکن اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اہل بہاء بابی نہیں ہیں اس لئے وہ اس مجموعہ کی اشاعت کے ذمہ دار نہیں۔ یہ اعتراض بابیوں پر ہو سکتا تھا

اگرچہ انھوں نے اب ایران میں کتاب البیان کو چھپوا کر شائع کر دیا ہے اور
ایران سے مل سکتی ہے۔ چونکہ عام طور پر حضرت باب پر نازل شدہ کلام
لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا اس لئے مخالفین کو اپنی من مانی کارروائیوں کا
موقعہ مل گیا اور انھوں نے جعلی لٹریچر تیار کیا اور منسوب کر دیا حضرت باب کی
طرف۔ اس لئے عوام میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اس غلط فہمی کو پیش نظر رکھ
کر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کلام کے کچھ اقتباسات بطور نمونہ پیش کر دیں تاکہ
اس رسالہ کے ناظرین محترم کو ایک ہلکا سا اندازہ ہو جائے کہ قرآن عجمی یعنی
البیان اور دوسرے عربی کلام کا عام انداز بیان کیا ہے۔ اور وہ حضرات
جو امر بہائی کی تحقیقات کرنا چاہتے ہیں وہ مخالفین کی عوام فریبیوں کا شکار نہ
ہو سکیں۔ اس لئے ہم سب سے پہلے حضرت باب کا دعویٰ اصلی الفاظ میں
پیش کرتے ہیں۔

بدأ. فقضاء قد سمعت ان بعضاً منهم قد ادعى مقام المباهلة فها انا ذا انادي ولا اخاف من احد انى قد امنت بآيات ربي وكون من البالغين العارفين وكل ما صدر ويصدر مني ومن خواص اصحابي فهو حق لا شك فيه ولا ريب يعتريه وكل من يقوم معي في ميدان الانكار فها انا ذا ابسم الله العلي العظيم ـ

بل میں نازل ہوا ہے وہ حق نہیں سکتا میں نے سنا ہے کہ ان میں سے کسی نے مقام مباہلہ کی دعوت دی ہے۔ میں پکار رہا ہوں میں کسی سے نہیں ڈرتا میں اپنے رب کی آیات پر ایمان لایا ہوں جو کچھ مجھ سے ظاہر ہوا اور ہو رہا ہے اور میرے خواص اصحاب کی طرف سے وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر وہ شخص جو میدان انکار میں میرے مقابلہ پر آتا ہے تو میں اس باعظمت اور بلند و برتر خدا کا نام لیکر دعا کرتا ہوں۔

(سورۂ کوثر)

قائم آل محمد حضرت باب اعظم کی ماموریت کے دو پہلو تھے: (۱) آیات متشابہات کی تاویل بیان کرنا۔ (۲) قیامت کبریٰ یعنی ظہور حسینی یا آمد مسیح کا اعلان اور ان پر ایمان لانے کی استعداد لوگوں میں پیدا کرنا۔

اس موضوع پر ہم اس باب میں ان کی بنیادی کتاب "بیان" سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں جن سے ان کی ماموریت کے ان دونوں پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اب تک معترضین نے حضرت باب سے جو عبارتیں منسوب کی ہیں وہ ان کی من گھڑت ہیں جن کو اصلیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ذیل کے اقتباسات سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ حضرت باب کے انداز کلام کی نوعیت کیا ہے۔ اب آپ آیات متشابہات کی تاویل کے بارے

میں اُس قرآنِ عجمی کا نا قابلِ مقابلہ بیان سنئے جس کے متعلق قرآن عربی نے کہا تھا کہ:

"انّہ لقرآن کریم فی کتابٍ مکنون لایمسّہ الاّ المطہرون"
بیشک وہ بزرگ قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں (یعنی جو ابھی نازل نہیں ہوئی) موجود ہے جس کو پاک و پاکیزہ اور اہل لوگوں کے سوا دوسرا شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یعنی سمجھ نہیں سکتا۔
آج وہ کتابِ مکنون اس طرح نغمہ سرا ہے۔

خطبة البیان

بسم الله الامنع الاقدس

تسبیح و تقدیس بساط مجد قدس سلطانی را لایق که لم یزل و لایزال بوده بوده
بکینونت ذات خود بوده و هست و هم لم یزل و لایزال بعلو ذات خود متعالی
از ادراک کل شیء بوده و هست خلق نفرموده آیه عرفان خود را در هیچ
شیء الا بعجز کل شیء از عرفان او و تجلی نفرموده بشیء الا بنفس او اذ لم یزل
متعالی بوده از اقتران بشیء و خلق فرموده کل شیء را بشانیکه کل بجوهریت
فطرت اقرار کنند نزد او در یوم قیامت بانکه نیست از برای او عدلی و نه
کفوی و نه قرینی و شبهی بل متفرد بوده و هست بملیک الوهیت خود و متعزز
بوده و هست بسلطان ربوبیت خود نشناخته است او را هیچ شیء بحق شناختن
ممکن نیست که بشناسد او را شیء بحق شناختن زیرا که آنچه اطلاق می شود
بر او ذکر شیئیت خلق فرموده او را بمالک مشیت خود و تجلی فرموده با او
بنفس او در رتبه مقعد او و خلق فرموده آیه معرفت خود را در کنه کل شیء تا آنکه یقین
کنند بانکه او است اول و آخر و او است ظاهر و باطن و او است خالق و
رازق و او است محیی و ممیت و او است مقتدر و ممتنع و او است متعالی
و مرتفع و او است که دلالت نکرده و نمی کند الا بر علو تسبیح او و تمنع

خلق فرموده و آیہ معرفت ایشان را در کینونت کل شئ مستقر فرموده تا آنکہ کل بکنہ کینونت خود شہادت دہند براینکہ اوست واحد اول و حی لم یزل و تکبر نفرموده احدی از ممکنات را الا بعرفان نفس خود و توحید کنہ کینونت ذات خود از ماسواه خلق شده قد خلق بامره الا له خلق والامر من قبل ومن بعد ذالک رب العالمین الخ۔

یہ کتاب بیان فارسی کا خطبہ ہے جو آسمانِ عرفان سے نازل ہوا حضرت علی محمد باب پر نازل ہوا۔ قرآن مجید کا خطبہ یعنی سورۂ فاتحہ بھی آپ کے سامنے ہے اور فاتحۃ البیان بھی آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ وہ بھی خدا کا کلام ہے اور یہ بھی۔ مگر صاحبانِ انصاف غور کریں کہ مذکورہ بالا خطبہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل کا مصداق ہے یا نہیں۔

بہائے ارض کہتے ہیں کہ حضرت باب سے جب کہا گیا کہ وہ قال کی گردان کریں تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے بچپن میں علم صرف پڑھا تھا اب بھول گیا۔ یہ کلام جو اب تک پیش کیا گیا یا آئندہ پیش کیا جائے گا ان کو دعوا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ کیا کوئی ہے جو مسئلۂ توحید کو اس سے بہتر بیان کر دے۔

قرآن مجید چیلنج دیتا ہے کہ: فاتوا بسورۃ من مثلہ مگر کتاب بیان کے باب ثانی میں دعوت دی گئی ہے کہ فاتوا بآیۃ۔

قیامت کے حقائق

الباب السابع من الواحد الثانی
فی بیان یوم القیامة

ملخص این باب آنکه مراد از یوم
قیامت یوم ظهور شجرهٔ حقیقت است
ومشاهده نمی شود که احدی از شیعه
یوم قیامت را فهمیده باشد بلکه همه
موهومات امری را توهم نموده که عند الله
حقیقت ندارد و آنچه عند الله و عند
عرف اهل حقیقت مقصود از یوم
قیامت است این است که از وقت
ظهور شجرهٔ حقیقت در هر زمان بهر
اسمی الی حین غروب آن یوم قیامت
است مثلاً از یوم بعثت عیسی تا
یوم عروج آن قیامت موسی بود
که ظهور الله در آن زمان ظاهر بود

دوسرے واحد کا ساتواں باب
روز قیامت کا بیان

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ روز
قیامت سے مراد شجرۂ حقیقت کے ظہور کا
دن ہے اور شیعوں میں کوئی بھی ایسا نظر
نہیں آتا جو روز قیامت کو سمجھا ہو بلکہ سب نے
ایسی موہوم باتوں کو مان رکھا ہے جس میں
خدا کے نزدیک کوئی حقیقت و صداقت نہیں
اور اہل حقیقت کی اصطلاح میں قیامت
مراد یہ ہے کہ شجرۂ حقیقت (یعنی پیغمبر)
جب کبھی اور جس نسبت بھی آئے
اس کے اظہار رسالت سے وفات تک
روز قیامت ہے مثلاً عیسیٰ کی بعثت سے وفات
تک موسیٰ کی قیامت تھی کیونکہ اس وقت
خدا کا ظہور عیسیٰ ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتا تھا

و از اول تا حین غروب اثمار شجرهٔ اسلام آنچه هست ظاهر می شود و قیامتِ بیان در ظهور من یظهره الله است۔

اور دینِ اسلام کا کمال اس وقت ہوگیا جب یہ ظہور شروع ہوا اور اب شروع سے وفات تک شجرۂ اسلام کے پھل ظاہر ہو جائینگے اسی طرح بیان کی قیامت من یظہرہ اللہ کے ظہور میں ہوگی۔

ظهور قائم آل محمد بعینه ظهور رسول الله است ظاهر نمی شود الا آنکه اخذ ثمرات اسلام را از آیات قرآنیه که در افئدهٔ مردم غرس فرموده نماید و اخذ ثمرهٔ اسلام نیست الا ایمان باو و اول این ظهور تا ظهور من یظهره الله درخت می شود ثمرهٔ او بقیامت اخری که در ظهور او است و حال که یوم قیامت است محل فصل القضا درین جبل است۔

قائم آلِ محمد کا ظہور بعینہ رسول اللہ کا ظہور ہے یہ اسی لئے ظاہر ہوا ہے کہ آیات قرآنی کے ذریعہ جو ثمر اسلام لوگوں کے دلوں میں بویا گیا تھا اس کے پھل حاصل کرے اور اسلام کا پھل حاصل کرنا یہی ہے کہ قائم پر ایمان لایا جائے اور اس ظہور کے شروع سے ظہور من یظہرہ اللہ تک کا پھل دوسری قیامت میں حاصل کیا جائے گا جو من یظہرہ اللہ کے ذریعہ قائم ہوگی اور اب جبکہ روز قیامت ہے فیصلے کرنے کا مقام اس کوہِ (ماکو) پہ ہے (جہاں کلامِ خدا کے ذریعہ فیصلے ہو رہے ہیں یہ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت باب مقید تھے)

سیر نماید عجائب مالا نہایتہ بما لا نہایتہ ملاحظہ می نماید مثلاً اگر در زمان رسول خدا کسی میّت شدہ بود میدید کل شیونی کہ بمن لم یومن بمحمد راجع می شود از عالم تجرد گرفتہ تا عالم تحدد نفی محض و نار بحت است و کل شیونی کہ بمن یومن بمحمد راجع می شود از عالم تجرد الی منتہی التحدد از شیون شجرۂ اثبات و جنت ثبوت بودہ و اوّل میّت نمودہ و ثانی میّت بودہ و اوّل چونکہ میّت نشدہ فانی شدہ در نفی و ثانی چونکہ میّت شدہ باقی ماند در اثبات۔

سیر کرے گا بے شمار عجائب دیکھے گا مثلاً جو کوئی رسول اللہ کے زمانہ میں مردہ ہو جاتا تھا تو وہ دیکھتا تھا کہ محمد پر ایمان نہ لانے والوں کے کل حالات عالم تجرد سے عالم تحدد تک سب کے سب سراسر نفی و نار ہی نار ہیں اور محمد پر ایمان لانے والے کے تمام احوال عالم تجرد سے عالم تحدد تک سب شجرۂ اثبات اور جنت کے شیون و احوال ہیں اور اوّل مذکر یعنی منکر محمد حق میں فنا نہ ہوا اور ثانی المذکر یعنی مومن محمد حق میں فانی اور محو ہو گیا تھا اور اوّل الذکر چونکہ حق میں فانی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے نفی میں فنا ہو گیا اور ثانی الذکر چونکہ حق میں فانی ہو گیا اس لئے اثبات میں باقی رہا اور حیات ابدی حاصل کی۔

الباب التاسع من الواحد الثانی

فی بیان حقیقۃ القبر

دوسرے واحد کا نواں باب

قبر کی حقیقت

ملخص این باب آنکہ از برائے

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر روح

هر روحی قبری دارند امکنهٔ خود مقدر
و کل منتهی می گردند در حین ظهور
من یظهره الله بنفسیکه بعث او
بعث کل می شود و حشر او حشر
کل و خلق او خلق کل و خروج
او خروج کل از قبر خود چنانچه
در نقطه بیان حینی که مظهر او بعث
بعث رسول الله را از نفس او فرمود
و بعث آنچه در ظل او محشور شود
نزد بعث او می شود و همین
اگر حکم بعث بر رسول الله شد
متدینین او بطریق اولی خواهد
شد و هیچ نفس مؤمنی نیست که روح
او قبض شود الا آنکه قبر او روضه
می شود از روضات جنت خلد و آنچه
دوست دارد خداوند در او خلق فرموده
و نزد او مهیا است و هم چنین هیچ
نفسی نیست که مؤمن به بیان نشد
الا آنکه قدرت ندارد آنچه برای او

کے لئے اپنے مقام پر ایک قبر ہے اور
ظہور من یظہرہ اللہ کے وقت سب کے سب
اس نفس پر منتہی ہو جاتے ہیں جس کی
بعثت سے سب کی بعثت ہوتی ہے جس کے
حشر سے سب کا حشر ہوتا ہے جس کا خروج سب
کا اپنی قبر سے نکلنا ہوتا ہے چنانچہ نقطۂ بیان میں
یہی ہوا جبکہ مظہر الٰہی نے اپنے ظہور سے
رسول اللہ کی بعثت نقطۂ بیان کے
نفس میں نمودار فرمائی اور جو کچھ رسول اللہ
کی ظل میں مشہور ہوا تھا وہ اب
نقطۂ بیان کے ظہور میں محشور ہو رہا ہے اور
جبکہ رسول اللہ کی بعثت کی گئی تو رسول اللہ
کے ماننے والوں پر بطریق اولیٰ بعثت کا حکم
لگے گا اور کوئی مومن نہیں ہے جس کی روح
قبض ہو مگر اس کی قبر جنت کے باغیچوں میں سے
ایک باغیچہ ہو جاتی ہے اور وہ مومن جو کچھ پسند
کرتا ہے خداوند عالم اس کے لئے وہی پیدا کرتا
ہے اور اس طرح کوئی نہیں ہے جو کتاب بیان پر
ایمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ تکلم میں جان کی طاقت

رسول خدا قرار داده کل آیات
الله قائم است ہمیں قسم امروز
که روز بعث قرآن است
کل بامر الله مبعوث و قائم می شود
و کل ما علی الارض بین یدی الله
است و بعث کل بر جوہر کل
می شود چنانچہ خلق کل بر
نفس واحد می شود حینی که نفس
واحده بعث می شود کل شی
فرداً فرداً در امکنه خود می شود
اگرچہ بذکر الله باشد که خداوند
نازل فرماید بعث شی را وکسی
غیر از او نداند و لشہادت الله
کل شہادت دہند و تا آنکه کسے
ناظر بنقطۂ حقیقت نشود
ادراک بعث کل شی را در نفس
واحده نتواند کرد و بعد ہیچ
نفسی از نفس میت نمی شود که
از قبر ترابی بیرون آید بلکه بعث

غیر طیبین وائے غیر اللہ کے ذریعہ پیدا ہوئے
کیونکہ جو کچھ قرآن میں رسول اللہ نے قرار دیا
ہے وہ سب آیات الٰہی سے قائم ہے یہ بات
آج بھی جبکہ قرآن کی بعثت کا زمانہ ہے سب
سب لوگ امر اللہ سے قائم اور مبعوث ہوتے
ہیں اور تمام روئے زمین کے لوگ خدا کے
سامنے ہیں اور سب کی بعثت جوہر کل کی بعثت
سے ہوتی ہے چنانچہ سب کی خلقت نفس واحد
سے ہی ہوتی ہے جب نفس واحد کی بعثت
ہوتی ہے تو سب لوگ فرداً فرداً اپنی اپنی جگہ
مبعوث ہوتے ہیں اگرچہ حضرت خدا کے ہی فرمان
سے بعثت ہو کہ وہ فرما دے کہ ہم نے فلاں چیز
کو مبعوث کر دیا اگرچہ خدا کے سوا کوئی مبعوث
بھی نہ کر سکے اور خدا کی شہادت کے وقت سب
اس بات کی گواہی دیں اور جب کوئی شخص
نقطۂ حقیقت (پیغمبر) پر نظر نہ ڈالے سب
لوگوں کا نفس واحدہ میں مبعوث ہونا اس
کی سمجھ میں نہیں آ سکتا اور یہ بات تو نہیں ہے
کہ قیامت کے روز کوئی جسمانی تربت سے مردے

کل از نفس احیاء آن زمان
می گردد اگر از علیین است
از مؤمنین و اگر از دون
علیین است از دون آن۔

ہوں کہ پھر مٹی کی تہہ سے نکلیں نہیں بلکہ سب
جو مبعوث ہوتے ہیں تو اس وقت کے موجودہ
لوگوں میں سے ہی ان کی بعثت ہوتی ہے اگر
وہ علیین میں سے ہیں تو مومنین میں مبعوث
ہوتے ہیں اور اگر علیین میں سے نہیں ہیں تو
غیر مومنین میں محشور ہوتے ہیں۔

باب الثانی والعشر من الواحد الثانی

فی بیان الصراط وانه حق

ملخص این باب آنکه مراد
از صراط در هر زمان ظهور الله و امر
او بوده هر کس مستقر بوده بر صراط
حق بوده والا بر دون صراط۔
مرور بر این صراط که آیات بیان
باشد بدرجات بوده بسا انفس که
بر سرعت گذشته و داخل جنت
می شوند و چه بسا از انفس که
در حین گذشتن بنار می افتند
و بسا اشخاصیکه واقف می شوند

دوسرے واحد کا بارہواں باب

صراط حق ہے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ صراط سے
مراد ہر زمانہ میں خدا کا ظہور اور اس کا امر ہے
جو شخص حکم الٰہی پر قائم ہو تب صراط پر ہوتا
ہے ورنہ صراط حق سے الگ باطل پر ہوتا ہے
یہ صراط بیان کی آیات ہیں اس صراط پر چلنے والے
مختلف درجات کے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں
صراط سے گذر کر اس جنت میں پہنچ جاتے
ہیں اور کتنے ہی اس پر سے گذرتے ہوئے
دوزخ میں گر پڑتے ہیں اور بہت سے اشخاص
اس صراط پر کھڑے حیران رہ جاتے ہیں

حساب می فرماید کل را ولی حکم
ظاهر نمی گردد و امّا در حین ظہور
و حساب می فرماید کل را در
یوم قیامت بیک کلمۂ واحده
چنانچہ در این قیامت حساب
کل خلق را فرمود بیک کلمہ
و آن این است انّنی انا اللّٰہ
لا الہ الا انا رب کل شئ ہر کس
تامل نمود در نار نفی بعدل
حساب کرده شد و ہر کس تصدیق
کرد بنور اثبات بفضل حساب کرده
شد نفی گشته فنائے ایمانی نہ فنائے
جسدی بعدل در نار الیٰ یوم القیامۃ
معذب می گردند و بفضل الیٰ
یوم القیامۃ در جنت متنعم می گردند۔

صرف ظہور کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور خدا
قیامت کے دن صرف ایک کلمہ سے سب کا
حساب لیتا ہے جیسا کہ اس قیامت (ظہور
حضرت باب) میں سب کا حساب ایک کلمہ
سے لیا اور وہ کلمہ یہ ہے کہ "میں خدا ہوں
میرے سوا کوئی خدا نہیں میں سب کا
پروردگار ہوں" جو شخص اس کلمہ حق کے
اقرار میں تامل کرتا ہے وہ قانون عدل کے
مطابق حساب ہونے پر آتش نفی میں جاتا ہے
اور جو شخص اقرار کر لیتا ہے وہ قانون فضل
کے مطابق حساب ہونے پر نور اثبات میں رہتا ہے
منکر ایمانی وجود کے اعتبار سے فنا ہو جاتا ہے نہ
کہ جسمانی لحاظ سے۔ منکر آئندہ قیامت تک عدل
کے مطابق نار میں عذاب پاتا ہے اور مومن آئندہ
قیامت تک جنت میں آرام پاتا ہے۔

الباب الخامس من الواحد الثانی

فی بیان کتاب وانہ حق

دوسرے واحد کا پندرھواں باب

کتاب حق ہے

ملخص این باب آنکہ مراد از

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ کتاب

کتاب چیزی است که از قبل
نقطهٔ حقیقت ظاهر شود زیرا
که از برائی ذات ازل تبدیلی
و تغییری نیست بلکه کتاب نقطهٔ
بیان کتابی است که مدل علی قدر
است زیرا که غیر الله قادر بر آن
کتاب نیست و آن از یک حرف
گرفته ما بنهایة ذکر می شود و
چه بسا از ملاحظه علو و فضل و
رحمت خود نازل می فرماید ولی
بر آن کس که نازل می شود ملتفت
نمی شود بلکه قلم حیا می کند
که ذکر کند و حال آنکه شب و
روز می خواند اللهم اعطنی کتابی
بیمینی حال که خدا عطا فرموده نمی گیرد
بلکه معنی را که رسولی است از
رسول او اگر بتواند از آنچه
قلم حیا می کند در حق او مرتکب
شود و حال آنکه کتاب خدائی او

مراد وہ چیز ہے جو نقطۂ حقیقت سے ظاہر
ہوتی ہے کیونکہ خداوند ازل کی ذات میں کوئی
تبدیلی اور تغیر نہیں بلکہ نقطۂ بیان کی تحریر
ہی خدا پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غیر اللہ ایسی
کتاب پر قادر نہیں ہے اور ایک حرف سے
لیکر بے شمار حروف و آیات تک کتاب کہتی
ہے وہ اپنی برتری و فضل سے کتاب نازل فرماتا
ہے۔ مگر جس شخص کے لئے کتاب ہوتی ہے
وہ پروا نہیں کرتا بلکہ ایسے کام کرتا ہے
کہ قلم انکے ذکر سے شرماتا ہے حالانکہ
رات دن یہ دعا پڑھتا رہتا ہے کہ الٰہی
میری کتاب میرے داہنے ہاتھ میں
عطا فرما" اب جبکہ کتاب عطا ہوئی
تو اسے نہیں لیتا بلکہ کتاب دینے
والے کے حق میں ایسی شرم باتیں کہتا
ہے یہ کتاب دینے والا خدا کے رسولوں
میں سے ایک رسول ہے اور یہ کتاب
خدا کی کتاب ہے اور پیغمبر بھی خدا کا
ہے اپنے فضل و کرم سے اس شخص

الباب السادس عشر من الواحد الثانی

فی بیان ان الجنة حق

در علم الله هیچ جنتی از ظهور
الله در نقطه مشیت اعظم تر
نبوده و نیست چنانچه از ظهوری
لظهوری جنت الظهور است۔

کل جنت در توحید خدا و
عرفان او و رضائی او و اطاعت
مظاہر امر اوست بعد ازاں کہ منقطع
باشد نفسی ازاں چه جنتی است
اگرچه در عمر منتهائی لذت
ممکنه متنعم گردد که آخر راجع بفنا
می گردد این است حقیقت
جنت در عالم حیات و لبعد از موت
لایعلم الا الله هذه مالا
عین رأت و لا اذن سمعت
و لاخطر علی قلب بشر هیچ
جنتی اعظم تر از برائی نفسی

واحد ثانی کا سترھواں باب

جنت کی حقیقت

خدا کے علم میں اس سے بڑی جنت نہیں کہ
خدا کا ظہور نقطہ مشیت یعنی پیغمبر میں ہو چنانچہ
ایک ظہور سے لیکر دوسرے ظہور تک
جنت ظہور ہے۔

تمام جنت خدا کی توحید اور اس کے
عرفان اس کی رضا اس کے مظاہر امر کی
اطاعت میں ہے جو آدمی اس مرکز سے
جدا ہو اس کے لئے جنت کیسی اگرچہ وہ
اپنی زندگی میں ہر ممکن لذت و نعمت پائے
کہ آخر سب کچھ فنا ہوگا اس زندگی میں جنت
کی حقیقت یہی ہے اور مرنے کے بعد وہ
جنت ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا کوئی نہیں
جانتا کہ کسی نے دیکھی نہ کسی کان
سے سنا نہ کوئی اس کا تصور کر سکا
کسی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی جنت
نہیں کہ ظہور الہی کے وقت مجود

یہ فیصلہ باقی ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے یا نہیں۔ قبل اس کے کہ حضرت باب کے مخالفین اس موضوع پر بحث کریں ادبی کوئی لفظ زبان یا قدرت نکالیں ان کو ایک معیار مقرر کرنا چاہئے جو فارق بین الحق والباطل ہو۔ فضول بحثوں سے بچنے کے لئے ہم ایسا معیار پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن مجید میں خدا نے نازل فرمایا ہے اور ہمارے اور مخالفین کے درمیان مسلم ہے وہو ہذا۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

(سورہ ہود)

کیا وہ کہتے ہیں کہ محمد نے قرآن کو بنا ڈالا ہے، تو کہو تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور خدا کے سوا جس کو بلا سکو بلا لو اگر سچے ہو۔ پس اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں یعنی تمہاری بنائی ہوئی سورتوں کو نہ مانیں تو یقین کرو کہ بیشک یہ قرآن خدا نے علم سے نازل کیا ہے اور یہ کہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں پس کیا تم گردن جھکاؤ گے۔

مذکورہ بالا معیار سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام خدا اور کلام بشر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ خدا کے کلام کی گواہی دینے والے پیدا ہوتے ہیں جو اپنی زبان اپنے عمل اور اپنے خون سے شہادت دیتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے لیکن کلام انسانی اس صفت سے خالی ہوتا ہے۔ پس اس مسلمہ معیار کے مطابق ہم اعلان کرتے ہیں کہ کتاب بیان کے منزل من اللہ ہونے کی گواہی ایک دو نہیں بلکہ

اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو منکرین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

قرآن مجید کے مثل ہم بھی چیلنج دیتے ہیں کہ اگر کسی کو کتاب مبین کے متعلق یہ شک ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے تو وہ اس کتاب کی ایک آیت کی مثل آیت لائے اور حضرت باب کی طرح اپنی بنائی ہوئی آیت کی طرف لوگوں کو دعوت دے اگر اس آیت پر گواہی ثابت نہیں کہ کتاب بیان کے کلام الٰہی ہونے کی گواہی تمام دنیا میں دی جا رہی ہے اور ہرگز کوئی شخص ایسی شہادت نہیں لا سکتا تو وہ یقین کرے کہ کتاب بیان بیشک من اللہ ہے اور اس کو اس آگ سے بچنا چاہئے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو خدا نے منکرین کے لئے تیار کی ہے۔

متفرقات

۱۹۳۷ء کے موسم بہار کا آغاز تھا کہ ہمیں امر بہائی کا پیغام ملا ہم نے موافق و مخالف لٹریچر کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا اور بالآخر ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوئے کہ امر بہائی کی صداقت و حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ مخالفین نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ دیانت داری اور انصاف کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ان پر تو ان کا یہ اعتراض ہے کہ وہ قرآنی آیات کی دور از کار تاویلات کرتے ہیں لیکن انہوں نے امر بہائی کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جس کی مثال

تاریخ مذاہب پیش کرنے میں تو صاحب اُنھوں نے نہ صرف تاریخ کو مسخ کرکے
پیش کیا ہے بلکہ ایسے جعلی بیانات مرتب کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جن کا بہائی
تاریخ میں کچھ پتہ نہیں اور بے معنی عبارتیں تصنیف کرکے حضرت باب
کی کتابوں سے منسوب کرنا تو ان کا مخصوص حصہ ہے۔ ہمیں خصوصاً ایرانی شیعہ
حضرات سے تو ایسی انتہا شرمناک اور قابل نفرت روش کی قطعی امید
نہیں تھی۔ البتہ ہندوستان کے شیعہ علماء نے اس طرف کوئی خاص توجہ
نہیں کی اور ان میں سے دو ایک نے کچھ لکھا بھی ہے تو وہ ایرانی علماء اور
دوسرے ایرانی معترضین کا ہی خوردہ نوش ہیں۔

رسالہ انتقاد تذکرۂ آل محمد کے مصنف نے امر بہائی کی تاریخ
کی نسبت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا بیشتر حصہ بہائی مخالف لٹریچر سے
ماخوذ ہے جن کے جواب کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں تو ناظرین کرام کو بہت
جلد اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر مخالفین نے عجیب و غریب جرأت سے کام لے کر
عوام کو کس طرح کھلے فریب میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔

(۱) فاضل معترض نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۵۸ پر ایک مباحثہ درج فرمایا
ہے اور لکھا ہے کہ یہ مباحثہ حضرت باب اور علماء کے درمیان
ناصر الدین شاہ کے دربار میں اس وقت ہوا تھا جبکہ ناصر الدین شاہ ولی عہد
تھا اور حضرت باب چہریق کے قلعہ میں قید تھے۔ اس مباحثہ سے ثابت
ہوتا ہے کہ حضرت باب علم صرف و نحو اور دیگر علوم کے ابتدائی مسائل
کا جواب دینے سے بھی عاجز تھے۔ ہم اپنے مطالعہ اور تجربہ کی بنا پر نہیں

کرتے ہیں کہ آج تک کسی غیر جانبدار معقول شخص نے اس مباحثہ کے متعلق یہ یقین ہی نہیں کیا کہ یہ مباحثہ مطابق واقعہ ہے۔ ناظرین خود اس رسالہ کو حاصل کر کے اس مباحثہ کو پڑھیں ایک سطحی نظر بھی ثابت کر دے گی کہ یہ مباحثہ از سرتاپا جعلی ہے۔ مثلاً علماء نے پوچھا کہ خدا نے مال غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ اپنے لئے مخصوص کیا ہے مگر تم نے ثلث یعنی تیسرا حصہ مخصوص کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے اور حضرت باب نے یہ جواب دیا کہ ثلث خمس کا نصف ہوتا ہے دونوں میں فرق ہی کیا ہے۔ یا مثلاً علماء کا سوال کرنا کہ اچھا قَالَ کی گردان کیجئے اور حضرت باب کا یہ جواب دینا کہ علم صرف میں نے بچپن میں پڑھا تھا بھول گیا۔ ظاہر ہے کہ جس ذات مقدس پر سب سے پہلے جماعت علماء ایمان لائی ہو اور علماء بھی ایسے جن کا نام صاحب ناسخ التواریخ جیسے دشمن نے بھی نہایت ادب و احترام سے لیا ہے اور سب سے پہلے علماء کا آپ پر ایمان لانا آپ کا وہ امتیازی وصف ہے جو تاریخ ادیان میں حضرت باب سے پہلے کسی پیغمبر کو حاصل نہیں ہوا اس سے ایسی جہالت سرزد ہونا کیونکر ممکن ہے اور ایسے جعلی اور خرافات مباحثہ پر وہی ایمان لا سکتا ہے جس نے اپنی دونوں آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہو۔ ہم نے کتاب بیان سورہ کوثر اور دیگر آیات کے اقتباسات اسی لئے پیش کئے ہیں تا کہ ہندوستان و پاکستان کے معترضین اور تحقیق پسند حضرات کو معلوم ہو جائے

کہ حضرت باب کا مبلغ علم کتنا تھا اور ان کی طرف اس قسم کے مباحث منسوب کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

(۲) فاضل معترض نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۳۱ پر ایک اور عبارت پیش کرتے ہوئے اس کو حضرت باب کی کتاب دلائل سبعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے:-

بسم اللہ الفرد ذی الافراد۔ بسم اللہ الفرد ذی المفردہ
بسم اللہ ذی المفرادد بسم اللہ ذی المفردین بسم اللہ
ذی المفرد، یا اللہ ذا الافراد [illegible] ذی المفردات
ذی المفردون قل اللھم انک فرد السموات والارض
تا آخر۔

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے کیا نکات ہے کیا اعجاز ہے؟ اور پھر فرماتے ہیں کہ اگر کسی بہائی میں دم ہو تو اس کی تردید کرے۔

مذکورہ بالا عبارت معترضین کی دیانت داری اور انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ فاضل معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی بہائی میں اس عبارت کی تردید کا دم ہو یا نہ ہو مگر ہم میں اتنا دم ہے اور ہم ان کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ ثابت کریں کہ دلائل سبعہ کل کتنے صفحات پر مشتمل ہے کہاں چھپی ہے اور کس مطبع میں؟ اس کا ناشر و طابع کون ہے اور کیا ثبوت ہے؟ کہ وہ حضرت باب کی کتاب ہے۔ جناب ثانی:

آپ نے تو خواب میں بھی دلائل سبعہ نہ دیکھی ہوگی۔ اگر فاضل معترض
میں دم ہو تو اہلِ بہاء کی مصدقہ "دلائل سبعہ" پیش کریں۔

(۳) فاضل معترض اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۸۴ پر فرماتے ہیں کہ:

"باب نے اپنی تفسیر سورۂ کوثر میں حضرت حجۃ بن حسن [illegible]
غیبت صغریٰ نواب اربعہ وغیرہ کا اقرار کرتے ہوئے [illegible]
سے ثبوت دیا ہے اور صریحی طور پر یہ لکھا ہے کہ جو شخص
وحی و الہام کی نسبت میری طرف دیتا ہے وہ کافر ہے"

اور آپ حضرات تعجب سے سنیں گے کہ فاضل معترض اس کے ثبوت
میں ایک دشمنِ امر بہائی کے رسالہ نور دانش کا صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ پیش کرتے
ہیں۔ کیا کہنا اس انصاف اور دیانت داری کا۔ اور کیا کہنا جناب
کی تحقیق پسندی کا کہ جب دیکھا کہ تفسیر سورۂ کوثر تو ہمارے دشمنوں
نے بھی نہیں دیکھی تو رسالہ نور دانش ہی کو پیش کر دیں [illegible]
سمجھیں گے کہ یہ بھی کوئی بہائیوں کا رسالہ ہوگا۔ آپ کی یہ [illegible]
ہمت نہ ہوئی کہ نور دانش کا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

موفق بتوحید خداوند جل ذکرہ و نبوت رسول و ولایت اہل ولایت او است و لسانم مقر بدیں عزائمند شدہ است امید رحمت او را دارم و مطلق خلاف رضائے حق نخواستہ ام و اگر کلماتے کہ خلاف رضائے او بودہ از قلم جاری شدہ غرضم عصیان نبودہ و در ہر حال مستغفرم تا ہم حضرت او را و ایں بندہ را مطلق علمی نیست کہ منوط بادعای باشد استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ من ان ینسب الی امر و بعضی مناجات و کلمات کہ از من جاری شدہ و بیش بر ہیچ امری نیست و مدعی نیابت خاصہ حضرت حجت علیہ السلام را محض ادعای مبطل و ایں بندہ را چنیں ادعائی نبودہ و نہ ادعائی دیگر دعوی از الطاف حضرت شہنشاہی و آنحضرت چناں است کہ ایں دعا گو را بمرحمت و عنایت بساط رافت و رحمت خود سرفراز فرمایند۔ والسلام

ترجمہ :

میری جان آپ پر قربان ہو۔ تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں اور وہ ہی ان کا مستحق اور اہل ہے جس نے اپنے فضل اور اپنی رحمت کے مظاہر کو ہر زمانہ میں اپنے تمام بندوں کے شامل حال رکھا ہے خدا کا شکر ہے اور پھر اس کا شکر ہے کہ آپ جیسی ہستی کو اس نے اپنی رحمت و مہربانی

چشمہ قرار دیا ہے اسی کی مہربانی کا ظہور ہے کہ نادموں کو معافی
ملتی رہی ہے۔ مجرموں کی خطاپوشی ہوتی اور باغیوں پر رحم
ہوتا رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس بندہ عاجز کا کوئی ارادہ
رضائے الٰہی اور اس کے اولیاء کی خوشنودی کے خلاف نہیں
ہے۔ میری زبان اس کے تمام نازل شدہ کلام کی شہادت
دیتی ہے اگرچہ میں مجسم گناہ ہوں لیکن میرا دل توحیدِ الٰہی
اس کے رسول کی نبوت اور اس کے اولیاء کی ولایت سے
موافق ہے میں اس کی رحمت کا امیدوار ہوں اور میں نے خدا
کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں چاہا ہے اگر کچھ کلمات جو اس کی
رضامندی کے خلاف ہیں اور کلمات زبان قلم سے جاری ہو گئے
ہیں ان سے خدا کی نافرمانی مقصود نہ تھی۔ بہرحال میں
معافی کا خواستگار اور طالب ہوں آپ کے اس بندہ کے
علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو کسی دعویٰ سے مربوط ہو
میں خدا کے سامنے ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں جو میری طرف
منسوب کی گئی ہیں اور بعض کلمات جو مناجاتیں زبان سے
جاری ہو گئی ہیں وہ کسی دعویٰ کا ثبوت نہیں ہیں جو شخص
حضرت حجتہ کی نیابت خاصہ کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اس
بندہ کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے نہ کوئی اور دعویٰ ہے
میں حضور شہنشاہ اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی

مہربانی سے مجھے معاف کریں۔" والسلام

اس توبہ نامہ کا جو جواب علمائے ایران نے تصنیف کیا ہے وہ بھی درج ذیل ہے:۔

"جواب علمائے اعلام تبریز"

"سید علی محمد شیرازی شما در بزم ہمایوں ومحفل میمون در حضور نواب اشرف والا ولی عہد دولت بے زوال ایدہ اللہ و سددہ ونصرہ و حضور جمع از علمائے اعلام اقرار بمطالب چندی کردی کہ ہر یک جداگانہ باعث ارتداد شما است و موجب قتل توبۂ مرتد فطری مقبول نیست وچیزی کہ موجب تاخیر قتل شما شدہ است شبۂ خبط دماغ است کہ اگر شبہ رفع شود احکام مرتد فطری بشما جاری می شود۔"

محل مہر: اصغر الحسنی الحسینی حررہ خادم الشریعۃ المطہرہ ابو القاسم الحسنی

ترجمہ:

"سید علی محمد شیرازی تم نے ولی عہد کے دربار میں علمائے اعلام کے سامنے چند ایسی باتوں کا اقرار کیا ہے کہ جن میں سے ہر ایک جداگانہ طور پر تمہارے مرتد ہونے اور قتل کا سبب ہے مرتد فطری کی توبہ قبول نہیں ہے تمہارے قتل میں صرف اس لئے

تاخیر ہو رہی ہے کہ تمہارے دیوانہ ہونے کا شبہ ہے اگر
یہ شبہ رفع ہو گیا تو مرتد فطری کے احکام تمہارے لئے
جاری ہو جائیں گے۔"

مذکورہ بالا جعلی توبہ نامہ اور جعلی جواب توبہ نامہ کی حیرت انگیز مثال تاریخ عالم میں نہیں ملے گی اب ہم اس رسوائے عالم سازش کی قلعی کھولتے ہیں اگر معترضین کے دل کے کسی گوشہ میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان اور انصاف باقی رہ گیا ہے تو وہ اپنے پیش کئے ہوئے اس توبہ نامہ سے توبہ کریں ہمیشہ کے لئے عہد کریں کہ وہ آئندہ ایسی خرافات شائع کر کے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا نہ کریں گے۔

(۱) علمائے اسلام تبریز کے جواب کو پڑھ کر ہم خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت باب کے متعلق اپنی یہ تحقیقات جاری رکھی کہ ان کے دماغ میں خلل تو نہیں ہے اور اس تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ دماغ میں خلل ہونے کا شبہ نکل گیا اور حضرت باب نے بقائمی ہوش و حواس مہدی موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا تھا یہی وجہ تھی کہ شبہ خبط دماغ نکلتے ہی انھوں نے اس حقیقی قائم آل محمد کے قتل کا فتویٰ دے کر جس کے ظہور کی وہ شب و روز دعائیں مانگا کرتے تھے ۷۰ گولیوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا۔ ان کے اس فتویٰ نے اس وقت تک کے لئے دنیا میں ایک تاریخی دستاویز چھوڑ دی جب تک کہ حضرت باب کا ذکر اس زمین پر موجود ہے اور اس بات کا نہ مٹنے والا ثبوت مہیا

کر دیا کہ ان کا موعود "دیوانہ" نہیں تھا کیونکہ دیوانہ اور مجنون اعلیٰ سن آدمی کو قتل نہیں کیا کرتے۔

(۲) معترضین جواب دیں کہ اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ مذکورہ بالا توبہ نامہ مع جواب علماء ایران کی مجلسِ شوریٰ میں موجود ہے ان کا فرض ہے کہ وہ مجلسِ شوریٰ کی مصدقہ نقل شائع کریں۔

(۳) اگر یہ درست ہے کہ یہ توبہ نامہ مجلسِ شوریٰ میں موجود ہے تو مجلسِ شوریٰ اور معترضین دونو جواب دیں کہ دنیا کی کوئی مہذب اور قانونی گورنمنٹ ایسی لغو دستاویز اور تحریر کو قبول کرنے کے لئے طیار ہے جس کے متعلق یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کس کو لکھی گئی ہے اور کس نے لکھی ہے کیونکہ اس توبہ نامہ کے شروع میں کسی شخص کا نام ہی نہیں ہے نہ القاب و آداب ہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ لکھنے والے نے یہ خط کس کو لکھا ہے نہ اس توبہ نامہ کے آخر میں توبہ کرنے والے کے دستخط ہیں۔ ایسی حالت میں کیونکر ثابت ہو کہ یہ خط حضرت باب نے ولی عہد کو لکھا ہے اور حضرت باب ہی نے لکھا ہے۔ کیا بادشاہوں اور حکومتوں کو اسی قسم کی بے سروپا تحریریں بھیجی جاتی ہیں۔ مہذب اور قانونی گورنمنٹ تو بڑی چیز ہے ایک معمولی آدمی بھی اگر اپنے کسی دوست کو کوئی خط لکھتا ہے تو شروع میں نام و القاب لکھتا ہے آخر میں اپنا نام اور تاریخ لکھتا ہے پس ایسی بے قاعدہ اور گستاخانہ تحریر ولی عہد سلطنت یا شاہِ ایران نے کس قاعدے قبول کرلی اور کس قانون کے مطابق یہ لغو توبہ نامہ شائع کیا

میں موجود ہے یا معترضین کس دلیل سے اس تحریر کو حضرت باب کی تحریر سمجھتے ہیں۔

(۴) تبریز کے علمائے اعلام سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ اس توبہ نامہ پہ نہ مکتوب الیہ کا نام ہے نہ توبہ کرنے والے کا اور نہ تاریخ و سنہ ہے آپ نے کس دلیل سے اس توبہ نامہ کو حضرت باب کا توبہ نامہ سمجھا اور کس قانون سے علی محمد شیرازی کے خطاب سے اپنے جواب کو شروع کیا۔ کیا اسی کو کہتے ہیں حاکم شریعت ہونا اور کیا اسی کا نام "اعلمیت" ہے اور اگر یہ اعلمیت ہے تو پھر جہالت کس چیز کا نام ہے۔ ایسی ناجائز حرکت کرنے والے "علماء اعلام" کی سزا شریعت میں کیا ہے جو خود ہی کسی کی طرف سے توبہ نامہ گھڑ لیں اور خود ہی جواب لکھ کر دنیا کو دھوکہ دیں یا کم از کم یہ ہی نہ دیکھیں کہ یہ خط کس نے بھیجا ہے کس کو بھیجا ہے۔ اس نے اپنے دستخط اس توبہ نامہ پر کیوں نہیں کئے اور اگر اس نے کل کو انکار کر دیا اور کہدیا کہ میں نے کوئی توبہ نہیں کی نہ یہ میرا توبہ نامہ ہے تو پھر کیا منہ دکھائیں گے۔

ناظرین محترم! حضرت باب کا یہ کھلا اعجاز تو دیکھیں کہ ان کی خدائی طاقت و قوت نے مجرموں کو ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ جرم بھی نہیں کرنے دیا اور ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی ذلت و رسوائی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۵) بعض معترضین نے کہا ہے کہ اس توبہ نامہ کا بلاک پروفیسر براؤن نے

اپنی کتاب ریلیجن آف بہائی میں شائع کر دیا ہے۔

آئیے دیکھیں پروفیسر براؤن ان صاحب ایمان معترضین کی کیسی خاطر تواضع فرماتے ہیں۔

پروفیسر موصوف اپنی کتاب MATERIALS FOR THE STUDY OF THE BABI RELIGION کے صفحہ 256 پر یوں رقمطراز ہیں:-

B. THE SECOND DOCUMENT. UNSIGNED AND UNDATED, IS APPARENTLY IN THE BAB'S HANDWRITING AND CONSISTS OF A COMPLETE RECANTATION AND RENUNCIATION OF ANY SUPERHUMAN CLAIM WHICH HE MAY HAVE ADVANCED OR HAVE APPEARED TO ADVANCE. THERE IS NOTHING TO SHOW .... TO WHOM IT IS ADDRESSED, OR WHETHER IT IS THE RECANTATION REFERRED TO IN THE LAST PARAGRAPH OF THE PRECEDING DOCUMENT OR ANOTHER. THE HANDWRITING THOUGH GRACEFUL, IS NOT EASILY LEGIBLE, AND THE TEXT APPEARS TO RUN AS FOLLOWS.

ترجمہ:-

(ب) دوسری دستاویز جس پر نہ دستخط ثبت ہیں نہ تاریخ تحریر بظاہر باب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ دستاویز کسی مافوق الانسان مقام کے دعویٰ سے جو باب نے کیا ہو یا اس کی طرف سے کیا جانا ظاہر ہوتا ہو پورے انکار اور دستبرداری پر مشتمل ہے۔ اِس دستاویز سے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ اِس کا مخاطب کون ہے نہ یہ کہ آیا یہ وہی انکار ہے جس کی طرف مزبورہ دستاویز کے آخری ضمن میں اشارہ کیا گیا ہے یا کوئی اور۔ لکھائی گو خوبصورت ہے آسانی سے پڑھی نہیں جا سکتی اور اِس کا متن قرار ذیل معلوم دیتا ہے:-

پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ یہ توبہ نامہ جس کا عکس میں شائع کر رہا ہوں اس پر نہ کسی کا نام و لقب ہے نہ کسی کے دستخط ہیں نہ تاریخ ہے۔ اسس کو حضرت باب کا توبہ نامہ ظاہر کیا جاتا ہے۔"

اس توبہ نامہ کی حقیقت صرف اتنی تھی جس کو مخالفین اتنا اُچھالتے ہیں اور ناواقف پبلک کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس علانیہ جعلسازی سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ اہلِ قلم حضرات نے ایران میں بہائی تاریخ کو کس قدر مسخ کر کے پیش کیا ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ سنا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا لیا جاتا ہے۔ مگر شیعہ علمائے ایران نے تو واللہ ایسا کمال دکھایا کہ حضرت باب کے توبہ نامہ کی حقیقت رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ تھی مگر انھوں نے اسس کو پہاڑ بنا کر پیش کیا۔ امرِ بہائی کے مخالفین کی جعلسازی کا یہ آخری شاہکار ہے

جعلیات کا یہ عظیم الشان سلسلہ ہے جو حضرت رسول اللہ کی وفات کے بعد سے اب تک جاری ہے حضرت امام غائب کا عقیدہ بھی شیعہ راویوں کی ذہنیت و جعلیات کا نتیجہ ہے ابتدا میں اس میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اصلیت نہ تھی مگر بتدریج اس کو ایک حقیقت ثابتہ بنا کر تمام قوم کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا توبہ نامہ کی حقیقت واضح کرنے کے بعد اب ہم محترم ناظرین کی خدمت میں حضرت باب کے اصلی اور واقعی خطوط میں سے ایک خط کا بلاک اس رسالہ میں شائع کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین اندازہ کر سکیں گے کہ حضرت باب اعظم کے خطوط و الواح کا عام انداز کیا تھا۔ آپ کی تمام تحریروں پر دو مہریں ہوا کرتی تھیں جن پر "عبدہ اذکر" لکھا رہتا تھا جیسا کہ عکس سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح کے ۲۰ خطوط "تاریخ ڈان بریکرز" مطبوعہ واشنگٹن امریکہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

تتمہ نمبر ۲

رسالہ انتظار قائم آل محمد کے مصنف محترم نے عنوان بالا کے تحت یک فارسی اشتہار کا ترجمہ درج فرمایا ہے۔ جو تین سال پہلے ایران میں شائع ہوا تھا اس کے مشتہرین جناب عبد الحسین آوارہ مصنف کشف الحیل، میرزا نیئر مصنف فلسفۂ نیکو و اقتصاد مصنف ایقاظ و صبحی صاحبان ہیں۔ اس اشتہار

کا عنوان یہ ہے کہ بہاء اور ان کے قائم مقام کی پیش گوئیاں ہمیشہ ان کی تکذیب
کرتی رہیں۔

اس اشتہار کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مرزا عباس فرزند حضرت بہاء اللہ نے کتاب مفاوضات میں کتاب
دانیال کی آیتوں سے اپنے باپ کے دعویٰ کو ثابت کیا ہے وہ آیت حسب ذیل ہیں۔

(۱) اور ایک مرد کتان کا لباس پہنے ہوئے دریا کے پانیوں پر کھڑا ہو کر اپنے دونوں
ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کر کے خدائے حی و ابدی کی قسم کھا کر کہہ رہا
تھا کہ ایک زمانہ دو زمانہ اور آدھے زمانہ کے بعد مقدس قوم (بنی اسرائیل)
کی پراگندگی ختم ہو جائے گی اس وقت تمام امور کی تکمیل ہوگی۔

(کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۷)

(۲) دائمی قربانی کی منسوخی کا زمانہ اور ویران کرنے والی مکروہات کا قیام ۱۲۹۰
سال تک رہے گا۔ (باب ۱۲ آیت ۱۱)

مبارک ہے وہ جو ۱۳۳۵ سال تک انتظار کرتا ہے۔ (باب ۱۲ آیت ۱۲)

مشتہرین کہتے ہیں کہ:

(۳) مرزا عباس گیارہویں آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ دانیال کے کلام کا مبدء
دعوت پیغمبر کے زمانہ سے ہے جبکہ حضرت بہاء اللہ نے ۱۲۹۰ھ میں ظہور فرمایا
ت بیانات کے مطابق اور ۱۳۳۵ سال والی آیت کی بنا پر زمانہ کے تمام
بابی منتظر تھے کہ ۱۳۳۵ھ میں یہ دنیا جنت ابھی بن جائے گی لیکن جب
یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور مرزا عباس سے سوال کیا گیا تو انہوں نے

جواب دیا کہ گیارہویں آیت کی ابتدا دعوت پیغمبر اسلام اور بارہویں آیت کی ابتدا ہجرت پیغمبر سے لی جائے گی۔ اب بہائیوں نے لوگاں کر ۱۳۳۵ھ میں دین بہائی عالمگیر ہو جائے گا لیکن یہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا۔

(۴) جب مرزا عباس سے پوچھا گیا کہ دونو وعدہ پورے نہیں ہوئے اور بشارت دانیال کا کیا حشر ہوا تو جواب ملا کہ:

اما ما سئلت من الآية الموجودة في سفر دانيال طوبي لمن يرى الف وثلاث مائة وخمسة وثلثين هذا شمسية ليست قمرية لان بذلك التاريخ ينقضي قرن من طلوع شمس الحقيقة وتعاليم الله يتمكن في الارض حق التمكن و يملاء الانوار مشارق الارض ومغاربها يومئذ يفرح المومنون۔

لیکن تو نے جو کتاب دانیال کی موجودہ آیت کے متعلق سوال کیا ہے کہ خوش بحال اس کے جو ۱۳۳۵ھ کو دیکھے تو یہ قمری سال نہیں بلکہ شمسی سال ہیں۔ اس لئے کہ اس سال میں شمسی لحاظ سے ۱۰۰ سال طلوع آفتاب حقیقت (حضرت بہاء اللہ) کو اور اس خدا کی تعلیمات کو گذر جائیں گے جو پورے طور پر زمین پر تمکن حاصل کرے گا اور تمام عالم کو پُر کر دے گی بس مومن یعنی بہائی خوش ہوں گے۔

اس کے بعد مشتہرین اہل بہا سے کہتے ہیں کہ یہ ۱۳۳۵ شمسی سال ۱۹۵۷ء میں ختم ہو جائیں گے اگر اس سال بہائی تعلیمات شرق و غرب عالم پر چھا گئیں تو ہم اعتراض کرنا بند کر دیں گے اپنی کتابیں جلا دیں گے اپنی جائیدادیں آپ کے حوالہ کر دیں گے۔

اس کے بعد ہمارے بہائی دوست فرماتے ہیں کہ راقم الحروف بھی اس اشتہار کے مضمون سے ہمنوا ہے۔

جواب

ایرانی مبشرین بھی امرِ بہائی کے دشمن اور آپ بھی مخالف اس لئے تشابہت تلوبہم کے قانون کے مطابق اگر ہمارے بہائی دوست اس اشتہار کے مضمون سے ہمنوا ہیں تو تعجب خیز بات نہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ نے تحقیق طرز اختیار کرنے کے بجائے معاندانہ روش پسند فرمائی جو انصاف کے خون ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس غلط اور جھیات سے لبریز اشتہار کے مضمون پر دستخط کرنے پڑے ہم آپ کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتے اگر آپ امرِ بہائی کے موضوع پر غیر جانبدارانہ قلم اٹھاتے اور حسن و قبح دونوں پہلوؤں پر بحث کرتے ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ روشن اور تاریک۔ آپ نے کیسے باور کر لیا کہ امرِ بہائی کے مخالفین جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں وہ زبردست تحریک جس کی طرف سلاطینِ عالم اور دانایانِ جہاں متوجہ ہو گئے کیا آپ کی رائے میں اس میں کوئی اچھی بات ہی نہیں ہے۔ لیکن رنگین عینک حسن کا پہلو دیکھنے ہی نہیں دیتی اس لئے ہر غلط اور جعلی بات کی تائید کرنی پڑتی ہے اس اشتہار کا بھی یہی حال ہے۔

(۱) جن بزرگوں نے اس اشتہار کو شائع فرمایا ہے وہ جلب زر کے ارادہ اور دینِ بہائی کو حصولِ معاش کا ذریعہ بنانے آئے تھے جب دال نہیں گلی تو ان کو دینِ بہائی میں رازہائے درونِ پردہ نظر آنے لگے ان میں سے پہلے بزرگ نے تین مرتبہ توبہ کی اور تین مرتبہ بہائی ہوئے۔ جب تیسری توبہ پر بھی قائم نہ رہے تو ولی امراللہ حضرت شوقی آفندی نے ان کو

بہائی جماعت سے ہمیشہ کے لئے باہر نکال دیا پھر بھی مدتوں خوشامد کرتے رہے جب کوئی امید باقی نہیں رہی تو مخالفت اور اپنی سابقہ کتابوں کی تردید کا میدان سامنے تھا لیکن جب ان کتابوں کا ازالہ بھی کیا ہو گیا تو جان پر آبنی اور بالآخر نہایت ذلیل اور قابل عبرت حالت میں اس دنیا فانی سے رخصت ہوئے۔ یہی حال ان تمام مشتہرین کا ہے۔ ہم مصنف محترم اور ان مشتہرین سے سوال کرتے ہیں کہ :

" ازراہ نوازش حوالہ دیجئے کہ کس بہائی تاریخ میں لکھا ہے کہ :

(۱) اہل بہاء نے ۱۳۲۴ھ اور ۱۳۳۵ھ میں دین بہائی کے عالمگیر ہونے کے متنبہ تھے اور جب یہ وعدے پورے نہ ہوئے تو انھوں نے ہی دعدہ کے ٹل جانے کے وقت حضرت عبدالبہاء عباس سے سوالات کئے اور اگر حوالہ نہ ہو تو یہ بیان قابل حجت کیسے ہو سکتا ہے۔

(۲) حوالہ دیجئے کہ مذکورہ عربی عبارت حضرت عبدالبہاء کی کون سی تصنیف میں درج ہے تاکہ اس پر غور کیا جائے۔ ہم نے اس بیان کو بہت تلاش کیا لیکن ابھی تک نہیں ملا۔ لیکن اگر اس بیان کو درست تسلیم کر لیا جائے پھر بھی اس عبارت میں بیان کئے ہوئے حساب کے مطابق ۳۳۵ سال ۱۳۳۵ھ ہونے ختم ہوتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء غلط ہے۔

بیان مذکور کے مطابق حضرت بہاء اللہ سے ایک صدی گذر جانے پر یعنی ۱۹۶۳ء میں بہائی تعلیمات کا تمام دنیا میں پھیل جانا لکھا ہے اس پھیل جانے سے اگر معترضین کی مراد یہ ہے کہ دنیا کا ہر فرد دین بہائی کو تسلیم کر کے بہائی

ہو جائے گا تو یہ بالکل غلط ہے دین بہائی کے بانی اور مفسر ولی امر یا کسی بہائی
نے ایسا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے اور
اگر یہ مراد ہے کہ دینِ بہائی کے ماننے والے روز بروز بڑھتے چلے جائیں۔ اس کی
تعلیمات کی شہرت تمام دنیا میں پھیل جائے۔ دوسرے بھی ان تعلیمات پر عمل
کرنے پر مجبور ہو جائیں اور ۱۹۵۷ء تک دین بہائی ممتاز طور پر تمام اقوام عالم
کے سامنے نمایاں ہو جائے تو یہ بالکل صحیح ہے اور اس مفہوم کے مطابق آپ
۱۹۵۷ء کا انتظار ہی کیوں کرتے ہیں یہ بات تو اب ۱۹۵۷ء سے پہلے ہی حاصل
ہو چکی ہے ہو رہی ہے اور ۱۹۵۷ء تک تو نہیں معلوم آپ کیا سنیں گے۔

ایران میں ۸۰۰ شہروں اور دیہات میں بہائی ادارے موجود ہیں
ان کی مذہبی عمارتیں نہایت شان و شکوہ کے ساتھ ان شہروں میں تعمیر
ہو چکی ہیں۔ وہ تاریخی مقامات جن سے بہائی تاریخ کو تعلق ہے ان میں سے
بہت کچھ خریدے جا چکے ہیں ایران کے تمام سرکاری دفاتر اور محکموں میں
اہلِ بہاء چھائے ہوئے ہیں اور بہائی جماعت ایران میں سب سے بڑی اقلیت
ہے۔ ایران میں بہائی پیشرفت کے لئے دیکھئے۔

(تاریخ ایران مصنفہ لارڈ کرزن)

عشق آباد روس اور شکاگو میں عظیم الشان بہائی معبد تعمیر ہو چکے ہیں
اور امریکہ کی بعض ریاستوں نے نیز اسرائیل اور مصر نے دینِ بہائی کو قانونی طور
پر دینِ جدید تسلیم کر لیا ہے اور اہلِ بہاء ان کے قانونی حقوق دئے جا چکے ہیں تمام
دنیا کی ۲۳۰ سلطنتوں میں ۳۰۰۰ بہائی ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کو خاص ان

سلطنتوں کے باشندے چلا رہے ہیں دنیا کی ۹۰ زبانوں میں بہائی لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ مجلس اقوام متحدہ اپنی ہر عالمگیر تقریب پر بہائی نمائندوں کو دعوت دیتی ہے۔ اکثر بہائی تعلیمات مثلاً مجلس اقوام متحدہ بین الاقوامی عدالت عورتوں کے مساویانہ حقوق کے قانون پر مجلس اقوام میں تمام اسلامی ممالک اپنے دستخط کر چکے ہیں حالانکہ قرآن مجید مرد کو عورت پر حاکم قرار دیتا ہے۔ تمام دنیا میں بہائی تعلیمات کے پھیل جانے کے اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتے ہیں۔ رہا بہائی تعلیمات کے زیر اثر تمام دنیا کا جنت ابہیٰ بن جانا تو یقیناً اس کا بھی ایک وقت مقرر ہے اور ایسا ہو کر رہے گا لیکن اس وعدہ کو ۱۳۴۴ و ۱۳۳۵ یا ۱۹۵۶ء و ۱۹۵۷ء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور آخری والزامی جواب یہ ہے کہ اگر اب بھی تشفی نہ ہوئی ہو اور آپ کو اصرار ہی ہو کہ حضرت عبدالبہاء کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو اس پر آپ کو حیرت نہ ہونی چاہیئے۔ آپ نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر جو حدیث درج فرمائی ہے اس میں حضرت صادق آل محمد صاف فرماتے ہیں کہ خدا نے حضرت نوح سے ۷ مرتبہ وعدہ نزول عذاب کیا اور ہر مرتبہ اپنے وعدہ کو ٹالتا رہا۔ جب ۷ مرتبہ حضرت نوح کھجور کے درخت لگا چکے اور ان درختوں پر پھل بھی آ چکے اور حضرت نوح گٹھلیاں بوتے بوتے تھک گئے تب کہیں طوفان عذاب آیا۔

اسی طرح حضرت یونس کا قصہ آپ کے سامنے ہے خدا نے قوم یونس پر نزول عذاب کا وعدہ کیا اور عذاب واپس لے لیا اس وعدہ خلافی پر خدا کے اس برگزیدہ پیغمبر کو ذلیل ہونا پڑا اور وہ ناراض ہو کر دریا پر پہونچے اور راستہ

ناراضگی کی سزا ان کو یہ ملی کہ ۴۰ روز مچھلی کے پیٹ میں رہے غرض مسئلہ بدا آپ کے یہاں کی ایک مسلمہ چیز ہے۔ اگر حضرت عبدالبہاء کی ایک پیشگوئی پوری نہ ہوئی تو ماتم کیوں ہے جبکہ خدا کے ہزاروں وعدے ٹلتے رہے۔

۵ این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اب آپ دانیال کی تینوں پیشگوئیاں اور حضرت عبدالبہاء کی اصل تفسیر ملاحظہ فرمائیے "اور ایک شخص نے اس شخص سے جو کتان کا باس پہنے تھا۔ اور دریا کے پانیوں پر کھڑا تھا یہ پوچھا کہ یہ عجائبات کب آخر ہوں گے اور میں نے سنا اس شخص سے جو کتانی پوشاک پہنے تھا اور جو دریا کے پانیوں پر کھڑا تھا اپنا داہنا ہاتھ اور اپنا بایاں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اس کی جو ہمیشہ جیتا ہے قسم کھائی اور کہا ایک زمان دو زمان اور نصف زمان تک رہیں گی اور جب وہ قوم قدس کی قوت کی پراگندگی کو پورا کر چکے گی تو یہ سب باتیں پوری ہوں گی"

(دانیال باب ۱۲ آیت ۶)

اس آیت کی تفسیر حضرت عبدالبہاء عباس اس طرح فرماتے ہیں:۔

ایک دن سے مراد ایک سال ہے اور ہر سال سے مراد بارہ مہینے ہیں پس تین سال اور آدھا سال ۴۲ مہینے ہوئے اور ۴۲ مہینے ۱۲۶۰ دن ہوتے ہیں پس ہر دن کتاب مقدس تورات کے مطابق ایک سال کے برابر ہے (پس ۱۲۶۰ سال ہوئے) اور ہجرت حضرت محمد کے ۱۲۶۰ سال بعد (بتاریخ اسلامی) حضرت اعلیٰ مبشر حضرت جمال مبارک (حضرت علی محمد باب) ظاہر ہوئے پھر گیارہویں آیت میں فرماتا ہے۔ اور جب وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی اور وہ مکروہ چیز جو

خراب کرتی ہے قائم کی جائے گی ایک ہزار دو سو تین سال جیسا کہ خوشا بحال جو
جو انتظار کرتا ہے اور ۱۳۳۵ دن تک پہنچتا ہے۔

اس تاریخ قمری کا شروع اس وقت سے جب حضرت محمد نے اپنی نبوت
کا اعلان عام طور سے ملک حجاز میں کیا اور یہ آپ کی بعثت سے ۳ سال بعد واقع
ہوا کیونکہ ۳ سال تک آنحضرت کی نبوت پوشیدہ رکھی گئی تھی اور خدیجہ و رقہ بن نوفل
کے سوا کوئی واقف نہ تھا ۳ سال کے بعد عام اعلان کیا۔ حضرت بہاء اللہ نے
حضرت محمد کے اس اعلان نبوت سے ۱۲۹۰ سال بعد اپنے ظہور کا اعلان کیا۔
(مفاوضات عبد البہا صفحہ ۳۲)

اب معترض صاحبان ارشاد فرمائیں کہ مفاوضات میں اس بیان کے سلسلہ
میں یہ بات کہاں لکھی ہے کہ ۱۳۳۵ سال سے شمسی سال مراد ہیں اور اس کے
خاتمہ پر تمام دنیا جنت ابہیٰ بن جائے گی۔ اس بیان میں صرف حضرت نبی عربی
اور حضرت بہاء اللہ کے ظہور کو کتاب دانیال سے ثابت فرمایا ہے جو بالکل
درست اور واقعہ کے مطابق ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ ہمارے ناقدین دوست
ایرانی مشتہرین کے غیر مستند بیان کے سلسلہ میں کس دلیل سے ان کے ہمنوا بن گئے۔

باب ہفتم

قیامتِ کبریٰ یا رجعتِ حسینؑ

مظاہر الہیہ کے انکار کے اسباب

ہر زمانہ میں علمائے ادیان کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے اقوام عالم کے دلوں میں تین غلط عقیدے راسخ ہو گئے۔ پہلا عقیدہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر اور اپنی شریعت کو آخری اور ناقابل تنسیخ سمجھا اور جب کبھی کوئی نیا پیغمبر ان قوموں کو ترقی کی اگلی منزل پر لے جانے کے لئے ظاہر ہوا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ ہر قوم نے اپنے اپنے کسی گذشتہ پیغمبر یا جانشین پیغمبر کو زندہ و روپوش سمجھا یا کسی وفات یافتہ مقدس ہستی کے دوبارہ آنے اور بعینہٖ اسی سابقہ جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہونے کے انتظار میں رہی اور جب اس کا موعود انتظار کے مطابق ظاہر نہیں ہوا تو اس کی صداقت کا انکار کر دیا ان دونو عقیدوں کی غلطی کو ہم گذشتہ باب میں واضح کر چکے ہیں۔

تیسرا عقیدہ یہ تھا کہ ہر گذشتہ پیغمبر نے اپنے بعد آنے والے پیغمبر کے ظہور کی علامات اور نشانیاں متشابہ مبہم اور غیر واضح الفاظ و عبارات و

استعارات وکنایات کے پیرایہ میں بیان کی تھیں مگر علمائے اقوام نے ان پیشگوئیوں اور علامتوں کے وہ معنی اپنی اپنی قوم کو سمجھائے جو بظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتے تھے چونکہ ان الفاظ و عبارات کا وہ مطلب نہ تھا اور ظاہر ہونے والے پیغمبران علامتوں کے حقیقی اور مخفی مطالب کے مطابق ظاہر ہوئے اور ان کے انتظار کے مطابق ظاہر نہیں ہوئے اس لئے لوگوں نے ان کا انکار کر دیا۔

مثلاً حضرت مسیح نے حضرت خاتم الانبیاء کی آمد کی پیشگوئی ان الفاظ میں فرمائی کہ:

جب سورج تاریک اور چاند میلا ہو جائے گا۔ ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے اور پریشانی و تنگی کی وجہ سے سارے قبیلے ماتم کریں گے تو اس وقت وہ ابنِ انسان کو آسمان سے بادلوں پر سوار ہو کر بڑے جاہ و جلال کے ساتھ آتا دیکھیں گے اور وہ اپنے فرشتوں کو صور کی بڑی آواز کے ساتھ منادی کرنے بھیجے گا۔

مگر جب آنحضرت کا ظہور ہوا تو سورج تاریک ہوا نہ چاند میلا ہوا نہ کوئی ستارہ ٹوٹا نہ کوئی انسان آسمان سے بادلوں کی چھتری لگائے اترا نہ فرشتے کسی کو دکھائی دئے اس لئے عیسائیوں نے ان کا انکار کر دیا۔ حالانکہ ان استعارات وکنایات کا جو واقعی مطلب تھا اس کے لحاظ سے یہ تمام علامات پوری ہو گئیں اور ان ہی علامتوں اور نشانیوں کے ساتھ حضرت پیغمبر اسلام سرزمین عرب پر جلوہ آرا ہوئے یہ اور تقریباً ان ہی جیسی علامات اور نشانیاں ہر پیغمبر موعود کے

متعلق بیان ہوئی ہیں اور ان استعارات و کنایات میں بیان کی ہوئی نشانیوں کی وجہ سے تمام مظاہر الٰہیہ انکار و اعراض کا نشانہ بنتے رہے۔ قرآن مجید نے اپنے بعد میں آنے والے قائم آل محمد اور حسینؑ کی آمد کی نشانیاں اسی انداز میں ان ہی الفاظ میں اور ان ہی جیسی عبارات میں بیان کی ہیں اور ان ہی علامتوں اور نشانیوں کا نام قیامت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگلی قوموں کی طرح علمائے اسلام نے بھی ان نشانیوں کے ظاہری معانی کئے ان کی بیجا اور غیر اصولی تقلید کے باعث تمام قوم خواہ شیعہ ہوں یا کوئی اور قیامت کے غیر حقیقی مفہوم کی مصیبت میں مبتلا ہو گئی اور قائم آل محمد اور حسینؑ کا انکار کر بیٹھی۔

قیامت کا یہ مشہور عام عقیدہ قائم کیا گیا کہ دنیا دار العمل ہے۔ اعمال کی جزا اور سزا کا ایک خاص دن معین ہے جب وہ دن آئے گا تو صور کی ایک آواز سے تمام دنیا معدوم ہو جائے گی اور دوسری آواز سے پھر زندہ ہو جائے گی اور خدا تخت عدالت پر بیٹھے گا۔ فرشتے اعمال کے رجسٹر لئے ہوئے حاضر ہوں گے ان رجسٹروں میں درج شدہ اعمال کے مطابق لوگ جنت و جہنم میں چلے جائیں گے اور ابد الآباد تک اسی طرح رہیں گے۔ جن آیات پر ان غیر قرآنی عقائد کی بنیاد قائم کی گئی ہے ان میں سے چند آیات نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام

یعنی: زمین پر جس قدر عقل رکھنے والے جاندار ہیں وہ فانی ہیں اور بقا صرف

تیرے جلال اور کرم والے پروردگار کی ذات کیلئے ہے۔
عربی کے طالب علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مَنْ ذی عقل مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا مستحق صرف انسان ہے اس میں اگر فنا ہونے کا ذکر بھی ہے تو صرف انسانوں کے متعلق باقی کائنات کا ذکر ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ لفظ فَانٍ اسم فاعل ہے جس میں حال اور مستقبل دونوں زمانے اور معنی صفتی پائے جاتے ہیں یعنی ہر انسان فنا ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا اور خدا ہی کی ذات باقی رہتی ہے اور رہے گی۔
اس آیت سے یہ مفہوم کس طرح سمجھا گیا کہ ایک دن تمام کائنات معدوم ہو جائے گی۔

(۲) کل شئ ھالک الا وجھہ
یعنی: ہر چیز سوائے ذات پروردگار ہلاک ہونے والی ہے۔
اس آیت میں لفظ ھالک ہے جو اسم فاعل ہے اور اس کے بھی صحیح معنی یہی ہوئے کہ ہر چیز ہلاک ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی نہ یہ کہ ہر چیز کی ہلاکت کا ایک دن معین ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

(۳) یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات وبرزو للہ الواحد القہار
یعنی: اس دن زمین دوسری زمین سے اور آسمان دوسرے آسمانوں سے تبدیل ہو جائیں گے اور لوگ خدائے واحد و غالب کے حضور میں نکل کھڑے ہوں گے
غور فرمائیے کہ اگر یہ زمین اور آسمان نہ رہیں گے بلکہ معدوم ہو جائیں گے اور ان کی جگہ دوسری زمین لاکر بچھا دی جائے گی اور دوسرے آسمان کا

خیمہ تان دیا جائے گا تو معدوم شدہ زمین میں جو مُردے ہوں گے اور قبریں ہوں گی تو وہ قبریں نئی زمین میں کس طرح بن جائیں گی اور ان قبروں میں مُردے کس طرح واپس آجائیں گے کیونکہ پہلی زمین کی فنا کے ساتھ وہ قبریں بھی مع مُردوں کے معدوم ہو چکی ہوں گی اور اگر بفرض محال نئی زمین میں پُرانی قبریں خدا کی قدرت سے بن جائیں گی اور ان میں وہی مُردے پھر واپس آجائیں گے تو پھر اس ڈرامہ سے کیا فائدہ اور اُس پُرانی زمین کے معدوم کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

ثابت ہوا کہ ظاہری معانی غلط اور لغو ہیں بلکہ اس آیت کے معانی کچھ اور ہیں۔ اب حساب وکتاب کے متعلق سُنئے :۔

(۱) خدا فرماتا ہے :

فلنسئلنّ الذین ارسل الیھم ولنسئلنّ المرسلین ۔ (الاعراف)	یعنی اس دن ہم رسولوں اور ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے بازپرس کریں گے ۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ سورۂ رحمٰن کی آیت ذیل بھی ملاحظہ فرمایئے :

(۲) فیومئذٍ لا یُسْئَل عن ذنبہ انسٌ ولا جانٌ ٥ فبایِّ آلاءِ ربکما تکذّبان ٥ یُعرفون بسیمٰھُم فیوخذ بالنّواصی والاقدام ۔	ترجمہ : پھر اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی بابت سوال نہ کیا جائے گا پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے پھر ایڑی چوٹی سے گرفتار کر لئے جائیں گے ۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن حساب روزِ جزا

کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اختلاف ہے اور کسی ایک آیت کا مطلب درست ہو سکتا ہے اگر یہ صحیح مانا جائے کہ خدا رسولوں اور ان کی قوموں سے سوال اور باز پرس کرے گا تو پھر یہ بات غلط ماننی ہوگی کہ خدا اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کی باز پرس نہ کرے گا بلکہ جو مجرم ہوگا وہ اپنی پیشانی سے پہچان لیا جائے گا اور آخری بات درست مانی جائے تو یہ غلط ماننا ہوگا کہ خدا باز پرس کرے گا۔ ہر وہ شخص جو قرآن کو خدا کا کلام سمجھتا ہے اس کا فرض ہے کہ اس اختلاف کو دور کرے۔

الغرض قیامت سے متعلق جس قدر آیات ہیں وہ سب آپس میں متضاد ہیں اور خدا کے کلام میں تضاد ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے ہمارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ موضوع قیامت استعارات و کنایات میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا مفہوم اب تک بالکل غلط سمجھا گیا ہے اور کسی ایک آیت سے بھی فنائے کائنات اور اس کا دوبارہ عالم وجود میں آنا ثابت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب قائم آل محمد اور حسین کی آمد کی نشانیوں کا نام قیامت ہے اور اس کا مفہوم پوشیدہ ہے تو خدا نے تمام اُمتوں کو مغالطہ میں کیوں رکھا یا تو صاف صاف بیان کرنا چاہئے تھا اور یا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ہدایت ضرور کرنی تھی تاکہ علمائے قوم غلطی میں نہ پڑتے سوال معقول ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے کوئی مغالطہ نہیں دیا اور نہ خدا دھوکہ میں کسی کو ڈال سکتا ہے۔ اس لئے موضوع قیامت کے متعلق بالکل صاف بیان کر دیا تھا لیکن اگر قرآن کو ہدایت حاصل کرنے کی بجائے دوسرے اغراض و مقاصد حاصل کرنے کیلئے پڑھا جائے

اور اس طرح اپنے لئے ایک مصیبت پیدا کر لی جائے تو:

ع: "خود کردہ را علاجے نیست"

منکرین قرآن نے جب علامات قیامت یعنی مُردوں کے زندہ ہونے آسمان کے شق ہونے، ستاروں کے گر پڑنے، چاند اور سورج کے ایک جگہ جمع ہونے وغیرہ کو ناممکن اور محال سمجھ کر انکار کیا تو خداوند عالم نے سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا کہ:

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتہم تاویلہ۔

یعنی: ان لوگوں نے قیامت کا علم حاصل کئے بغیر ہی جھٹلا دیا حالانکہ ابھی اس کی تاویل بیان بھی نہیں کی گئی۔

اس آیت پر ہم باب پنجم میں کسی قدر تفصیل سے لکھ چکے ہیں لیکن سورۂ روم کی حسب ذیل آیت پر مزید غور فرمائیے۔ خدا فرماتا ہے:

وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون۔

قیامت کا دوسرا نام یوم البعث بھی ہے اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ اس دن جن کو علم و ایمان دیا جائے گا وہ لوگوں سے کہیں گے کہ تم خدا کی کتاب کے اندر (درمیان) میں یوم بعث تک ٹھہرے رہے پس یوم بعث یہ ہے لیکن تمہیں اس کا علم نہ تھا۔

تفسیر قمی میں امام معصوم فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "فی کتاب اللہ" کا لفظ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے یہ دراصل لقد لبثتم سے پہلے تھا امام معصوم کی دی ہوئی اصلاح کے مطابق آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ اُس دن جن لوگوں کو

کتاب خدا کا علم اور اس پر ایمان عطا کیا جائے گا تو وہ لوگوں سے کہیں گے کہ تم یوم بعث کے آجانے تک ٹھہرے رہے۔ پس یوم البعث یہی تو ہے لیکن تم کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔

بہرحال دونو ترجموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس آیت سے مندرجہ ذیل نتیجہ برآمد ہوتا ہے:

(۱) بعثت وقیامت کوئی سرسری اور سطحی بات نہیں ہے جو صرف ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آجائے بلکہ یہ ایک علمی حقیقت اور ایک علمی مسئلہ ہے جس کو صرف اہل علم وایمان ہی جان سکتے ہیں نہ کہ ہر شخص۔

(۲) جب یوم بعث وقیامت آئے گا تو لوگوں کو اس کی آمد کا علم ہی نہ ہوگا بلکہ کوئی شخص یہ سمجھتا ہی نہ ہوگا کہ بعثت وقیامت کا دن یہی ہے بلکہ اہل علم وایمان لوگوں کو سمجھائیں گے کہ تم اس علمی حقیقت کو آج تک نہیں سمجھے تمہیں اس کا علم نہ تھا۔ یوم قیامت یہی ہے جس سے تم بے خبر ہو۔

(۳) اگر قیامت کا مفہوم یہ ہو کہ صور پھونکتے ہی تمام دنیا میں ایک عجیب گڑبڑ پھیل جائے گی اور ہر چیز فنا ہونے لگے گی تو فرمائیے ایسا کون شخص ہوگا جو قیامت کو نہ جان سکے گا اور اہل علم وایمان کو انھیں سمجھانے کی کیا ضرورت پیش آئے گی بلکہ اہل علم وایمان ہوں یا جاہل وبے ایمان ہوں قیامت کی ہولناکیاں قیامت کو سمجھانے کے لئے خود ہی کافی ہوں گی پس معلوم ہوا کہ قیامت کا وہ مفہوم نہیں ہے جو بدقسمتی سے مشہور ہوگیا ہے بلکہ

قیامت ایک علمی حقیقت ہے جو صرف قیامت کے دن ہی اہل علم و ایمان سے معلوم ہو سکے گی کیونکہ قیامت کا علم اُسی دن نازل ہوگا اور اہل علم و ایمان اس علم کو دوسرے نافہم لوگوں تک پہونچائیں گے اسی مضمون کو سورۂ اعراف میں اس طرح بیان فرمایا کہ:

لَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ الخ۔

یقیناً ہم ان کے پاس ایسی کتاب لیکر آئے ہیں جس کو ہم نے عالمانہ طور پر تفصیل کی ہے (نہ کہ عام فہم) جو جاننے والوں یعنی اہل علم کے لئے ہدایت و رحمت کا سبب ہوگی کیا یہ لوگ اس کتاب کی تاویل جاننا چاہتے ہیں جس دن اس کی تاویل آئے گی یا نازل ہوگی تو وہ لوگ جو اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ اس امر کا اقرار کریں گے کہ ہمارے رسول حق لیکر آئے تھے۔

نتیجہ: سورۂ روم اور سورۂ اعراف کی دونوں آیتوں کا مفہوم واحد ہے یعنی فرماتا ہے کہ ہم نے اس کتاب میں جو کچھ تفصیل بیان کی ہے وہ عالمانہ ہے اور ایک علمی حقیقت ہے جب اس حقیقت کا علم دیا جائے گا تو وہ اہل علم کے لئے ہدایت و رحمت کا باعث ہوگی کیا یہ لوگ کتاب کے قابل تاویل حصہ کی تاویل اور اس کا حقیقی مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ جس دن حقیقی مطلب نازل ہوگا تو جو لوگ اس حقیقت کو کہ ایک دن تاویل نازل ہوگی فراموش کر چکے ہوں گے ان کو اہل علم و ایمان سمجھائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے رسولوں نے قیامت کے متعلق ہماری کتابوں میں جو کچھ بیان کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور جو تاویل آج بیان کی

جا رہی ہے وہی صحیح اور درست ہے۔

جب خداوند عالم نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ہدایت کر دی تھی کہ قرآن کی آیات متشابہات یعنی آیات قیامت کی تاویل ایک خاص دن اور خاص وقت میں نازل ہوگی تو پھر علمائے اسلام نے یہ خطرناک غلطی کیوں کی کہ ان آیات کی تفسیر اپنی عقل سے کی اور کہیں سے کہیں نکل گئے اس میں خدا کا کیا قصور ہے۔

الغرض اس وعدہ کے مطابق ایک صدی سے بہاء یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تمام اقوام عالم اپنی اپنی کتاب و شریعت کے دائرہ میں یوم القیام یا البعثت کے دن تک رہیں۔ اب یوم قیام اور مبعوث ہونے کا دن آگیا ہے اور وہ دن جس کا انتظار تھا یہی ہے۔ خدا نے قیامت کی تاویل حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کے ذریعہ نازل کر دی ہے اور اہل علم و ایمان اس نازل شدہ تاویل کو بیان کر رہے ہیں۔ اس تاویل پر ناظرین رسالہ ہذا غور فرمائیں جو نہایت اختصار کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔

یوم قیامت: القیام والقیامۃ مصدر ہے۔ اس کے معنی مر کر کھڑے ہونے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں صرف کھڑا ہونا۔ مثلاً یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا (آل عمران) "وہ لوگ کھڑے ہو کر یاد الٰہی کرتے ہیں" سورۃ النساء (۱۰) میں فرماتا ہے:

"فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا" یعنی کھڑے ہو کر خدا کو یاد کرو"

سورۃ مدثر میں فرماتا ہے: قُمْ فَاَنْذِرْ "اٹھ اور لوگوں کو ہشیار کر"

سورۃ حدید میں فرماتا ہے: لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی تاکہ لوگ بعدل و انصاف

پھر قائم ہو جائیں۔ ثابت ہوگیا کہ اقیموا والقیامت کے معنی ہیں کھڑا ہو جانا نہ کہ مر کر کھڑا ہو جانا۔ پس خداوند عالم یوم قیامت کے متعلق فرماتا ہے کہ:

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ قیامت وہ دن ہے جبکہ لوگ رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ يَقُومُ فعل مضارع ہے جس میں حال و مستقبل دونوں زمانے پائے جاتے ہیں یعنی قیامت کے دن لوگ خدا کے حضور میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آئندہ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رب العالمین ہمیشہ سے پوشیدہ ہے اور رہے گا اس لئے اس کے سامنے لوگ نہ کبھی کھڑے ہوئے اور نہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہاں خدا سے مراد اس کا پیغمبر ہے جس کے سامنے کھڑا ہونا اور جس کے حکم کی اطاعت کرنا خدا کے سامنے کھڑا ہونا اور خدا کے حکم کی اطاعت کرنا کہلاتا ہے اس لئے یوم قیامت سے وہ دن مراد ہے جبکہ لوگ پیغمبر جدید کے احکام کی اطاعت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی پیغمبر کے ذریعہ سے گری ہوئی قوم اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور بیدار ہو جاتی ہے۔ غافل ہوتی ہے ہشیار ہو جاتی ہے۔ مردہ ہوتی ہے زندہ ہو جاتی ہے۔

یوم البعث: قیامت کا ایک نام یوم البعث بھی ہے یعنی مبعوث ہونے کا دن، اٹھ کھڑے ہونے کا دن نہ کہ قبروں میں سے اٹھ کھڑے ہونے کا دن۔ چنانچہ خدا اس لفظ کو سورۂ جمعہ میں اس طرح استعمال فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا۔ یعنی وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول مبعوث کیا۔

معلوم ہوا کہ بعث کے معنی برپا کرنے اور کھڑا کرنے اور مقرر کرنے کے ہیں نہ کہ قبروں میں سے کھڑا کرنے کے۔ پس جس طرح پیغمبر کسی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے اسی طرح گمراہ اور پستی میں پڑے ہوئے لوگ بھی اس پیغمبر کے ذریعہ سے نیکی کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ ایمانی لحاظ سے مردہ ہوتے ہیں لیکن پیغمبر کی بعثت کے بعد یہی ایمانی مُردے زندہ ہو جاتے ہیں اور مومن بن جاتے ہیں اور تنزلی و پستی کے گڑھوں سے اٹھ کر ترقی و رفعت کی منزلیں طے کرنے لگتے ہیں اسی کو بعثت کہتے ہیں۔

یوم الفصل: یوم قیامت کا ایک نام یوم الفصل بھی ہے یعنی فیصلہ کا دن۔ قیامت صغریٰ کے بیان میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء و رسل کی بعثت اس لئے ہوا کرتی ہے کہ وہ قومی اختلافات کا فیصلہ کر دیں۔ دینی اختلافات سے قوم کے اندر دشمنی و نفرت اور نفاق و عداوت کا ظہور ہوتا ہے جس سے اتفاق و اتحاد فنا ہو جاتا ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ قوم مردہ ہو جاتی ہے اور اس پر روحانی و اخلاقی موت طاری ہو جاتی ہے اور قومی نظام تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو خدا اپنے پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور اس کے ساتھ کتاب بھیجتا ہے جس میں ان اختلافات کا فیصلہ درج ہوتا ہے۔ جس دن پیغمبر اپنی بعثت کا اعلان کرتا اور اپنا فیصلہ سناتا ہے۔ وہ دن یوم الفصل کہلاتا ہے۔

یوم الدین: دین کے لغوی معنی ہیں قانون۔ طریقہ۔ شریعت۔ حکومت۔ بدلہ یعنی وہ دن جب پیغمبر کے ذریعہ سے کسی قوم کے لئے دین جدید

دیا جاتا ہے۔ نیا قانونِ حیات نازل ہوتا ہے۔ روحانی و معاشرتی فلاح و بہبود کے مؤثر اور بے خطا طریقے بتائے جاتے ہیں۔ خدا اس قانون کے ذریعہ سے اپنے بندوں پر اپنی حکومت قائم کرتا ہے یہ حکومت حکومتِ الٰہیہ کہلاتی ہے جو لوگ اس حکومت الٰہیہ کو تسلیم کرتے اور شریعت جدید پر ایمان لاتے ہیں ان کو اس ایمان کا اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے یعنی وہ لوگ ہر شعبۂ زندگی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور جو لوگ اس حکومتِ الٰہیہ کو تسلیم نہیں کرتے اور خدائی قانون کے وفادار نہیں ہوتے۔ ان کو سزا دیتا ہے اس سزا کے نتیجہ میں یہ لوگ روز بروز ضلالت و گمراہی اور پستی و ذلت میں گرتے چلے جاتے ہیں یہی جزا و سزا ہے اور اسی کا نام جنت و دوزخ ہے پس شریعت و دین کے نزول اور اس پر ایمان لانے کی جنت میں داخل ہونے اور اس کا انکار کرکے ذلت و پستی کے جہنم میں گرنے کا دن یوم الدین کہلاتا ہے۔ چونکہ شریعت و دین یا حکومتِ الٰہیہ بذریعہ پیغمبر قائم ہوتی ہے اس لئے خدا کا پیغامبر "مالک یوم الدین" کہلاتا ہے۔

یوم الآخر: قیامت کے دن کا ایک نام یوم آخر بھی ہے یعنی ہر پیغمبر بعد کے ظہور کا دن گذشتہ پیغمبر کے ظہور کے دن کی نسبت سے دوسرا دن یا الیوم الآخر کہلاتا ہے۔ خداوند عالم سورہ البقرہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

یعنی وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں اور یہودی عیسائی اور صابی قوموں کے لوگوں میں سے جو لوگ بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آئیں گے ان کے لئے کوئی خوف و رنج نہ ہوگا۔

اس آیت میں حسب ذیل امور غور طلب ہیں:-

(۱) آمنوا کے لفظ سے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت پیغمبر اسلام اور قرآن پر ایمان لا چکے تھے اگر الیوم الآخر سے وہی قیامت کا دن مراد ہے جس دن کائنات فنا ہو کر دوبارہ زندہ ہوگی تو خدا اور یوم قیامت پر مسلمان ایمان لا چکے تھے ان سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا مطالبہ بالکل عبث تھا۔

(۲) عیسائی، یہودی اور حضرت صابی کی امت کے لوگ یعنی صابئین بھی خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ آج بھی رکھتے ہیں اس لئے ان سے بھی ایمان لانے کا مطالبہ بیکار اور عبث تھا۔

(۳) جب یہودی، عیسائی اور صابی بھی اللہ اور قیامت کے مومن تھے اور اس لئے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی نجات یافتہ قرار دیا گیا تو ایسی حالت میں مومن اور منکرین اسلام دونوں فریق نجات یافتہ قرار پائے اس اصول پر مسلمانوں نے بڑی بے وقوفی کی کہ حضرت محمد پر ایمان لائے اگر وہ ایمان نہ لاتے تو بھی منکرین اسلام کی طرح نجات یافتہ رہتے کیونکہ نجات یافتہ ہونے کی شرط اللہ اور یوم قیامت پر ایمان لانا قرار پائی تھی اس لئے آیت کا وہ مفہوم جو اب تک سمجھا جاتا رہا ہے مومن اور منکر دونوں کو ایک صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم درست نہیں ہو سکتا۔

(۴) الیوم الآخر کا لفظ تحقیق حسب ہے قاعدے کے مطابق آخر ایک نسبتی لفظ ہے جو اول کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اس لئے الیوم الآخر سے

مراد اگر یوم قیامت ہے تو الیوم الاوّل بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیئے اگر کہا جائے کہ قیامت سے پہلے تک کا زمانہ الیوم اوّل ہے تو اس مفہوم پر قرآن مجید میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

غرض مذکورہ بالا آیت پر ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ اعتراضات اس لئے وارد ہوئے کہ "الیوم آخر" کا مفہوم آج تک نہیں سمجھا گیا۔ اس کا صحیح مفہوم حسب ذیل ہے:-

خداوند عالم سورۂ ابراہیم میں جناب موسیٰ سے فرماتا ہے کہ:

اَخرِج قَومَکَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ فَذَکِّرھُم بِاَیَّامِ اللّٰہِ۔ — یعنی اے موسیٰ اپنی قوم کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو ایام الٰہی یاد دلاؤ۔

ایام الٰہی کے لفظ سے معلوم ہو کہ اصطلاح عرب کے علاوہ دنوں کی ایسی قسم بھی ہے جو خدا سے مخصوص ہے اور وہ دن خدائی دن کہلاتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دن کون سے دن ہیں۔ خداوند عالم ان دنوں کو اسی آیت کے بعد اس طرح سمجھاتا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ نے یہ حکایت بیان کر کے اپنی قوم سے کہا کہ دیکھو پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں مگر جن قوموں کی طرف وہ بھیجے گئے تھے انہوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا"

حضرت موسیٰ کی یہ تنبیہ ثابت کرتی ہے کہ جس دن خدا کا رسول آتا ہے اور کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ لوگ انکار کرتے ہیں وہ دن خدا کا دن ہوتا ہے۔ پس رسولوں کے ظہور کے دن ایام الٰہی کہلاتے ہیں اس اصول پر ہر پیغمبر کے

ظہور کا دن یوم النبی تھا۔ ہر پیغمبر قبل کے ظہور کا دن الیوم الاول اور ہر بعد میں آنے والے پیغمبر کے ظہور کا دن الیوم الآخر یا الآخرۃ کہلاتا ہے۔

چنانچہ تفسیر قمی میں امام معصوم فرماتے ہیں کہ "اس آیت میں یوم آخر سے مراد تین دن ہیں :-

(۱) موت کا دن (۲) قائم آل محمد کے ظہور کا دن (۳) قیامت کا دن۔

حسب فرمودۂ امام معصوم جب قائم آل محمد کے ظہور کا دن یوم آخر قرار پا سکتا ہے تو ہماری تفسیر بالکل صحیح اور درست ہے یعنی ہر پیغمبر کے ظہور کا دن پیغمبر ماقبل کی نسبت سے یوم الآخر کہلاتا ہے۔

اب مذکورۂ بالا آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا یعنی خدا فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو یوم آخر یعنی حضرت محمد پر ایمان لا چکے ہیں اور صابی جنہوں نے حضرت صابی کے بعد والے پیغمبروں کو نہیں مانا اور یہودی جنہوں نے اپنے یوم آخر یعنی حضرت مسیح اور حضرت محمد کو تسلیم نہیں کیا اور عیسائی جنہوں نے اپنے یوم آخر یعنی حضرت محمد پر ایمان لانے کا شرف حاصل نہیں کیا وہ اب اپنے اپنے یوم آخر پر اور مومنین سوم کے ساتھ مل کر خدا اور اس یوم آخر پر بھی ایمان لے آئیں گے جو حضرت محمد کے بعد آنے والا ہے تو ان کے لئے کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔ اس آیت میں آنے والے یوم آخر یعنی حضرت پیغمبر اسلام کے بعد دوسرے پیغمبر کے ظہور کی پیشگوئی صاف طور پر موجود ہے۔ اسی کے ظہور کا دن الیوم الآخر یوم آخرت ہے۔ اسی یوم آخر کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور یہی یوم آخر قیامت کبریٰ کہلاتا ہے۔ ہماری تحقیق میں قیامتِ صغریٰ سے مراد ظہور قائم آل محمد حضرت علی محمد باب اور قیامت کبریٰ

ت ظہور حسینی ثانی یعنی حضرت بہاءاللہ مراد ہے۔

یوم الخروج: روزِ قیامت کا ایک نام یوم الخروج بھی ہے جس کے متعلق خدا سورۂ ق میں فرماتا ہے:

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانٍ	یعنی خوب توجہ سے سنو جبکہ ایک دن ایک منادی
قَرِيبٍ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ	قریب کی جگہ سے پکارے گا جس دن لوگ ندائے
ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ۔	حق سنیں گے وہ دن ظہور کا دن ہے۔

عام طور پر قرآن مجید کے ترجموں میں یوم الخروج کا ترجمہ اپنے عقیدہ کے مطابق کیا گیا ہے یعنی قبروں سے نکلنے کا دن۔ یہ ترجمہ سراسر غلط ہے کیونکہ خروج کے معنی ہیں نکلنا ظاہر ہونا نہ کہ قبروں سے نکلنا۔ منادی سے مراد پیغمبر خدا ہے اور اس کے ظہور کا دن یوم الخروج ہے۔ اور تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں مکان قریب سے مراد ارض مقدس فلسطین ہے چنانچہ ندائے حسین فلسطین سے بلند ہوئی اور وہ یوم خروج و ظہور آگیا جس کا انتظار تھا۔

یوم الحشر: روزِ قیامت کا ایک نام یوم الحشر بھی ہے حشر کے معنی ہیں جمع ہونا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حشر کے دن کوئی بڑا میدان ہوگا جس میں اولین و آخرین اپنی اپنی قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لئے جمع ہوں گے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب باہمی دینی اختلافات کی وجہ سے کوئی قوم متفرق ہو کر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے تو پیغمبر کی روحانی طاقت و کشش کے ذریعے سے بکھری ہوئی قوم دوبارہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتی ہے اور کوئی اختلاف اور جھگڑا باقی نہیں رہتا سب متحد اور

متفق ہو جاتے ہیں اور توحید حقیقی اپنا جلوہ دکھاتی ہے جس دن یہ وحدت و محبت رونما ہوتا ہے اس دن کو یوم حشر کہتے ہیں اسی لئے یوم قیامت کا ایک نام یوم الجمع بھی رکھا گیا ہے یعنی جمع ہو جانے کا دن جس میں تمام اگلی و پچھلی قومیں اپنے اپنے اختلافات مٹا کر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں گی۔

یوم الحق: یوم القیامت کا ایک نام یوم الحق بھی ہے یعنی صداقت اور راستبازی کا دن صداقت اور راستبازی کا زمانہ وہی زمانہ ہوتا ہے جب کذب و دروغ اور ضلالت و گمراہی کی شب دیجور چھیل جاتی ہے تو اس کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے آفتاب صداقت اپنی نقاب اُلٹ دیتا ہے یعنی پیغمبر حق ظہور پذیر ہوتا ہے جس کی صدائے حق پر لبیک کہہ کر قوم صداقت و راستبازی اختیار کرتی ہے۔

یوم الحساب: قیامت کے دن کو یوم الحساب بھی کہتے ہیں یعنی حساب کا دن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کھایا تھا اور کیا پیا تھا کہاں گئے تھے اور کہاں نہیں گئے تھے اس طرح تو اولین و آخرین کا حساب کبھی ختم ہی نہ ہوگا اور نہ خدا کی شان کے لائق ہے یہ بات کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا حساب لے۔ نہ خدا کوئی جسم رکھتا ہے جس سے کوئی آواز نکلے گی اور لوگ ہر ہر بات کا جواب دیتے رہیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ظہور کا دن قیامت کا دن ہے اس دن پیغمبر یہ ندائے حق بلند کرتا ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے اور مجھے ایک دستور العمل

دیا ہے اس دستورِ عمل اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو لوگ ایمان لاتے ہیں بس
ان کا حساب ہو چکا ان کو جزا مل گئی کیونکہ سب سے بڑی جزا ایمان ہے
اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور انکار کر دیتے ہیں تو ان کا یہ انکار ہی ان کا
حساب ہے جس کے نتیجہ میں وہ تباہی و ذلت کے دوزخ میں گر جاتے ہیں۔
یہی ہے امام معصوم کا فرمان کہ خدا اوّلین و آخرین کا حساب ایک پلک جھپکنے
سے بھی کم عرصہ میں لے لیگا وہ حساب یہی ہے یعنی یک کلمۂ اقرار یا انکار پر
حساب کا تمام ہے۔

شروع میں ہم نے سورۂ رحمٰن کی ایک آیت پیش کی تھی جو حساب کے
متعلق تھی اس پر پھر غور فرمائیے۔

خدا فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان اور جن سے گناہوں کی بابت
سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرم اپنی پیشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے۔ اس سے
معلوم ہوا کہ خدا انسانوں سے اس طرح ہمکلام نہ ہوگا جس طرح کہ ایک دوسرے
انسان سے ہمکلام ہوتا ہے اور جب اس طرح ہم کلام نہ ہوگا تو پھر گناہوں کے
رجسٹروں کی ضرورت باقی رہی نہ اس بات کی کوئی ضرورت رہی کہ فرشتے آئیں
اور فہرست جرائم سنائیں۔ اس سلسلہ میں ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام
سے سوال کیا کہ خدا علام الغیوب ہے اس کو کیا ضرورت کہ وہ مجرموں کی پیشانیاں
دیکھ کر پہچانے تو امام معصوم جواب میں فرماتے ہیں کہ بیشک خدا کو کوئی ضرورت
نہیں کہ پیشانی دیکھ کر پہچانے بلکہ یہ آیت حضرت قائم آلِ محمد کے متعلق ہے
جب وہ ظہور فرمائیں گے تو مجرموں کو پیشانیوں سے پہچان لیں گے اور ان کو گرفتار

کریں گے۔ (البصائر)

امام معصوم کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ "حساب" روز جزا کا مخصوص نہیں جواب تک سمجھا گیا ہے بلکہ یوم قیامت یا یوم الحساب کا مطلب یہ ہے کہ قائم آلِ محمد ظہور فرمائیں گے اور اسی طرح مخلوق کا حساب لیں گے جس طرح خدا کے تمام پیغمبر اپنی اپنی قیامت کے دن یعنی اپنے ظہور کے زمانہ میں مخلوق کا حساب لیتے رہے۔ حساب یوم الحساب کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہزاروں لاکھوں مرتبہ مخلوق کا حساب ہوتا رہا ہے مثلاً خدا فرماتا ہے کہ:

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا۔

اور بہت سی بستیوں نے اپنے رب کے حکم اور خدا کے رسولوں سے سرکشی کی سو ہم نے ان سے حساب لیا اور بہت سخت حساب لیا اور ہم نے انہیں بہت بُرا عذاب دیا اور انھوں نے اپنے کرتوت کا مزہ دیکھ لیا اور وہ سخت خسارہ میں رہے

(پارہ ۲۸ ع ۱۷ سورہ طلاق)

کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ رسولوں کی آمد پر امر الٰہی کے نافرمان قوموں کا حساب لیا گیا اور ان کو عذاب دیدیا گیا اسی اصول پر سورۂ مرسلات میں فرماتا ہے کہ:

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ٥

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا ہے پچھلی قوموں کو ہلاک کر چکے جب آئندہ بھی ہلاک کریں گے اور مجرموں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

یہ قانونِ خداوندی ہے۔ سنتِ الٰہی ہے جو اس کائنات میں ہمیشہ سے جاری ہے اور رہے گی۔ اس لئے یہ تصور باطل ہے کہ تمام نوعِ انسان کے حساب کے لئے ایک خاص دن معین ہے اور قبروں سے زندہ کرکے ان کے گناہوں کی باز پرس کی جائے گی۔

یومِ قیامت اور قیامت کے مختلف ناموں سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قیامت سے یہ مراد نہیں ہے کہ کائنات فنا اور معدوم ہو جائے گی اور دوبارہ زندہ ہوگی اور حساب و کتاب ہوگا بلکہ قیامت سے مراد خدا کے پیغمبروں کا ظہور ہے اس لئے ہر پیغمبر کے ظہور کا دن قیامت تھا چونکہ قرآن میں بھی قیامت کی آمد کی پیشگوئی ہے اس لئے حضرت محمد کے بعد بھی خدا کے پیغمبر کی آمد کی پیشگوئی فرمائی گئی جس کا ظہور قیامت کہلاتا ہے قیامت کے دو حصے ہیں:

(۱) قیامتِ صغریٰ یعنی ظہور قائم آلِ محمد۔

(۲) قیامتِ کبریٰ یعنی تمام پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ پیغمبر کا ظہور۔ وہ یہی ظہور حسینی یا مسیح کا ظہور ہے۔ حسینی یا مسیح کے ظہور کو قیامتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

قیامتِ کبریٰ کی علامات

خدا کی آمد: نوعِ انسان کی مادی اور روحانی ترقی کو جاری رکھنے کے لئے خدا کی طرف سے جو شخص مقرر ہو کر آتا ہے اس کا کوئی خاص نام یا لقب معین نہیں ہے بلکہ ہر کتاب نے اپنی اصطلاح علیحدہ مقرر کی ہے مثلاً

حضرت مسیح نے اپنے آپ کو نبی کبھی نہیں کہا بلکہ ابن انسان یا بیٹے کے لفظ کے
ساتھ دعویٰ ماموریت فرمایا اس لئے عیسائی اپنے پیغمبر کو نبی نہیں کہتے بلکہ بیٹا و
اس کے بھیجنے والے کو باپ کہتے ہیں۔ اسی اصول پر قرآن مجید نے صاحب کتاب
کے لئے ایک جداگانہ اصطلاح معین کی اور اس کو نبی کہا اور قرآن کی اصطلاح میں
خدا کے تمام پیغمبر خواہ وہ بیٹے اوتار کہلاتے ہوں یا خدا کا بیٹا سب کے سب
نبی کہلاتے ہیں۔

قرآن مجید نے نبوت کی اصطلاح آئندہ کے لئے ختم کر کے حضرت محمد علیہ السلام
کو خاتم النبیین فرمایا ہے پس وہ شخص جو قرآن کی اصطلاح کا متبع ہو کر
پھر نبوت کے لفظ کے ساتھ دعویٰ ماموریت کرے وہ سچا نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید
نے آئندہ کے لئے جہاں اس اصطلاح کو ختم کیا وہاں آئندہ آنے والے پیغمبر موعود
کے متعلق فرمایا کہ حضرت محمدؐ کے بعد رب یا خدا آئے گا اس لئے قیامت کے دن
خدا یا رب کی آمد قیامت کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ ہے بلکہ نزول قرآن
کی غرض اصلی ہی لقائے ربانی یا خدا کی آمد قرار دی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم
قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ۔ — خدا ہی سب کام کو حکم کرتا ہے اور آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کی ملاقات کا یقین آجائے۔

یعنی نزول قرآن اور تفصیل آیات کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ
اب حضرت محمدؐ کے بعد جب قرآن کی مدت ختم ہو جائے گی تو خدا کی ہدایت کے لئے

اس لئے اس آیت میں رب کو دیکھنے سے مراد اس کے جانشین پیغمبر کی زیارت ہے اس پر جو لوگ ایمان لائیں گے وہ خوش و خرم ہوں گے اور منکرین اپنی سرکشی ضد اور تعصب کی وجہ سے اس کی حقیقت سے ناواقف رہیں گے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہے گا جیسا کہ آج واضح ہو رہا ہے۔

مٰلکِ یوم الدین کی آمد!

یوم قیامت میں ظاہر ہونے والے پیغمبر کو رب کے علاوہ مالک یوم الدین بھی فرمایا گیا ہے یعنی اس دن ایک پیغمبر عظیم خدائی اختیارات کا مالک ہوگا چنانچہ سورۂ زخرف میں ارشاد فرمایا ہے:

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ○

مجرم آواز دیں گے کہ اے مالک تو رب سے کہہ کہ ہمیں موت ہی دے دے اس عذاب سے تو موت بہتر ہے، وہ مالک جواب دے گا کہ تم اسی عذاب میں پڑے رہو گے کیونکہ ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے مگر تم میں سے اکثر حق سے متنفر ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے قیامت کے دن مجرموں اور ایک شخص کے درمیان گفتگو ہوگی اس شخص کا نام مالک ہوگا چونکہ یوم قیامت کو یوم الدین کہتے ہیں اس لئے یہی شخص مالک یوم الدین ہے اور یہی وہ پیغمبر عظیم ہے جس کی شریعت سے لوگ نفرت کریں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔ وہ مجرم و منکر لوگ اس سے درخواست کریں گے کہ اے مالک تو اپنے پروردگار سے ہمارا فیصلہ ہی کرا دے۔

وَالشُّهَدَاءِ ۔	دینے والے اور سب کی گواہی دینے کیلئے آ جائینگے۔

آیت میں نورِ رب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ رب کہتے ہیں مربی کو۔ چونکہ خدا کا پیغمبر مربی روحانی ہوتا ہے۔ یعنی وہ لوگوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کرتا ہے۔ اس لئے اس کو رب بھی کہتے ہیں۔ پس یہاں نورِ رب سے مراد پیغمبر کی روحانی روشنی ہے اور نورِ رب کا دوسرا عربی ترجمہ بہاء اللہ ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ زمین بہاء اللہ کے ذریعہ سے چمک اٹھے گی۔ چنانچہ حضرت بہاء اللہ کی قوت قدسی کی وجہ سے زمین مادی و روحانی ہر قسم کے علوم کی روشنی سے چمک اٹھی ہے جس کی شہادت آج ہر انسانی آنکھ دے رہی ہے۔ موجودہ روشن زمانہ کی مثال انسانی آنکھ نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ربّ الارباب خلق و ہادی حقیقی نے آپ کے لئے کتاب وضع فرمائی جس کی خبر اور گواہی اہلِ بہاء تمام دنیا میں دے رہے ہیں۔

صورِ قیامت: دنیا کا ہر انسان جانتا ہے کہ یومِ قیامت کی پہلی علامت یہ ہے کہ "صور پھونک دیا جائے گا"

صور کے متعلق سورۂ زمر میں یوں ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ	اور صور پھونک دیا جائیگا جس کے نتیجہ میں آسمان
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا مَنْ	اور زمین کے رہنے والے لوگ بیہوش ہو جائیں گے مگر
شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى	جن کو خدا چاہے گا وہ بیہوش نہ ہوں گے۔ پھر جب دوسرا
فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۔	صور پھونکا جائیگا تو لوگ بیدار ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

یہی وہ آیت ہے جس سے فنائے کائنات اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے

کا مطلب سمجھ گیا ہے حالانکہ کائنات تو بڑی چیز ہے کسی ایک چیز کی فنا بھی ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کچھ لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور کچھ لوگ بیہوش بھی نہ ہوں گے۔ پس تعجب ہے کائنات کا معدوم ہو جانا کہاں سے سمجھ لیا گیا ہے۔

اب ذرا سورۂ حج میں بیہوش ہو جانے کی تشریح بھی ملاحظہ فرمائیں تو آپ خود تعجب کریں گے۔ فرماتا ہے:

وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُم بِسُكَارَى - یعنی قیامت کے دن تم لوگوں کو نشہ یا بیہوشی کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے:

وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ - یعنی خدا کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔

فرماتا ہے کہ صور پھونکے جانے کے بعد لوگ نشہ کی سی کیفیت میں نظر آئیں گے مگر درحقیقت وہ بیہوش یا نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی کی شدت کی وجہ سے ان کی حالت ایسی ہوگی جیسی نشہ میں ہوا کرتی ہے۔ ثابت ہو گیا کہ صورِ قیامت سے نہ کائنات فنا ہوگی نہ لوگ بیہوش ہوں گے بلکہ ایک گھبراہٹ سی ہوگی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ صور کی حقیقت کیا ہے۔ صور کہتے ہیں سینگ کو جس کے ذریعے سے لوگوں تک بلند آواز پہونچائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن قیامت کا اعلان کیا جائے گا چونکہ قیامت کہتے ہیں پیغمبر کو اس لئے صور کے معنی ہوئے اعلانِ پیغمبر یعنی قیامتِ کبریٰ میں دو پیغمبر اپنی بعثت کا

اعلان فرمائیں گے اور اس صور کو سن کر آسمان اور زمین والے یعنی تمام اعلیٰ اور ادنیٰ انسان گھبرا اٹھیں گے۔

زلزلۂ قیامت: اذا زلزلت الارض زلزالہا۔ جبکہ زمین ہلا دی جائے گی جیسا کہ ہلانے کا حق ہے۔ پیغمبر کے ظہور کے وقت زمین میں زلزلہ آنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں زمین سے اہلِ زمین مراد ہیں۔ یعنی زمین پر رہنے والے انسانوں کے دین تمدن اور تہذیب کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ دنیا کے موجودہ انقلابات جو ایک صدی یعنی حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کے ظہور کے بعد سے شروع ہوئے ہیں وہ اس حقیقت پر گواہ ہیں کوئی قوم اپنے دین پر قائم نہیں رہی۔ دنیا کے تمام تمدنوں اور تہذیبوں کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ اور انقلابات کے بھونچال نے تمام کرۂ ارض کو گھیر لیا ہے اور دنیا ان انقلابات میں گرفتار رہے گی۔ جب تک کہ حضرت بہاء اللہ کے پیش کئے ہوئے آسمانی تمدن کو اختیار نہ کرے گی۔

زمین و آسمان کی حالت: مشہور ہے کہ قیامت کے دن زمین آسمان معدوم ہو جائیں گے باوجود تلاش بسیار ہمیں ایک بھی آیت ایسی نہیں ملی جس سے زمین و آسمان کا فنا ہونا ثابت ہو اس کے برخلاف زمین و آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ انشقاق میں فرماتا ہے:

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا — قیامت کے دن آسمان شق ہو جائے گا حکم بجا لا کر
وَحُقَّتْ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ — حق ثابت ہو کر رہے گا۔ زمین وسیع کر دی جائیگی

وَ اَلْقَتْ مَا فِیْھَا وَ تَخَلَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَ حُقَّتْ ۔ | اور اس میں جو کچھ ہوگا اس کو باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائیگی اور اپنے پروردگار کا حکم سن کر ثابت و برقرار رہے گی۔

آسمان کے شق ہونے اور زمین کے اور زیادہ وسیع ہونے خدا کا حکم سُن کر ثابت و برقرار رہنے سے آسمانوں اور زمینوں کا عدم ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونو چیزیں موجود رہیں گی اور جب زمین و آسمان موجود رہیں گے تو دنیا کی ہر چیز موجود رہے گی۔ ایسی حالت میں اب دیکھنا ہے کہ آسمان کے شق ہونے اور حکم پروردگار سنکر ثابت و برقرار رہنے کا مطلب کیا ہے

سَمَا جس کے معنی آسمان ہیں عربی زبان میں اسکے حقیقی معنی ہیں ہر اونچی چیز اس لئے اوپر ہونے کی وجہ سے آسمان کو سما، کہتے ہیں چونکہ موضوع قرآن رشد و ہدایت ہے۔ اس لئے موضوعِ قرآن کے مطابق سماء کے معنی ہیں سماء دین یعنی دین کا آسمان۔ روحانیات میں سب سے زیادہ بلند چیز خدا کا دین ہے اس لئے اس کو سماء دین بھی کہتے ہیں۔ دین کا آسمان ہر پیغمبر کے وقت میں شق ہوتا ہے۔ اپنے سے پہلے کی شریعت کو ہر پیغمبر شق کر دیتا ہے اس کو اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے دیتا بلکہ اس میں حکم پروردگار کے مطابق اصلاحیں کر کے دوسرا آسمانِ شریعت قائم کر دیتا ہے۔ پس قائم کے ظہور کے بعد مسیح یا سین گذشتہ شریعتوں کے کمزور اور فائدہ نہ دینے والے آسمان کو شق کردیں گے اور نیا حکمِ پروردگار سنائیں گے اور نیا آسمانِ دین قائم کردیں گے اور اس وقت وہ دین قابل عمل اور مفید بن جائے گا۔ اسی طرح ارض کہتے ہیں

ہر نیچی چیز کو۔ عربوں کا محاورہ ہے ارض النعل جوتے کی زمین یعنی جوتے کا نچلا حصہ یا تلا۔ ارض القلب بھی عرب کا محاورہ ہے یعنی ابن رحف۔

اس آیت میں ارض سے مراد اہل ارض ہی ہیں۔ جو آسمانِ دین کے سایہ میں رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ آسمانِ دین دوبارہ ثابت و قائم ہونے کے بعد انسانوں کے دلوں کی سرزمین وسیع اور کشادہ کر دی جائے گی جو نئے آسمانِ دین کے سایہ میں رہنا منظور اور گوارا کرے گی اور گذشتہ عقائد اور مضر رسموں اور رواجوں کو اپنے اندر سے نکال پھینکے گی یعنی لوگ فضول رسوم اور باطل عقائد سے دست بردار ہو کر نئے دین اور نئی شریعت کو قبول کریں گے۔

اسی حقیقت کو سورۂ ابراہیم میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

یوم تبدل الارض والسموات	اُس دن زمین یعنی اہل زمین کے دلوں کی سرزمین نئی
وبرزوا لله الواحد القهار۔	زمین سے بدل جائے گی اور دینوں کے آسمان بھی نئے
	آسمان سے بدل جائیں گے۔

یعنی تمام شریعتوں کی بجائے ایک نئی شریعت کو لوگ قبول کریں گے۔ پچھلے دینوں کے آسمان باقی نہ رہیں گے بلکہ ایک نیا آسمانِ دین قائم ہوگا جس کی اطاعت کے لئے لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ امام زین العابدین اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"اُس دن یہ زمین ایسی زمین سے بدل دی جائے گی جس پر گناہ نہ کیا گیا ہوگا۔" (تفسیر قمی و عیاشی)

ہر پیغمبر کے ظہور کے وقت لوگوں کے گناہگار دنوں کی سرزمین
پاک ہو جاتی ہے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ایسا ہی قیامت کبریٰ
میں ہوگا۔

قیامت اور پہاڑ: مشہور ہے کہ قیامت کے دن پہاڑ پھٹ جائیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے
پہاڑوں کے متعلق جو آیات ہیں انھیں ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ:
یوم تسیر الجبال سیرًا۔ جس دن پہاڑ اس طرح چلنے لگیں گے جیسا کہ
چلنے کا حق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ دوڑتے ہوں گے۔
لیکن دوسری جگہ فرماتا ہے کہ:

وَتَرَى الجِبَالَ تَحسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔	پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی کہ تم ان کو بدستور زمین میں جامد دیکھو گے مگر درحقیقت وہ بادلوں کی مانند اڑتے ہوں گے۔

پہاڑوں کے چلنے یا اڑنے سے پہاڑوں کا معدوم ہونا قطعی ثابت نہیں ہوتا۔ تو
پھر پہاڑوں کے چلنے سے کیا فائدہ یہ بات لغو ہے۔ دوسری آیت میں لکھا ہے
کہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔ مگر دیکھنے والوں کو وہ ایسے ہی معلوم
ہوں گے گویا کہ زمین پر بدستور مضبوطی سے قائم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تماشہ
سے کیا فائدہ؟ جب قیامت کے دن لوگوں کو پہاڑ اپنی جگہ نظر آئیں گے تو
ان سے یہ کہنا بیکار ہے کہ اندرونی طور پر وہ بادلوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔
واقعہ یہ ہے کہ عربی میں پہاڑ کے لئے لفظ جبل استعمال ہوتا ہے

جبل کے معنی اُس پہاڑ کے بھی ہیں جو مشہور ہے۔ لیکن جبل قوم کے سردار اور عالم کو بھی کہتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:

جبل القوم ای سیّد القوم وعالمھم۔ (قاموس محیط)

"جبل قوم کے سردار اور عالم کو کہتے ہیں"

سیّد القوم وعالمھم فلان جبل قومہ (محیط المحیط)

سردار قوم اور عالم کو جبل کہتے ہیں محاورہ ہے کہ فلاں شخص اپنی قوم کا پہاڑ ہے۔

یقال فلان جبل من الجبال اذا کان عزیزاً (لسان عرب)

محاورہ ہے کہ فلاں شخص پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جبکہ وہ عزت دار اور بڑا آدمی ہو۔ اس لغوی تحقیقات کے بعد اب ان آیات کے معنی جو بظاہر ناقابل فہم ہیں بالکل واضح ہوجاتے ہیں قیامت کے دن علمائے قوم اپنی جگہ چھوڑ دیں گے یعنی اپنے مقام اور مرتبہ پر باقی نہ رہیں گے بظاہر تو وہ بڑی شان و شوکت والے دکھائی دیں گے لیکن درحقیقت ان کے اندر علم و عمل بالکل مفقود ہوجانے کی وجہ سے ان کی کوئی حیثیت و قیمت باقی نہ رہے گی بلکہ ان کا وزن ایسا رہ جائے گا جیسا کہ روئی کا گالا ہوتا ہے کہ ایک پھونک سے ایسا اُڑتا ہے کہ آسمان پر جاکر دم لیتا ہے۔ جب کسی شریعت کی مدت ختم ہوجاتی ہے تو علمائے قوم کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے وہ اپنی جہالت اپنے غرور و تکبر اپنی بے عملی کی وجہ سے اپنی قوم کو بھی جاہل، مغرور، متکبر، اور بے عمل بنا دیتے ہیں اپنے معتقدوں سے اپنے مصنوعی علم کی پرستش

کراتے ہیں اور وہ لوگ ان سے مرعوب رہتے ہیں اور وہ ان کی نظروں میں ایسے عظیم الشان دکھائی دیتے ہیں جیسے پہاڑ لیکن جب پیغمبر وقت آکر ایسی جاہل قوم کو دعوت ایمان و عمل دیتا ہے تو وہ لوگ جو اس کی دعوت پر ایمان لاتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ علماء قوم بظاہر ہی عالم و فاضل نظر آتے ہیں مگر درحقیقت ان سے بڑا بے علم کوئی نہیں ہے ایسا ہی قیامت کبریٰ میں ہوگا۔ قیامت کبریٰ میں ظاہر ہونے والے پیغمبر عظیم کا جب اعلان ظہور ہوگا تو تمام ادیان و اقوام کے علماء کی حالت ذلیل ہو جائے گی ان کے ظاہری علم و تقویٰ کی کوئی عزت باقی نہ رہے گی وہ بظاہر لوگوں کو علماء دکھائی دیں گے لیکن اس پیغمبر موعود کے سامنے ان کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسے کہ ریت یا روئی کے گالے کی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت بہاء اللہ کی ایک لوح میں ہمیں یہ پُر جلال الفاظ نظر آتے ہیں کہ:

"ہم نے دو قسم کے لوگوں سے اقتدار چھین لیا ہے بادشاہوں سے اور علماء سے"

اور آج جبکہ قیامت کبریٰ کا دن آچکا ہے۔ بادشاہوں، علمائے قوم اور لیڈروں کا وہ نقشہ جو حضرت بہاء اللہ اور قرآن کریم نے پیش کیا ہے آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے کسی میں انکار کی جرأت نہیں۔ تمام خود مختار بادشاہوں کا تخت اُلٹ دیا گیا ہے اور قوت جمہور کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔ ہر قوم کے علماء نظروں سے گر چکے ہیں بلکہ باعث تمسخر و استہزا بن چکے ہیں اور ہر قوم چیخ اٹھی ہے کہ

یہ تباہی و بربادی ان لوگوں کی وجہ سے آئی ہے جو اپنے آپ کو علماء لیڈر و سرداران قوم بتلاتے ہیں - ان علماء اقوام کی غلط رہنمائی کی وجہ سے خود دین کی حالت اس درجہ پست ہو گئی ہے کہ دنیا کی غالب آبادی دین کے نام سے دور بھاگتی ہے - لیکن خدا کا شکر ہے کہ حضرت بہاء اللہ کا دین حقیقی اس نفرت و حقارت کو روز بروز دور کر رہا ہے اور وہ لوگ جو دین سے بھاگتے تھے وہ دینِ بہائی کو آسانی سے قبول کرتے چلے جاتے ہیں - اس طرح دینِ اسلام میں اس کی موت کے بعد دوبارہ روحِ حیات پھونک دی گئی ہے اور علمائے اقوام جو اس کی موت کا باعث بنے تھے - ان کا اب یہ عالم ہے کہ:

خرجت منهم الفتنة والیهم تعود (ان ہی سے فتنہ پیدا ہوا اور ان کی طرف لوٹ جائے گا) کے مطابق اپنے اعمال کی جزا کے لئے میدان حساب میں حاضر ہیں سچ ہے "خود کردہ را علاج نیست"

قیامت اور صراط: مشہور ہے کہ قیامت کے دن ایک پل بنایا جائے گا جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو گا مومن اس پل کے اوپر سے مثل ہوا یا بجلی کی مانند گذر جائیں گے اور کافر و منکر اس پل سے پھسل کر دوزخ میں جا گریں گے - صراط کے یہ معنی بھی اب تک خوب سمجھے گئے حالانکہ بات اس قدر سیدھی اور صاف تھی کہ اب تک نہ سمجھ میں آنے سے حیرت ہوتی ہے - قرآن کے پہلے ہی صفحہ پر موجود ہے -

اھدنا الصراط المستقیم - "ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت کر"

معلوم ہوا کہ صراط راستہ کو کہتے ہیں اور صراط مستقیم خدا کے دین کو - قرآن مجید

میں صراط کا اس قدر ذکر غالب ہے کہ کسی اور چیز کا اتنا ذکر نہیں کیا گیا۔

جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "الصراط انا" صراط میں ہوں۔ جب علی بن ابی طالب علیہ السلام لفظ صراط کے مستحق ہیں تو یہ لفظ خدا کے دین، پیغمبر، کتاب الہٰی اور خدا پر کیوں نہیں بولا جا سکتا معانی الاخبار میں حضرت صادق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صراط سے مراد وہ امر ہے جس کی اطاعت فرض ہو اس لئے یقیناً صراط سے مراد خدا کا پیغمبر یا اس کی شریعت ہے یعنی قیامت کبریٰ میں ایک پیغمبر عظیم ظاہر ہوگا وہ اور اس کا پیش کیا ہوا دین ہی صراط حقیقی ہوگا جس پر ایمان لانا ایسا دشوار ہوگا کہ مومن تو بجلی کی مانند اس نئی صراط مستقیم سے گذر جائیں گے یعنی فی الفور قبول کر لیں گے۔ لیکن انکار کرنے والوں کے لئے اس کا بتایا ہوا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ سخت اور تیز معلوم ہوگا وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس جدید صراط مستقیم سے پھسل کر ذلت و پستی، ناکامی و نامرادی کے جہنم میں گر پڑیں گے۔

قیامت اور مُردوں کا جی اُٹھنا: قرآن کی آیات کو اگر خود قرآن سے حل کر لیا جائے تو یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن مُردہ کس کو کہتا ہے جیسے ہی یہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔ قیامت میں مُردوں کے جی اُٹھنے کا راز بھی حل ہو جائیگا خدا فرماتا ہے:

اموات غیر احیاء وھم ... منکرین مُردے ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو

لایشعرون ۔ (شعراء) شعور نہیں ۔

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ۔ اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو تاکہ وہ تمہیں زندہ کر دے ۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کی شریعت کا انکار کرتے ہیں خدا اور رسول کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ۔ دین حق کا انکار کرتے ہیں بد عملیوں میں گرفتار رہتے اور اس طرح خدا اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں وہ مُردے ہوتے ہیں ۔ جب پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ان روحانی مُردوں کو بھی مبعوث کرتا ہے ۔ ایمانی و روحانی مُردوں کی قبریں ان کے جسم ہیں جب وہ ایمان لے آتے ہیں تو گویا اپنی قبروں سے مبعوث ہو جاتے ہیں ۔ قبر سے مراد جہالت و ضلالت کی قبر بھی ہے ۔ جہالت و ضلالت کی قبروں سے اُٹھ کھڑا ہونا یہی مردہ قوموں کا زندہ ہونا ہے اور یہی قیامت کے دن جی اُٹھنا ہے ۔

چنانچہ فرماتا ہے :

کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون ۔ تم مُردے تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور پھر تم اسی کی طرف رجوع کرو گے ۔ (بقرہ)

اس آیت میں موت و حیات کے معنی بالکل واضح ہیں دعوت حضرت پیغمبر اسلام کے نتیجہ میں مُردہ قوموں میں سے جو لوگ نکل کر آئے اور اسلام قبول کیا وہ پہلے ایمانی لحاظ سے مُردہ تھے ۔ مگر قرآن کے ذریعہ سے خدا نے ان کو جلا دیا ۔ خدا فرماتا ہے کہ شروع میں تم جس طرح مُردہ تھے اسی طرح ایمانی

روحانی لحاظ سے پھر مُردہ ہو جاؤ گے اور پھر ایک دفعہ تم کو زندہ کردے گا۔ اور تم خدا یعنی اس کے پیغمبر جدید کی طرف اپنی ترقی و ایمانی زندگی کے لئے رجوع کروگے۔

پس جہاں جہاں قرآن مجید میں قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا ذکر ہے اس سے ایمانی اور روحانی مردوں کا زندہ ہونا مراد ہے نہ کہ جسمانی مردوں کا قبروں سے جی اٹھنا۔ ہر پیغمبر ایمانی مردوں کو ایمان عطا کرکے زندہ کرتا ہے اسی طرح قیامت کبریٰ میں ہوگا۔ مسیح موعود تمام قوموں کو جو آپس کے داخلی و خارجی اختلافات کی بدولت مرچکی ہوں گی زندہ کردے گا ان کے اختلاف اور جھگڑے جو باعث موت ہوتے ہیں۔ باقی نہ رہیں گے اور وہ روحانی و خلقی و تمدنی و معاشرتی غرض ہر لحاظ سے زندہ ہو جائیں گے۔

قیامت اور میزان دنیا میں کوئی مادی میزان اور ترازو ایسی نہیں ہے جو اعمال انسانی کا وزن کرسکے۔ انسانی اعمال کا تعلق روح انسانی سے ہے اس لئے کوئی روحانی آلہ ہی اعمال کا وزن ہو سکتا ہے۔ خدا۔ پیغمبر۔ کتاب الٰہی۔ ان تین چیزوں کے علاوہ کوئی دوسری چیز اعمال انسانی کا وزن نہیں کرسکتی۔ خداوند عالم اپنے پیغمبروں کو انسانی اعمال کا وزن کرنے ہی کی غرض سے مبعوث کرتا ہے ان کو کتاب عطا فرماتا ہے یہ کتاب ہی اعمال انسانی کی میزان قرار پاتی ہے جس قوم کے اعمال اس کتاب کے مطابق ہوتے ہیں وہ نیک اور مومن ہوتے ہیں

اور جن کے اعمال کتاب الٰہی کے معیار کے مطابق نہیں ہوتے ان کی برائیاں نیکیوں سے بڑھ جاتی ہیں ایسے لوگوں پر کافر و فاسق و فاجر اور مشرک اور دوزخی ہونے کا حکم لگتا ہے۔

خداوند عالم سورۂ حدید میں فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے دلائل دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

یہاں لفظ یَقُومُ النَّاسُ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کا قیام ہوتا ہے اور وہ گری ہوئی حالت اور پستی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ دنیا میں بار بار ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا ہے: یہ ہے خدا کی بیان کردہ میزان اور قیامت۔ پس کتاب الٰہی ہی وہ میزان ہے جو قیامت کبریٰ کے دن قائم کی جائے گی۔ یعنی کتاب جدید پیغمبر جدید پر نازل ہوگی جس کے ذریعہ سے اعمال انسانی کا وزن ہوگا جو لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں گے وہ جنتی قرار پائیں گے اور جو ایمان نہیں لائیں گے وہ جہنمی ہوں گے۔ اسی میزان کو ایک دوسری جگہ علیین اور سجین کے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

کتاب علیین اور کتاب سجین:

کلا ان کتاب الابرار لفی علیین — نیک لوگوں کی کتاب علیین میں ہوگی اور جنہیں

وَمَا ادراك ما عليون كتاب مرقوم يشهده المقربون كلا ان كتاب الفجار لفي سجين وَمَا ادراك ما سجين كتاب مرقوم ويل يومئذٍ للمكذبين الذين يكذبون بيوم الدين۔	خبر ہے کہ علیین کیا چیز ہے وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کی مقربانِ بارگاہِ الٰہی شہادت دیں گے اسی طرح فاسق و فاجر لوگوں کی کتاب سجین میں ہوگی اور جانتے ہو سجین کیا ہے وہ بھی ایک لکھی ہوئی کتاب ہے اس دن افسوس ہے ان لوگوں پر جو جزا دین و شریعت کی تکذیب کریں گے۔

ملاحظہ فرمایئے کس خوبی سے کتاب جدید اور نئی شریعت کے نزول کو بیان فرمایا ہے خدا کی کتاب ہی ہوتی ہے جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے جس کی مومن اور نیک بندے جن کو مقربون کہا گیا شہادت دیتے اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اسی کتاب میں فاسق و فاجر لوگوں کا اعمال نامہ درج ہوتا ہے اور سب سے بڑا اعمال نامہ دین و شریعت کے نزول کے زمانہ کی تکذیب اور خدا کے پیغمبر کو جھٹلانا ہے۔ خدا کی کتاب اس اعمالنامہ کو بیان کرتی ہے کہ دیکھو ہر زمانہ میں خدا کی کتاب اور اس کے دینِ جدید کا لوگ انکار کرتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں پر افسوس ہے۔

غرض کتاب الٰہی جس میں خدا کی شریعت جدید ہوتی ہے مومن بندے اس کی گواہی دیتے ہیں اور غیر مومن اس کتاب کی تکذیب کرتے ہیں پس قیامتِ کبریٰ کے دن رسول میثاق پر کتاب کا نزول ہوگا۔ مقربانِ بارگاہ اس کتاب کے کلام خدا ہونے کی گواہی دیں گے مگر جھٹلانے والے اس کو جھٹلائیں گے اور یہی کتاب خدا ہوگی جو اس دن میزانِ اعمال قرار پائے گی

اور فیصلہ سُنائے گی۔

تفسیر قمی میں امام رضا علیہ السلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے سورۂ رحمٰن کی آیت والسّماء رفعھا ووضع المیزان کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ سماء سے مراد رسولِ خدا اور میزان سے مراد علی مرتضیٰ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ میزان سے کوئی مادی ترازو مراد نہیں بلکہ خدا کا پیغمبر یا اس کی کتاب مراد ہے۔

بین الاقوامی اختلافات کا فیصلہ: خداوند عالم اپنی اس میزان عدل کے ذریعہ سے جسے وہ ہمیشہ نازل کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔ اعمال کا وزن کرنے اور یہ بتانے کے بعد کہ اب تک کن لوگوں کا عمل کتاب الٰہی کے مطابق رہا اور کس کا عمل کتاب الٰہی کی ہدایات کے خلاف رہا۔ اقوام عالم کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کرے گا اور ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا۔ کسی پر ظلم نہ کرے گا چنانچہ سورۂ یونس میں قیامت و عذاب قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

لکلّ امّۃٍ رسول فاذا جآء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لایظلمون ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔	تمام اقوام عالم کے اختلافات کے فیصلے کے لئے ایک پیغمبر معین ہو چکا ہے جب وہ آئیگا تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائیگا اور وہ تاریکی میں نہ پڑے رہیں گے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔

اس آیت کی تشریح سورۂ حدید میں اس طرح فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ اَشْرَكُوا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝	یعنی مسلمانوں، یہودیوں، صابیوں، عیسائیوں، آتش پرستوں اور مشرکوں کے درمیان خدا قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور بے شک وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

چنانچہ حضرت بہاء اللہ نے دین بہائی کے ذریعے مذکورہ بالا تمام قوموں کے اختلافات کا فیصلہ فرما دیا ہے۔

نفرت و عداوت، دشمنی اور تعصبات کا خاتمہ:

جس طرح پیغمبر ظاہر ہو کر لوگوں کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرکے ان کو توحید حقیقی یعنی محبت و الفت کی صراط مستقیم پر قائم کر دیتا ہے۔ یہی واقعہ بہت بڑے پیمانہ پر قیامت کبریٰ کے زمانہ میں ہوگا۔ بین الاقوامی رسول مبعوث ہوگا۔ اس پر کتاب جدید نازل ہوگی جو تمام اقوام عالم کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرے گی اور ان کو حقیقی دین عطا فرما کر تمام نوع انسان میں محبت و الفت اور عالمگیر اتحاد و اتفاق پیدا کر دے گی۔ پھر ان کے دلوں میں نفرت و عداوت اور دشمنی نہ رہے گی۔ تمام دنیا ایک وطن تمام نوع انسان ایک خاندان بن جائے گی۔ اس واقعہ کو سورۂ اعراف میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ	اور ان کے سینوں سے تمام دشمنی اور کینہ کو نکال

تجری من تحتها الانہار و نودوا	دی جائیں گی ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں
الحمد للہ الذی ھدٰینا لھٰذا و	گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں راستہ دکھایا
ما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللہ	اگر خدا یہ راستہ نہ دکھاتا تو ہم کبھی صراط مستقیم نہ
لقد جاءت رسل ربنا بالحق و	پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق لیکر
نودوا ان تلکم الجنۃ اورثتموھا	آئے تھے اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جنت
بما کنتم تعملون ۔	جسکے تم اپنے عملوں کے بدلے میں وارث بنائے گئے ہو۔

اختلافات امم کے فیصلہ کا نتیجہ ہی یہ ہونا چاہئے کہ ان امتوں اور قوموں کے دلوں سے دشمنی اور کینہ دور ہو جائے دین حقیقی اور اصلی توحید یہ ہے ورنہ اگر محض خدا کو ایک جاننے کا نام توحید حقیقی ہے تو بھلا دوسرے بھی خدا کو ایک جانتے ہیں پھر مومنوں اور مشرکوں کی توحید میں کیا فرق رہا۔ قومی اتحاد و محبت ہی اصلی توحید ہے جس کو تمام خدا کے پیغمبر اپنے اپنے دائرہ کے مطابق پھیلاتے رہے۔ عالمگیر محبت و الفت اور امن و صلح کا قیام ہی جنت حقیقی ہے جس کی عنقریب اپنے وقت مقررہ پر تمام نوع انسان وارث بنائی جائے گی۔ تمام قوموں کے لوگ دین بہائی کو قبول کر کے اور محبت و الفت کی حقیقی بہشت کو حاصل کر کے خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ واقعی اگر خدا دین بہائی کے ذریعہ سے محبت و الفت کا رستہ نہ دکھاتا تو ہم ہمیشہ ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی ہی کرتے رہتے بیشک تمام رسولوں کا مقصد توحید حقیقی اور انسانوں میں باہمی محبت و پیار ہی پیدا کرنا تھا اور دین حقیقی یہی ہے۔ لیکن جو لوگ ابھی دین بہائی کے دائرہ میں نہیں

آگئے ہیں وہ بھی یہ بات محسوس کر چکے ہیں کہ آج محبت واتحاد و اتفاق کی بڑی سخت ضرورت ہے اگر یہ اتحاد و اتفاق نوع انسان اپنے اندر پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوئی تو ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گی۔

حضرت بہاء اللہ کے ارشاد کے مطابق اپنے وقت معین پر تمام نوع انسان اس حقیقت کو محسوس کر کے خدا کے نازل کردہ نئے دین یعنی امر بہائی پر ایمان لائے گی اور اپنی باہمی دشمنی و عداوت کو دور کر کے اس جنت کی وارث بن جائے گی جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا۔

قیامت کا موضوع اس قدر وسیع اور طویل ہے جس کو پورا پورا بیان کرنے کے لئے یہ مختصر رسالہ ناکافی ہے جو حضرات بہائی عقائد کی روشنی میں قیامت کے موضوع کی مفصل تحقیقات کرنا چاہتے ہیں وہ کسی بہائی ادارہ سے کتاب قیامت طلب کر سکتے ہیں جس میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور بہت مقبول ہوئی ہے۔

قائم آلِ محمد حضرت باب اعظم کا اعلانِ قائمیت صورِ اسرافیل تھا جس کی ہولناک آواز بجلی کی طرح ایران کے گوشہ گوشہ میں دوڑ گئی تمام آسمانوں اور زمینوں کے باشندے یعنی بلند و پست اعلیٰ و ادنیٰ ہر طبقہ کے لوگوں پر بیہوشی کا سا عالم طاری ہو گیا۔ ہر شخص سراسیمہ و حیران تھا۔ ہر طرف ہل چل گئی اور وہ شورِ قیامت اُٹھا کہ ایران کے آسمان و زمین گونج اُٹھے۔ حضرت باب کے مومنین کی صفِ اوّل جس کو خدا نے اس سراسیمگی اور بیہوشی سے محفوظ رکھا تھا اس پیغام کو لیکر ایران کے مختلف مقامات میں پھیل گئی۔ گلہ بانِ حقیقی کی وفادار بھیڑیں اپنے مالک کی آواز پہچان کر لبیک کہتی ہوئی دوڑیں اور ایمان لائیں یہ پیغام یمی طور پر حضرت بہاء اللہ کے پاس بھی پہونچا اور جس طرح حضرت مسیح حضرتِ یحییٰ پر ایمان لائے تھے۔ حضرت بہاء اللہ بھی حضرت باب کے پیغام پر ایمان لاکر ان کی جماعت میں شامل ہو گئے اور بابی شریعت کے پُرجوش مبلغ ثابت ہوئے بلکہ حضرت باب کی شہادت کے بعد آپ ہی بابی جماعت کے

محو تماشا و نگراں تھے۔ آپ کا خاندانی نام حسین علی تھا اور آسمانی لقب بہاء اللہ تھا بہاء اللہ وہ اسم اعظم ہے جس کو آئمہ طاہرین نے دعائے سحر میں شامل کیا اور حضرتِ شیعیانِ حیدر کرار کو ہدایت کی تھی کہ وہ رمضان میں یہ دعائے سحر پڑھا کریں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ بَھَآئِکَ بِاَبْھَاہُ وَکُلُّ بَھَآئِکَ بَھِیٌّ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِبَھَآئِکَ کُلِّہٖ۔

امام معصوم نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ اس دعا میں اسم اعظم ہے اس میں لفظ بَھَآئِکَ یعنی بہاء اللہ اسم اعظم ہے جس کو ہر روز دعائے سحر میں پڑھنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اشارۃً یہ بات بتائی گئی تھی کہ تمہاری صبح سعادت و فجر کامرانی کا طلوع حضرت بہاء اللہ کے ظہور پر موقوف ہے۔

بابی شریعت کی تبلیغ کے جرم میں ایرانی گورنمنٹ نے آپ کو ایران سے جلاوطن کیا آپ بغداد پہونچے یہ ۱۸۵۳ء تھا اور حضرت باب کی شریعت کا نواں سال شروع ہو رہا تھا۔ کتاب بیان کی پیشگوئی کے مطابق اسی سال ۹ھ بیانی میں آپ نے حضرت باب کے چند مخلص مومنین کے سامنے یہ دعویٰ فرمایا کہ کتاب بیان میں جس من یظہرہ اللہ کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی ہے وہ آپ ہی ہیں یہ خبر آہستہ آہستہ بغداد میں پھیلنے لگی رشحش الواح میں فرماتے ہیں:

وَنَفَخْنَا فِی الصُّوْرِ مَرَّۃً اُخْرٰی   اور ہم نے آخری صور پھونک دیا اور یہ آخری صور بغداد ہی میں پھونکا گیا۔ جس کے متعلق خدا قرآن مجید سورۂ یونس

میں فرماتا ہے کہ:

وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ — اور خدا تمہیں دارالسلام یعنی بغداد کی طرف بلاتا ہے

وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ — اور جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے

اس خدائی دعوت کی طرف لوگ جوق جوق بڑھنے لگے اسی قیام بغداد کے زمانہ میں مشہور آفاق کتاب "ایقان" نازل ہوئی جس میں تمام کتب مقدسہ کے مشکل مسائل اور اسرار و غوامض کی معجزانہ تفسیر ہے۔ اس کتاب نے ہزاروں مایوس دلوں کو اطمینان بخشا ہے۔ ہر قوم کے لوگ آپ کے پاس آتے اور اپنے سوالات کا تشفی بخش جواب پاتے۔ اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر بغداد کے عجمی عوام اور علماء میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں حضرت بہاء اور ان کی جماعت کی بیخ کنی کی تدابیر پر غور کیا گیا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ہوشیار اور دانشمند عالم کو آپ کے پاس بھیجا جائے جو آپ سے مل کر معلوم کرے کہ واقعہ کیا ہے اور آپ کیا دعویٰ کرتے ہیں اس کام کے لئے "ملا حسن عمو" ایک مشہور و معروف مجتہد منتخب کئے گئے۔

یہ حضرت بہاء اللہ کے حضور میں پہنچے اور تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے اندازہ کر لیا کہ مناظرہ آسان نہیں ہے۔ ملا حسن عمو نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ علم و فضل میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے لیکن علمائے قوم کے لئے صرف یہ بات کافی نہیں ہے بلکہ کچھ اور بھی درکار ہے آپ نے فرمایا کہ ذرا اوپر دیکھو کیا دیکھتے ہو۔ ملا حسن عمو نے آسمان کی طرف دیکھا اور بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو آپ نے عالم مذکور سے فرمایا کہ جاؤ اور علمائے قوم سے

کہدو کہ خدا کسی کام میں عاجز نہیں ہے وہ اگر معجزہ چاہتے ہیں تو متفق ہو کر ایک معجزہ تجویز کرلیں اور سب ایک عہدنامہ پر دستخط کریں کہ اگر اُن کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیا گیا تو وہ کم از کم ہماری مخالفت کرنا چھوڑ دیں گے۔

ملا حسن عمو ایران سے آئے اور واپس جا کر علماء سے فرمایا کہ "امر چناں نیست کہ حضرات فہمیدہ اند" معاملہ ایسا نہیں ہے جو آپ سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت بہاء اللہ کا پیغام پہونچایا لیکن علماء ایسے عہدنامہ پر دستخط کرنے کے لئے طیار نہیں ہوئے اور اپنے پسند کئے ہوئے میدان میں ہار گئے۔ اور یہ کہکر خاموش ہو گئے کہ یہ شخص جادوگر معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ عالم میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ آپ نے خود علماء قوم سے کہا کہ جو معجزہ چاہو دیکھ سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایک معجزہ پر متفق ہو جاؤ۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر علماء بغداد متفق ہو جاتے تو یہ اتفاق علماء بجائے خود ایک معجزہ ہوتا کیونکہ علماء کو اتفاق و اتحاد سے کیا مطلب۔ بغداد کے اس واقعہ کے متعلق خداوند عالم لوح الامر میں فرماتے ہیں:

یا قلم القدم اذکر الامم	اے قلم قدم تمام قوموں کے لئے ذکر کر جو
ما ظہر فی العراق اذ جاء رسول	عراق میں ظاہر ہوا جب علماء کی ایک بڑی
من معشر العلماء وحضر تلقاء الوجہ	جماعت کا فرستادہ آیا اور ہمارے روبرو
وسئل عن العلوم اجبناہ بالعلم	حاضر ہو کر علمی سوالات کئے اور ہم نے
من لدنا ان ربک لعلام الغیوب	اپنے علم لدنی سے اس کو جواب دیا بیشک تیرا رب

قال نشهد عندك من العلوم
مالا احاط به احدٌ انه لا يكفى
المقام الذى ينسبه الناس اليك
فأتنا بما يعجز عن الاتيان بمثله
من على الارض كلها كذالك
قضى الامر فى محضر ربك
العزيز الودود فانظر ماذا ترى
اذاً الصعق فلما افاق قال آمنت
بالله العزيز المحمود۔

اذهب الى القوم قل اسئلوا
ماشئتم انه هو المقتدر على
مايشاء لايعجزه ما كان وما يكون
قل يا معشر العلماء اجتمعوا على
امر ثم اسئلوا ربكم الرحمن
ان اظهر لكم بسلطان من عنده
آمنوا ولاتكونن من الذين
هم يكفرون قال الآن طلع
فجر العرفان وتمت حجة الرحمن
قام ورجع الى القوم بامر

علام الغیوب ہے میں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ
آپ کے پاس جو علوم ہیں وہ کسی کے پاس نہیں مگر
یہ بات اس مقام کیلئے کافی نہیں جو لوگ آپ کی طرف
کرتے ہیں لہٰذا آپ ہم کو ایسی چیز دکھلائیے جس کے مثل بنانے سے
تمام روئے زمین کے باشندے دکھلانے سے عاجز ہوں
تیرے عزیز و ودود پروردگار کے حضور میں یہ حکم
ہوا ہے پس اس عالم سے کہا کہ اچھا تم کیا دیکھنا
دیکھتے ہو تو وہ فوراً بیہوش ہوگئے اور جب ہوش آیا تو کہنے
لگے کہ میں خدا پر ایمان لایا جو عزیز و محمود ہے (...)

اب تو قوم کی طرف جا اور ان سے کہدے کہ تم جو
کچھ چاہو مانگو بیشک خدا جو کچھ چاہے کرسکتا ہے اسے
کوئی گذشتہ اور آنے والی چیز عاجز نہیں کرسکتی
کہدے اے گروہ علماء تم سب ایک بات پر متفق ہو
پھر اپنے پروردگار رحمن سے سوال کرو اگر وہ اپنی طرف
سے تمہارے سوال کو پورا کردے تو تم ایمان لاؤ اور ان
لوگوں میں شامل نہ ہو جو انکار پر اڑے رہتے ہیں اس عالم
نے کہا اب صبح عرفان نمودار ہوگئی اور خدا کی حجت
پوری ہوگئی۔ پس وہ عالم کھڑا ہوا اور خدا کے عزیز
ومحبوب کے حکم سے علماء کی جماعت کی طرف رجوع

من لدی اللہ العزیز المحبوب وضعت	پہنچی اس واقعہ کو چند روز گذر گئے مگر وہ
ایام معدودات وما رجع الینا فی اذ	واپس نہ آیا یہاں تک کہ ایک اور پیغام رساں بھیجا
ارسل رسولاً آخر اذا خبرنا بان القوم	گیا جس نے خبر دی کہ تمہاری جماعت اپنے
اعرضوا عن ما ارادوا وهم قوم ما غررون	ارادے سے ناکام رہ گئی اور وہ قوم بے عزتی
کذلک قضی الامر فی العراق الی تشبیه	میں اسی طرح رہ کر ذلیل ہوا جو کچھ میں کہتا ہوں
علی ما اقول و نشر هذا الامر فی الاقطار	اس کی آزمائش ہوگی اور یہ بات گردونواح میں
وما تنبه احد کذلک قضینا ان	مشہور ہوگی کچھ بھی کوئی متنبہ ہوا جیسے ہم نے
کنتم تعلمون۔	فیصلہ کیا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

علماء عراق کی پیہم مساعی کی وجہ سے سفیر ایران متعینہ عراق نے ایرانی گورنمنٹ کو لکھا کہ اگر حضرت بہاء اللہ کو بغداد میں آزاد چھوڑ دیا گیا تو عراق کے تمام شیعہ دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے اس لئے ان کو عراق سے کسی دوسری جگہ بھیجا جائے۔ پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر ایرانی حکومت نے عثمانی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ اپنی حدود سلطنت میں حضرت بہاء اللہ کو کسی ایسی جگہ بھیجے جہاں ان کے مخالفانہ مقاصد پورے نہ ہو سکیں۔ عثمانی حکومت رضامند ہو گئی اور اس کی طرف سے والی عراق نے حضرت بہاء اللہ کو قسطنطنیہ جانے کا حکم دیا۔ آپ نے سفر کے انتظامات کرنے شروع کر دئے۔ یہ ۱۵ اپریل تھا۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آخری وقت تک ملنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور مکان میں گنجائش نہ رہی تو مجبور ہو کر حضرت بہاء اللہ شہر سے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے جس کا نام باغ رضوان ہے۔ جہاں آپ نے ۲۱ اپریل ۱۸۶۳ء

بوقت عصر اپنی ماموریت کا اعلان عام فرمایا۔

قرآن مجید کی سورۂ والعصر میں، بھی وقتِ عصر کی قسم کھائی گئی ہے۔ آپ اس باغ میں ۱۲ دن رہے یہ ایام ایام عید قرار پائے۔ چنانچہ ۲۱ اپریل سے ۲ مئی تک ہر سال اہلِ بہاء جشنِ عید رضوان مناتے ہیں۔ ۳ مئی ۱۸۶۳ء کو آپ نے مع اپنے ۷۲ ساتھیوں کے کشتی میں قدم رکھا اور قسطنطنیہ پہونچے۔ آپ کو ایک چھوٹا سا مکان رہائش کے لئے دیا گیا۔ قسطنطنیہ میں آپ چار ماہ رہے۔ پھر آپ کو ایڈریانوپل بھیجدیا گیا اور یہاں پہونچ کر آپ نے سلاطینِ عالم کے نام اپنی مشہور و معروف الواح ارسال فرمائیں جن میں سے ایک لوح سلطان کے نام سے مشہور ہے جو شاہِ ایران کو بھیجی گئی جس کے لے جانے والے ایک ایرانی نوجوان مرزا بدیع تھے جن کو سلطان ناصر الدین نے تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر یہ سزا دی کہ اس کے جسم کو لوہے سے جا بجا داغا اس تکلیف کی تاب نہ لاکر اس قاصد نے اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کی۔ تاریخ عالم میں یہ قصہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس لوح میں سلطان ناصر الدین شاہ کو اس طرح مخاطب فرماتے ہیں:

ناصر الدین شاہ قاچار: "اے بادشاہ میں نے خدا کی راہ میں وہ تکلیفیں اٹھائی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں۔ دوستوں نے میرا انکار کیا اور وسیع راستے میرے لئے تنگ ہو گئے۔ میرے آرام و آسائش کا آب سوکھ گیا اور میری راحت کا سرسبز چمن خشک ہو کر پامال ہو گیا

کتنی ہی بلائیں نازل ہو چکی ہیں اور کتنی ہی اور نازل ہونے والی
ہیں۔ میں اس غالب فیاض خدا کی طرف رُخ کیے ہوئے رواں
ہوں اور میرے پیچھے ایک سخت موذی سانپ دوڑتا چلا
آتا ہے۔ میرے آنسو اس قدر بہے کہ میرا بستر تر ہو گیا
لیکن پھر بھی مجھے غم نہیں خدا کی قسم میں اس اپنے مولی اور آقا کی
محبت میں نیزہ پر چڑھنے کا مشتاق ہوں۔ جب میں کبھی کسی
درخت کے پاس سے گزرا ہوں تو اس سے میرے دل نے یہ
بات ضرور کہی ہے کہ اے کاش تو میرے واسطے کاٹا جاتا اور
سولی بنایا جاتا۔ پھر میرا جسم اپنے پروردگار کی راہ میں تجھ پر
چڑھایا جاتا۔ بلکہ مجھ کو اس بات کا غم ہے کہ میں لوگوں کو نشہ میں
چور دیکھ رہا ہوں اور انھیں کچھ خبر نہیں انھوں نے اپنی
نفسانی خواہشوں کا مرتبہ بڑھا رکھا ہے اور اپنے معبود کا
مرتبہ گھٹا دیا ہے گویا انھوں نے خدا کے حکم کو ہنسی ٹھٹھا
بنا رکھا ہے اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیکوکار اور اچھے عمل
کرنے والے ہیں اور امن خداوندی کے مستحکم قلعہ میں پناہ لے
چکے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ کل
وہ خود ہی وہ بات دیکھیں گے جس کا آج انکار کر رہے ہیں
عنقریب تم کو سرزمین ادرنہ سے نکال کر شہر مکہ کی طرف
لے جائیں گے اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ مکہ دنیا کے ویران

اور بدتر شہروں میں سے ایک شہر ہے اس کی آب و ہوا
نہایت ناقص ہے گویا رات دن وہاں اُلو بولا کرتے ہیں اور
اس کے اطراف و جوانب سے الوؤں کی آواز کے سوا کوئی آواز
نہیں آتی - لوگوں نے اس غلام کو اس شہر میں قید کرنے کا ارادہ
کرلیا ہے اور راحت و آسائش کے دروازے ہم پر بند کر دیے
جارہے ہیں اور ہماری زندگی کے چند دن جو باقی رہ گئے ہیں
ان میں انھوں نے دنیاوی زندگی کا سامان ہم تک نہ پہونچنے
دینا اپنا مقصد بنایا ہے - خدا کی قسم اگر گردش روزگار کے صدمے
مجھے کمزور بنا دیں اور بھوک پیاس کی تکلیف مجھے ہلاک
کردیں - سخت پتھر میرا بستر بنا دیے جائیں اور جنگل کے جانور
میرے ہمدم و مونس بنا دیے جائیں تو بھی میں بالکل فریاد
نہ کروں گا اور خدائے تعالیٰ کی مدد سے جو مالک ازل اور
پروردگار اقوام ہے ایسا ہی صبر کروں گا جیسا کہ دور اندیش
اور اولوالعزم ہستیوں نے کیا ہے اور میں ہر حال میں خدا
کا شکر ادا کروں گا - میں اس کے فضل سے امید رکھتا
ہوں کہ وہ میری قید کے وسیلے سے اپنے بندوں کی
گردنیں طوق و زنجیر سے آزاد فرمائے گا اور اپنے پاک
بندوں کو اپنی جناب اور نہایت بخشش والی ذات کی طرف
خوشی کے ساتھ متوجہ بنائے گا بے شک وہی بڑا ایک دا

کرنے والے بندے کی دعا قبول فرماتا ہے اور ہر ایک مناجات
کرنے والے کے پاس موجود ہے۔ ہم اس پروردگار اقدس
سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اس کالی بلا کو اپنے دین کے جسم کی
حفاظت کے واسطے فولادی زرہ بنا دے اور اس کے ذریعہ
سے اس کاٹنے والی تلواروں اور جسم توڑ کر پار نکل جانے والے
نیزوں سے محفوظ کر دے۔ ہمیشہ بلا و مصیبت کے ذریعہ
خدا کا حکم دنیا میں جاری اور اس کا امر بلند ہوا ہے یہی خدا
کی سنت ہے جو اگلے وقتوں سے اسی طرح جاری ہے۔"

آپ ابھی ایڈریانوپل ہی میں تھے کہ آپ نے نپولین ثالث شاہ فرانس
کو پیغام بھیجا جس کا اس نے یہ توہین آمیز جواب دیا کہ "اگر تو ایک خدا ہے
تو میں دو خدا ہوں"

اس واقعہ کے بعد آپ نے ۱۸۶۹ء میں اس کو ایک دوسری لوح کے
ذریعہ سے حسب ذیل تنبیہ کی:-

نپولین ثالث: "تو نے جو کام کیا اس کے سبب امور تیری
سلطنت میں بگڑ جائیں گے اور تیرے اس عمل کی
بدولت ملک تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گا پھر تو اپنے
آپ کو سخت خسارہ میں پائے گا اور وہاں تمام گروہوں کو
اضطرابات گھیر لیں گے بجز اس صورت کے کہ تو اس امر کی مدد پر
قائم ہو جائے اور اس صراط مستقیم میں روح کی پیروی کرے کیا

تو اپنی عزت پر گھمنڈ کرتا ہے مجھے اپنی پائندہ زندگی کی قسم
تیری عزت دائمی نہیں ہے اور عنقریب زوال پذیر ہوگی بجز
اس حالت کے کہ تو اس مضبوط رسّی کو تھام لے ہم دیکھتے
ہیں کہ ذلت تیرے پیچھے دوڑی چلی آرہی ہے اور تو بے خبر ہے"
نپولین نے جو اس وقت اپنی طاقت کے عین عروج پر تھا اس
تنبیہ کی پرواہ نہ کی دو برس تک جرمنی سے برسرپیکار رہا اور انجام یہ
ہوا کہ جرمن نپولین کو پرشیا میں لے گئے اور اس مغرور و متکبر شہنشاہ کا
خاتمہ دو سال بعد نہایت ذلیل حالت میں انگلستان میں ہوا۔
خدا نے حضرت بہاء اللہ کے ذریعہ نپولین پر غالب آنے والے قیصر
جرمنی کو بھی ایسی ہی تنبیہ کی اور اس نے بھی کوئی توجہ نہ کی اور آخر کار
اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوا۔ قیصر جرمنی کی لوح میں ارشاد ہے کہ:

قیصر جرمنی: "اے شاہِ برلن اس کی حالت کو یاد رکھ جو شان
میں تجھ سے کہیں بڑا تھا اور جس کا درجہ تجھ سے
بلند و اعلیٰ تھا وہ اب کہاں ہے اس کے مقبوضات کیا
ہوئے۔ متنبہ ہو اور ان میں سے نہ ہو جو غافل ہیں۔ اس نے
خدا کی لوح کو پیچھے پھینک دیا تھا۔ جبکہ ہم نے اسے اس
بات کی اطلاع دی تھی جو ظالموں کے گروہ سے ہم پر وارد ہوا
ایسی ذلت نے اسے سب اطراف سے گھیرا کہ وہ خسرانِ عظیم کے
ساتھ خاک کی طرف لوٹ گیا۔ اے بادشاہ! اس پر خوب غور کر

اور ان پر تو تعجب جیسے ہیں جنھوں نے ملک فتح کئے اور خدا
کے بندوں پر حکمرانی کی خدا انھیں محلوں سے قبروں میں لے گیا
عبرت حاصل کر اور ان میں سے ہو جو خدا سے ڈرتے ہیں اے
دریائے رائن کے کنارو ہم تمہیں خون سے لت پت دیکھتے ہیں
کیونکہ جزا و سزا کی تلواریں تم پر کھینچ لی گئی ہیں اور دوسری بار
پھر ایسا ہی ہوگا۔ ہم برلن کی چیخ پکار سن رہے ہیں اگرچہ
وہ آج بظاہر عزت و جلال میں ہے۔"

۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم کی جرمنی یلغاروں کے وقت خصوصاً ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں جرمن افواج کی عظیم یلغار کے موقعہ پر ایران کے شیعوں نے اس پیشگوئی کو وسیع پیمانہ پر شائع کیا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جو پیشگوئی حضرت بہاء اللہ نے کی تھی وہ جھوٹی تھی مگر جب فتحمند جرمنوں کی یہی یلغار دفعتاً ان کی سب سے بڑی شکست میں تبدیل ہو گئی تو امر بہائی کے دشمنوں کی کوششیں الٹی انھیں پر پڑیں اور وہ شہرت جو انھوں نے خود اس پیشگوئی کو دی۔ ایران میں امر بہائی کے پھیلنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ طہران یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ابو الفضل گلپائیگانی جو ایران کے بڑے زبردست عالم تھے اور جو علمی مناظرہ میں جناب مرزا حیدر علی اور جناب فاضل قائنی سے بہت شکست کھا چکے تھے۔ مجبور ہو کر انھوں نے کہا تھا کہ اگر یہ پیشگوئی جو جرمنی کی شکست کے متعلق حضرت بہاء اللہ کی ہے پوری ہو گئی تو وہ امر بہائی کو قبول کر لیں گے۔ پیشگوئی پوری ہونے پر وہ امر بہائی کے پرستار بنے

میں شامل ہو گئے اور ایسی یادگار علمی خدمت کی کہ تا ابد ان کا نام روشن رہے گا
ان کے علمی آثار میں سے ایک کتاب الفرائد ہے۔ جس میں امرِ بہائی کی صداقت
کے وہ ناقابلِ شکست دلائل دیے گئے ہیں کہ مخالف کو بجز اعتراف یا تسلیم کے
چارۂ کار نہیں رہتا۔

لوحِ مذکور میں فرمایا ہے کہ "دوبارہ پھر ایسا ہی ہوگا"۔
ملاحظہ ہو گذشتہ جنگِ عظیم کی ابتدا میں کس کو یقین تھا کہ جرمنی کو
شکست ہوگی مگر برلن کی چیخ پکار دنیا کے بچے بچے نے سن لی اور دریائے
رائن کے کنارے دوسری بار بھی اپنے آپ کو خون میں لت پت ہونے سے
نہ بچا سکے۔

لوحِ سلطانِ قاچار میں حضرت بہاء اللہ کا یہ بیان پڑھئے کہ عنقریب یہ
لوگ ہمیں عکا لیجانے والے ہیں۔ چنانچہ سلطنتِ عثمانی نے ایڈریانوپل میں آپ
کو نہ رہنے دیا اور آپ کو عکا کے قید خانہ میں نظر بند کر دیا۔

وہ مشہورِ آفاق قیدخانہ جو ہزاروں برس سے اپنے محبوب ترین
قیدی کا منتظر تھا خوشی و مسرت سے جھوم اٹھا یہ وہی عکا ہے جس کے
بارے میں انبیائے بنی اسرائیل نے اپنی کتابوں میں خوشی کے گیت گائے
ہیں اور اس کو امید کا دروازہ قرار دیا ہے۔ یہ وہی تاریخی مقام ہے جہاں
حضرت پیغمبرِ اسلام شبِ معراج میں مسجدِ اقصیٰ یعنی دور دراز والے
مقامِ سجدہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پہونچ کر انہوں نے
آیاتِ الٰہی کو دیکھا اور اس حسین نقطہ کی زیارت کے بعد یوں ارشاد

فرمایا کہ:

طوبیٰ لمن رای عکۃ طوبیٰ لمن بات فی عکۃ۔ — اس شخص کو مبارک ہو جس نے عکہ کی زیارت کی اور اس شخص کو مبارک ہو جس نے عکہ میں رات بسر کی۔

پھر فرمایا کہ:

من رای عکۃ غفر اللہ ذنوبہ۔ — "جس نے عکہ کی زیارت کی اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے"

وہ جن کو خدا نے سوچنے غور کرنے سمجھنے اور انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ سوچیں، غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ عکہ کی سرزمین جس کو حکومت ترکی نے بدترین آب و ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے ملک کے دشمنوں اور ڈاکوؤں کے لئے کالا پانی قرار دیا تھا اس میں ایسا کون سا راز مخفی تھا جس کو حضرت پیغمبر اسلام کی عارفانہ نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور وہ ایک ہزار سال پہلے عکہ کی مذکورۂ بالا فضیلتیں بیان کر کے مسلم قوم کو ہشیار کر رہے تھے۔ ان فضیلتوں میں سے آخری فضیلت تو انھوں نے ایسی بیان کی ہے جو دنیا کے بہتر سے بہتر مقام یعنی مکۂ معظمہ کو بھی حاصل نہیں یعنی جو شخص عکہ کی زیارت کرے گا اس کا کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔ بہرحال ایسے مقام پر فوجی قلعہ کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں آپ کو قید کیا گیا تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ کوٹھری ایسی تھی کہ آپ اس میں پوری طرح کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس قید خانہ میں پہونچکر جہاں آپ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبراً لے جائے گئے تھے۔ مصائب و آلام کی ابتدا ہوئی اور آپ اور آپ کے اہل و عیال و اصحاب۔ غرض سب بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ان مصائب

نے آپ کو ایسا متاثر کیا کہ عکہ کے قید خانہ سے سلطان ترکی کے لئے ایک لوح
نازل ہوئی جس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

سلطان عبدالعزیز: "اے وہ شخص جو خود کو سب بندوں سے اعلیٰ سمجھتا ہے جلدی تیرا نام
مٹ جائے گا اور تو اپنے آپ کو ایک بڑے گھاٹے میں
پائے گا تو سمجھتا ہے کہ یہ دنیا کا مصلح اور اس کو زندہ کرنے
والا مفسد ہے مگر ان عورتوں، شیر خوار بچوں اور بیماروں نے
کیا قصور کیا ہے کہ تیرے قہر و غضب کا نشانہ بن رہے ہیں
کسی مذہب و ملت میں بچے ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گئے تقدیر
کے قلم نے تو انھیں چھوڑ دیا مگر تیرے ظلم و ستم کی آگ نے
انھیں گھیر لیا۔ اس گروہ کو جس نے کبھی تیری بادشاہت
میں کوئی مخالفت نہیں کی اور نہ تیری حکومت کے خلاف کوئی
جرم کیا جو رات دن گوشہ نشین اور یاد الٰہی میں مصروف
رہتے ہیں۔ ان کو تو نے پامال کیا اور جو کچھ وہ رکھتے تھے
تیرے ظلم کی دست درازیوں سے باقی نہ بچا۔ خدا کے نزدیک
ایک مٹھی بھر خاک تیری دولت، حکومت اور عزت سے
بہتر ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ریت کے ذروں کی طرح
بکھیر دے وہ وقت دور نہیں ہے جبکہ اس کا قہر تجھ پر
نازل ہوگا۔ فساد تم میں رونما ہوگا اور تمہارے ممالک

حصے بخرے کر لئے جائیں گے۔ تب تم گریہ وزاری کروگے اور کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ منتظر رہو۔ غضب الٰہی طیار ہے بہت جلد تو وہ چیزیں دیکھے گا جو قلم امر سے نازل ہوئی ہیں"

۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء کی جنگ میں ٹرکی کی عظیم الشان سلطنت پر جو لگاتار بلائیں نازل ہوئیں وہ اس پیشگوئی کی بولتی تفسیر ہیں۔ حضرت بہاء اللہ کی بے شمار پیشگوئیوں میں سے ہم نے صرف چند پیشگوئیاں بیان کی ہیں جنھوں نے واقعہ بن کر اپنی صداقت کا اعلان کر دیا ہے۔ ہم شیعہ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ رسالۂ ہذا کے باب سوم کے صفحہ ۳۶ پر حضرت شیخ الطائفہ کا حسب ذیل بیان دوبارہ پڑھئے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

"آئندہ ہونے والی بات کا علم عالم الغیب کے بتلائے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا لہذا اگر صرف ایک ہی خبر وارد ہوتی اور مطابق مضمون خبر واقعہ ہو جاتا تو اتنا ہی کافی ہوتا اور اسی لئے قرآن کا وہ حصہ جو کسی خبر پر مشتمل ہے اور واقعہ سے قبل بیان ہوا ہے۔ نبی کی سچائی اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگرچہ ایسی خبروں کے مقامات قرآن میں محدود ہیں اور باوجودیکہ ایک خبر دہندہ سے معلوم ہوئے ہیں لیکن پھر بھی اس کی سچائی کی دلیل ہیں اسی بنا پر جس کو ہم

نے بیان کیا ہے۔

اس بیان کو پڑھنے کے بعد غور فرمائیے کہ جب صرف ایک پیشگوئی یعنی رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی حضرت پیغمبر اسلام اور قرآن کو اس لئے سچا قرار دیتی ہے کہ وہ آئندہ ہونے والے واقعہ کے متعلق کی گئی تھی اور پوری ہوئی تو اس دلیل و معیار کے مطابق وہ پیشگوئیاں جو حضرت بہاءاللہ نے فرمائیں اور جیسا فرمایا ویسا ہی واقع بھی ہوا۔ یعنی تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں تو وہ سچی کیوں نہیں ہیں اور جب وہ سچی ہیں تو حضرت بہاءاللہ سچے کیوں نہیں ہیں اور کتابِ اقدس جس میں یہ پیشگوئیاں ہیں خدا کی کتاب کیوں نہیں ہے؟

عکہ کے قید خانہ کے ابتدائی دو سال بہت سخت تھے۔ کسی بہائی کو قید خانہ سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ صرف چار آدمی پولیس کی زبردست حراست میں ضروریات کی چیزیں خریدنے بازار جایا کرتے تھے کوئی شخص آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا۔ ایران کے اکثر بہائی اپنے محبوب کے دیدار کا شرف حاصل کرنے کے لئے پیدل ایران سے عکہ پہنچتے تھے مگر ان کو فصیل سے باہر ہی روک لیا جاتا تھا۔ وہ ایک میدان میں جاتے جو تیسری خندق کے قریب تھا۔ یہاں سے حضرت بہاءاللہ کی کوٹھری کی کھڑکیاں نظر آتی تھیں۔ ان کھڑکیوں سے لوگ آپ کی زیارت کرتے اور چلے جاتے۔

آخر کار ۲ ½ سال کے بعد اس سختی میں کمی ہوئی افواجِ عثمانی کی نقل و حرکت کی وجہ سے اس فوجی قلعہ کی بارگیں خالی کرائی گئیں۔ آپ مع اہلِ بیت ایک دوسرے گھر میں چلے گئے اور باقی احباب کو ایک سرائے میں

جگہ مل گئی۔ سات سال تک آپ اس گھر میں نظر بند رہے ایک چھوٹے سے کمرہ میں گھر کے تیرہ آدمی مرد اور عورتیں مل کر رہتے تھے۔ جگہ بیحد تنگ تھی خوراک بھی کافی نہ ملتی تھی۔ کوئی آرام نہ تھا۔ البتہ اس جگہ زائرین کو آپ سے ملنے کی بندش نہ تھی۔ آہستہ آہستہ شاہی فرمان کے ذریعہ یہ رکاوٹیں کم ہوتی گئیں لیکن کبھی کبھی یہ دوبارہ اسی شدت سے جاری کر دی جاتی تھیں۔

ان ہی ایام میں آپ نے احباب کو لکھا کہ:

"خوف نہ کرو یہ دروازے کھل جائیں گے۔ میرا خیمہ کوہ کرمل پر نصب ہوگا اور سب کو نہایت مسرت حاصل ہوگی"

اس پیشگوئی کے بعد آپ اس مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے مکان میں تشریف لے گئے یہ مکان مزرعہ کا محل کہلاتا تھا۔ جہاں آپ دو سال رہے دو سال کے بعد آپ کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ آپ بہجی کے مقام پر چلے جائیں جو عکہ کا ایک گاؤں تھا۔ بہجی میں ایک مکان کرایہ پر لیا گیا اور یہاں اصلی جاہ و جلال کے دروازے کھول دئے گئے۔ آپ کے طرز زندگی اور جبین مبارک سے ایسی شان نمایاں ہوئی کہ سب کے دل میں عزت اور حسن عقیدت قائم ہو گئی آپ کے اقتدار کو دیکھ کر فلسطین کا گورنر بیحد متاثر ہوا اور گورنر سے کر جنرل تک آپ سے ملاقات کے متمنی رہتے تھے اور عاجزانہ درخواستیں کیا کرتے تھے لیکن وہ بہت کم منظور ہوتی تھیں۔ بہجی میں آپ کے روحانی کمالات کو دیکھ کر سب لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور آپ اکثر فرمایا

کرتے تھے کہ بیشک نہایت بدترین قید خانہ بہشت عدن بنا دیا گیا۔ یقیناً ایسی بات ابتدائے آفرینش سے اب تک دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔

مذکورۂ بالا پیشگوئی پوری ہو گئی۔ قید کے دروازے کھل گئے۔ آپ نہایت آزادی کے ساتھ عکّہ سے حیفا جایا کرتے۔ ان ہی ایام میں آپ ایک دن اپنے بڑے بیٹے حضرت عبدالبہاء عباس کو لیکر کوہ کرمل پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کا خیمہ نصب ہوا۔ اس خیمہ کے اندر آپ فروکش ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ اس مقام کو خرید لیا جائے اور حضرت باب کا روضۂ قدس تعمیر کیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جگہ خریدی گئی اور عمارت کی بنیاد رکھدی گئی۔ حضرت باب اعظم کا جسدِ اطہر ایران سے منگایا گیا اور اس عمارت میں دفن کیا گیا اور پیشگوئی پوری ہو گئی کہ قائم آل محمد کو حسین دفن کریں گے۔

آپ کی شہرت بہت جلد عکہ سے نکل کر مغربی ممالک میں پہنچی۔ ۱۸۹۰ء میں مشہور مستشرق پروفیسر ایڈورڈ براؤن امر بہائی کی تحقیقات کے لئے انگلستان سے روانہ ہوئے اور ایران ہوتے ہوئے عکہ پہونچے۔ آپ سے حضرت بہاءاللہ نے چار مرتبہ ملاقات فرمائی۔ پروفیسر موصوف ایک ملاقات کا حال اس طرح قلمبند فرماتے ہیں:—

پروفیسر براؤن: "میرا رہنما ایک پردہ کے قریب تھوڑی دیر ٹھہرا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے بوٹ اتار لئے اس کے بعد میں پردہ اٹھا کر ایک وسیع کمرہ میں داخل ہوا۔ میرے

سامنے کمرہ کے اوپر کے حصّہ میں ایک مسند تھی اور دروازہ
کے مقابل دو یا تین کرسیاں رکھی تھیں۔ مجھے کچھ یوں ہی
سا خیال تھا کہ میں کہاں لے جایا جا رہا ہوں اور کس سے
ملاقات کرنے والا ہوں۔ کیونکہ مجھے یہ نہ بتایا گیا تھا کہ میرا
رہنما مجھے کہاں لے جائے گا۔ دو یا تین سکنڈ نہ ہوئے ہوں گے
کہ رعب اور تعجب سے میرا دل دھڑکنے لگا کیونکہ کمرہ خالی نہ
تھا۔ کمرہ کے ایک گوشہ میں مسند پر میں نے ایک صاحب وقار
محترم بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا ایک ٹوپی جو درویشوں کے
تاج کی طرح کی تھی بلکہ اس سے بھی ذرا اونچی آپ کے سر پر تھی
اور اس تاج کے گرد ایک سفید چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہوا تھا
اس وقت میری نظر جس چہرہ پر پڑ رہی تھی اسے میں کبھی
نہیں بھول سکتا۔ اگرچہ اس کا بیان کرنا میری قوت سے
باہر ہے۔ چمکتی ہوئی آنکھیں جو انسان کی روح تک کو دیکھتی
معلوم ہوتی تھیں۔ کشادہ پیشانی جس سے جاہ و جلال چمکتا تھا
پیشانی اور چہرہ کی جھریاں جس عمر کا اظہار کر رہی تھیں آپ
کے سیاہ بال اور سیاہ داڑھی جو قریباً کمر تک پہنچتی تھی
اس کی تردید کر رہے تھے اس بات کے بتانے کی ضرورت نہیں
کہ میں کس کے حضور میں کھڑا تھا تقدیم رسم تعظیم کیلئے
میں اس کے سامنے جھک گیا۔ اس کی ایسی محبت اور

پرستش کی جاتی ہے جس کا بادشاہ رشک کریں اور جس
کے لئے شہنشاہ بے فائدہ آہیں بھریں۔ ایک مدھم مگر
پُر رعب آواز نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:-
الحمدللہ کہ تم فائز ہوئے تم ایک قیدی اور جلاوطن سے
ملنے آئے ہو۔ ہم بجز صلاح عالم و فلاح امم کے اور کچھ
نہیں چاہتے مگر لوگ ہم سے ان مفسدوں کا سا سلوک
کرتے ہیں جو قید اور جلاوطنی کے مستحق ہوں۔ ہم چاہتے
ہیں کہ تمام قومیں ایک دین کی پابند ہو جائیں تمام انسان
بھائی بھائی بن جائیں انسانوں میں محبت واتحاد کے رشتے
مضبوط ہو جائیں۔ مذہبی اختلافات اور قومی جھگڑے ان
کے درمیان سے اُٹھ جائیں ان باتوں میں کیا عیب ہے
ہاں اسی طرح ہو کر رہے گا یہ بے ثمر جھگڑے اور تباہ کن
جنگیں برطرف ہو جائیں گی اور ان کی جگہ صلح اکبر قائم ہوگی
کیا تم یوروپ میں بھی اس کے محتاج نہیں ہو کیا یہ وہ
بات نہیں جس کی حضرت مسیح نے خبر دی تھی۔ تمہارے بادشاہ
اور حکام اموال و خزائن کو بجائے اصلاح بلاد و آسائش
عباد کے کاموں میں صرف کرنے کے نوع بشر کی تخریب میں
خرچ کر رہے ہیں یہ جھگڑے یہ لڑائیاں، خونریزیاں اور اختلاف
اب ختم ہو جائیں گے۔ تمام لوگ ایک خاندان کی طرح مل کر بسر کریں

کسی کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہئیے کہ وہ اپنے وطن کو پیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ بات فخر کے لائق ہے کہ وہ تمام نوع بشر کو پیار کرتا ہے۔"

جس قدر میں یاد رکھ سکا یہ اور ایسے ہی اور کلام میں نے بہاء اللہ سے سنے وہ جو ان الفاظ کو پڑھتے ہیں سوچیں کہ آیا اس قسم کے اعتقادات موت و قید کے مستحق ہیں؟ کیا ان کے انتشار سے دنیا کو فائدہ ہوگا یا نقصان؟"

(ضمیمہ ترجمہ انگریزی مقالہ سیاح صفحہ ۳۹)

اب تک آپ پروفیسر اے۔ جی۔ براؤن کے تاثرات پڑھ رہے تھے یہ وہی پروفیسر براؤن ہیں جنہوں نے حضرت باب کا وہ جعلی توبہ نامہ شائع کیا ہے جس کو آپ باب ہشتم میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مشہور روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائی

روس کے مشہور فلاسفر ٹالسٹائی جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ دین بہائی کے متعلق حسب ذیل تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:۔

(۱) ہم شب و روز اسرار کائنات معلوم کرنے کی کوشش میں منہمک ہیں لیکن زندگی کے راز کی کنجی اس شخص کے ہاتھ میں ہے جو عکہ کے قید خانہ میں محبوس ہے۔

---

(۲) میں ایک عرصہ دراز سے بابی مذہب سے باخبر ہوں اور ہمیشہ اس کی

تعلیمات سے دلچسپی لیتا رہا ہوں۔ یہ دین تمام ادیان عالم کا نچوڑ
ہے۔ اس وقت ہندو، بدھ، یہودی، عیسائی مذاہب اور اسلام
اہل کتاب اور علماء کے تعرفت کی وجہ سے اپنے مقصد اصلی سے
دور جا پڑے ہیں۔ ایسی حالت میں بابی مذہب کی تعلیمات کا مستقبل
نہایت تابناک اور عظیم الشان ہے کیونکہ اس مذہب نے منافرت
اور تفرقہ بازی کے تمام اسباب و دواعی کو دور کر دیا ہے اور اس
کی تمنا ہے کہ تمام نوع بشر متحد ہو کر ایک ہی دین کے پیرو ہو جائے
اس بنا پر بابی تعلیمات جب تک کہ اس کے ماننے والے قدیم اسلاف
تعصبات کو چھوڑ کر جدید اوہام کے موید نہ بنیں اور اخوت و مساوات
اور محبت کے اصول پر عامل ہیں ایک عظیم اور درخشاں مستقبل کی
مالک ہیں۔"

(ترجمہ از گرینز مکانی — ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء)

اعلیٰ حضرت ملکہ رومانیہ: ملکہ رومانیہ مس میری کیتھولک فرقہ سے تعلق
رکھنے والی متعصب مسیحی خاتون تھیں۔ ان کو
بہائی مبلغہ مس مارتھا ایل روٹ نے بہائی پیغام پہنچایا جس کو انہوں نے قبول
کیا اور بہائی ہو گئیں۔ ان کے دو پیغام جو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ درج
ذیل ہیں :-

پہلا پیغام

"بہاء اللہ اور ان کے بیٹے عبدالبہاء نے جو پیغام ہمیں دیا ہے۔ وہ

بات شاہد ہے کہ انھوں نے اپنے پیغام کو جارحانہ صورت نہیں دی ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ دائمی حقیقت جو اس کے اندر پوشیدہ ہے وہ ضرور جڑ پکڑے گی اور پھیل جائے گی۔"

دوسرا پیغام

"اگر آپ کبھی بہاء اللہ یا عبدالبہاء کا نام سنیں تو ان کی تحریروں کو نظر انداز نہ کریں۔ ان کی کتابوں کو تلاش کیجئے اور ان کے پُرجلال صبح افروز اخلاق محبت الفاظ اور نصائح کو اپنے قلب کے اندر جذب ہونے دیجئے جس طرح کہ وہ میرے اندر جذب ہو چکے ہیں۔"

امین زیدان

حضرت بہاء اللہ نے اپنے دعویٰ کے بعد ۴۰ سال زندہ رہ کر ۷۵ سال کی عمر میں عکہ میں وفات پائی۔ کثیر التعداد لوگوں نے آپ کی وفات پر مرثیے کہے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر بہائی دنیا آپ کے کرامات سے کس قدر متاثر تھی ان غم انگیز مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ مرثیہ فصحائے شام میں سے ایک مشہور ادیب امین زیدان نے لکھا ہے۔ وھو ہٰذا۔

ومذ استکمل الرسالة فیھم	جب اس نے اپنی رسالت لوگوں میں مکمل طور پر پہنچا دیا
صعدت روحه لاعلی السماء	تو اس کی روح نے آسمان کی طرف صعود فرمایا
ظهرت معجزاته تتلالاء	اس کے روشن معجزات ظاہر ہوئے۔
بینات کالبدر فی الظلماء	اور اس کے بینات ایسے چمکے جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند

ومكى الفضل فقد اعظم ركن	علم و فضل نے گریہ وزاری کی کہ یہ کرم و
من ذوية العظام والفضلاء	فضل کا ایک بہت بڑا رکن جاتا رہا۔
غاب من كان للنبوة اهلا	وہ جو نبوت کا اہل تھا غائب ہو گیا
غاب من كان كعبة الفصحاء	اور غائب ہو گیا وہ جو کعبۂ فصحاء تھا۔

ملاحظہ فرمایئے کہ امین زیدان جو ایک مشہور و معروف ادیب اور مذہباً عیسائی تھے۔ وہ حضرت بہاء اللہ کو کعبۂ فصحاء تسلیم کرتے ہیں ان کے معجزات کی شہادت دیتے ہیں ان کو نبوت کا اہل بتاتے ہیں۔

متعصب معترضین اور اہل تحقیق دونوں کی خدمت میں دست بستہ گذارش ہے کہ کیا حضرتِ پیغمبرِ اسلام اور قرآن مجید کے معجزات اور فصاحت و بلاغت کے متعلق اس پایہ کی کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے یقیناً تاریخ مذاہب میں آج تک ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی پیغمبر کے متعلق غیروں نے ایسی بے مثل شہادتیں دی ہوں۔

وہ صاحبان جو ہم سے خواہش کرتے رہتے ہیں کہ ہم دینِ بہائی سے توبہ کر لیں ازراہِ کرم فرمائیں کہ ہم ایسی بے مثال شہادتوں پہ ایمان لائیں یا ان عالم نما جہلاء پہ ایمان لائیں جو فارسی و عربی کی ایک سطر نہیں لکھ سکتے نہ یہ جانتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت کسے کہتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں حضرت باب و حضرت بہاء اللہ کے کلام پہ جس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت اور بے مثل شہرت پہ تمام دانشمندان جہاں اور دنیا کے مسلّم الثبوت فصحاء و علماء نے بجانب ذہب شہادت دی ہے۔

کلام اللہ رب العالمین
موعودِ کل ادیان
حضرتِ بہاء اللہ کا دعویٰ

(۱) قل تاللہ قد ظہر ما ھو المسطور فی کتب اللہ رب العالمین انہ لھو الذی سمی فی التوراۃ بیھوہ وفی الانجیل بروح الحق وفی الفرقان بالنبأ العظیم تمسکوا یا قوم بما وعدتم بہ من قبل بلسان النبیین والمرسلین۔

کہدو کہ خدا کی قسم خدائے رب العالمین کی کتابوں میں جو کچھ لکھا تھا وہ ظاہر ہو گیا وہی ہے جس کا نام توریت میں یہوہ انجیل میں روح حق اور قرآن میں نبأ عظیم ہے۔ اے لوگو نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعہ جو وعدہ تم سے کیا گیا تھا۔ اسے مضبوط تھام لو۔

---

(۲) قد اخذ المختار من کفی زمام الاختیار و اقامنی کیف یشاء علی ما یشاء و نطقنی کیف اراد انہ ھو المقتدر علی ما یشاء بقولہ کن فیکون۔

یقیناً صاحب اختیار خدا نے میرے ہاتھ سے اختیار کی باگ ڈور چھین لی اور جس طرح اور جیسے چاہا مجھے کھڑا کر دیا اور جس طرح چاہا مجھے گویا کر دیا وہ جو چاہے اس پر اپنے قول کن فیکون کے ذریعہ سے قادر ہے۔

فرقت نقباءکم وعلماءکم ـ

دور ہو گئے ہوئے ـ

---

(۷) یشهد الله انه لا اله الا هو له الامر والخلق قد اظهر مشرق الظهور ومکلم الطور الذی به انار الافق الاعلی ونطقت سدرة المنتهی وارتفع النداء بین الارض والسماء قد اتی المالک الملک والملکوت والعزة والجبروت لله مولی الوری ومالک العرش والثری ـ

خدا گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب خلق اسی کی ہے جس نے مشرق ظہور اللہ مظہر طور کو ظاہر کیا جس کے ذریعہ افق اعلیٰ روشن ہو گیا سدرۃ المنتہیٰ بول اٹھا آسمان و زمین میں نداء بلند ہوئی کہ مالک آ پہونچا ـ ملک و ملکوت عزت و جبروت خدا ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا مولیٰ اور عرش و فرش کا مالک ہے ـ

---

(۸) یا معشر العلماء لما نزلت الآیات وظهرت البینات رأیناکم خلف الحجبات ان هذا لشیء عجاب قد افتخرتم باسمی وغفلتم عن نفسی اذ اتی الرحمن بالحجة والبرهان انا خرقنا الاحجاب ایاکم ان تحجبوا الناس بحجاب آخر کسروا سلاسل الاوهام باسم

اے گروہ علماء جب آیات نازل کی گئیں اور بینات ظاہر ہوئیں ہم نے تمہیں پردوں کے پیچھے دیکھا یہ ایک عجیب بات ہے تمہارا افتخار تو میرے نام سے رہا ہے اور تم مجھ سے غفلت میں ہو جبکہ رحمن حجت و برہان لے کر آیا ہے ہم نے حجابات پھاڑ دیئے ہیں خبردار لوگوں کو دوسرے حجاب میں گرفتار نہ کرنا ـ خداوند عالم کے نام سے اوہام کی زنجیریں توڑ دو اور فریب کاروں میں سے

ما انت تدنام ولا تكونن من النادمين۔

ہرگز نہ ہو۔

---

(۹) انا نريهم افق اليقين وهم يعرضون عنه ونسمعهم هدير الورقاء وهم لايسمعون قد يذكرهم قلم الرحمن في كل الاحيان وهم لايتذكرون يتبعون الجهلاء ويسمونهم بالعلماء الا انهم لايفقهون ان الذين لايميزون اليمين عن الشمال يدعون العلم وبه استكبروا على الحق الغيوب۔

ہم انہیں افق یقین دکھاتے ہیں اور وہ اس سے منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں نغمۂ بلبل سناتے ہیں لیکن وہ نہیں سنتے قلم وحی ہر دم نصیحت کرتا ہے وہ متوجہ نہیں ہوتے جہلاء کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں علماء کہتے ہیں یقیناً وہ لوگ بے خرد ہیں جو لوگ دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے وہ علم کا دعویٰ کرتے ہیں ورسی سے وہ خدائے علام الغیوب کے مقابلہ پر آتے ہیں۔

---

(۱۰) قل بهذا الظهور رجع حديث الطور ونفخ في الصور وقام العباد لله العزيز الودود۔

کہدو اس ظہور میں قصۂ طور دوبارہ رونما ہوا اور صور پھونک دیا گیا ہے اور بندے عزت و محبت والے خدا کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

---

(۱۱) اطلع من افق البيان باسم ربك الرحمن وقل يا ملاء الامكان تالله قد فتح باب السماء وأتى

اپنے پروردگار رحمن کا نام لیکر افق بیان سے نمودار ہو اور کہدے اے اہل امکان خدا کی قسم آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور ناموں کا مک

قد اتی مالک الاسماء فی ظلل السحاب۔ — ابر پر سوار ہو کر آ گیا۔

---

(۲۱) قل یا ملأ الانجیل قد فتح باب السماء واتی من صعد الیها وانه ینادی فی البر والبحر ویبشر بهذا الظهور الذی به نطق لسان العظمة قد اتی الوعد وهذا هو الموعود۔

کہدے اے گروہ انجیل آسمان کا دروازہ کھل گیا اور جو آسمان پر چڑھ گیا تھا وہ آگیا اور وہی بحر و بر میں پکار رہا ہے اور اس ظہور کی خوشخبری سنا رہا ہے جس کے متعلق زبانِ عظمت کہہ رہی ہے کہ وعدہ پورا ہو گیا اور یہی ہے موعود۔

---

(۲۲) قل یا قوم هذا الحسین قد جائکم بآیات الحق لا یعادل بحرف منها ما فی السموات والارض ان انتم تعلمون قل هذا الذی وعدتم به بعد القائم ان انتم تشعرون وقد ظهر بطراز المهیمن القیوم۔

کہدے اے قوم یہ حسین حق و صداقت کے ساتھ ایسی آیات لے کر آیا ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام اشیاء مل کر بھی ان کے ایک حرف کا مقابلہ نہیں کر سکتے کاش تم عالم ہوتے کہدے کہ یہ وہی ہے کہ قائم کے بعد جس کے ظہور کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کاش تم جانتے ہوتے اور یہ مہیمن و قیوم کا انداز لیکر ظاہر ہوا ہے۔

لوحِ حکمت میں فرمایا ہے کہ:۔

(۲۳) وانک تعلم انا ما قرأنا کتب القوم وما اطّلعنا بما عندهم من العلوم

اور تجھے معلوم ہے کہ ہم نے قوم کی کتابیں نہیں پڑھی ہیں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل نہیں

آيته ان هو من تلقاء نفسه
بل من لدن من بعثه وارسله
بالحق وجعله سراجاً للعالمين
قد اشتدّ علينا الامر في كل يوم
بل في كل ساعة الى ان اخرجونا
من السجن وادخلونا
في السجن الاعظم بظلم مبين
واذا قيل لهم باي جرم حُبسوا
قالوا انهم ارادوا ان يجدّدوا
الدين لو كان قديم هو المختار
عندكم لما تركتم ما شرع في التوراة
والانجيل بيّنوا يا قوم عمري ليس
لكم اليوم من محيص ان كان
هذا جرمي قد سبقني في ذلك
محمد رسول الله ومن قبله
الروح ومن قبله الكليم وان
كان ذنبي اعلاء كلمة الله واظهارها
امره فانا اول المذنبين
لا ابدل هذا الذنب بملكوت

بلکہ آیا ہے یہ باتیں اس کے نفس کی طرف سے
نہیں ہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہیں جس نے
اس کو مبعوث کیا اور سچائی کے ساتھ بھیجا اور
تمام جہان کے لئے روشن چراغ بنایا کہدے ہم
پر معاملہ ہر روز بلکہ ہر گھڑی سخت ہوتا گیا یہاں
تک کہ ہمیں ایک قید خانہ سے نکال کر بڑے
قید خانہ میں صریح ظلم کے ساتھ ڈال دیا جب ان سے
پوچھا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو کیوں قید کیا گیا تو
جواب دیتے ہیں کہ یہ لوگ دین کو نیا بنانا چاہتے ہیں اگر
پرانا دین ہی تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے تو
تم نے توریت و انجیل کو کیوں چھوڑ صاف
صاف بیان کرو مجھے اپنی زندگی کی قسم
آج تمہارے چھٹکارے کا کوئی موقعہ
نہیں اگر یہی تجدید دین میرا جرم ہے تو یہی
جرم مجھ سے پہلے محمد رسول اللہ اور ان سے
پہلے روح اللہ اور ان سے پہلے کلیم اللہ کر چکے
ہیں اور اگر اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار دین
میرا گناہ ہے تو میں سب سے پہلے گنہگار
ہوں میں اس گناہ کو آسمانوں اور زمینوں

ملك السموات والارضین۔ (کتاب مبین صفحہ)

کی بادشاہت سے بھی نہیں بدل سکتا۔

یا معشر العلماء هل یقدر احد منکم ان یستبق معی فی میدان المکاشفة والعرفان او یجول فی مضمار الحکمة والتبیان لا وربی الرحمن کل من علیها فان وهذا وجه ربکم العزیز المحبوب۔

اے گروہ علماء کیا مکاشفہ و عرفان کے میدان میں تم میں سے کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے یا حکمت و بیان کے میدان میں جولاں رکھ سکتا ہے قسم ہے مجھے خدائے رحمن کی ہرگز نہیں۔ سب زمین پر رہنے والے فانی ہیں اور تمہارے خدائے عزیز و محبوب کا چہرہ تمہارے سامنے ہے۔

انا ما دخلنا مدارس وما طالعنا المباحث اسمعوا ما یدعوکم به هذا الامی الی الله الابدی انه خیر لکم عما کنز فی الارض لو انتم تفقهون۔

ہم مدرسوں میں داخل نہیں ہوئے اور مباحث نہیں دیکھے سنو جس کے ذریعے تمہیں یہ امی خدائے ابدی کی طرف بلاتا ہے۔ یہ تمہارے لئے زمین کے تمام خزانوں سے بہتر ہے کاش تم سمجھ لو۔

(از تذکرہ مجموعہ الہامات مبارکہ)

بابِ نہم
حکومتِ الٰہیہ
یعنی
دیانتِ بہائیہ

خدا روزِ ازل سے ایک لا محدود کتاب لکھنے میں مشغول ہے ہر دین اس کتاب کی ایک فصل اور اس کا ایک نیا باب ہے ہر پیغمبر اس کتاب کے مصنف کا قلم ہے۔ ہر فصل اور ہر باب کا پڑھنے والا بعد والے باب اور فصل کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے تیار ہوتا رہا ہے۔ ہر بعد والی فصل اس تخئیل اور نقشے کو جو اس سے پہلے والی فصل میں بیان کیا گیا تھا ایک منزل اور آگے بڑھاتی ہے اس کتاب کی ہر فصل با معنی اور کتاب کے مصنف کا مقصد بتاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تمام فصلوں کو یک دوسری کی روشنی میں پڑھا جائے۔ ورنہ اگر کسی فصل کو اسکی اگلی اور پچھلی فصلوں سے جدا کر دیا جائے تو پھر اس کتاب کا وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جو مصنف نے اس میں رکھا تھا اور اس کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً کسی فصل میں بیان کیا ہے کہ جدا جدا افراد کی تربیت کیونکر کی جائے کسی

اور فصل میں بیان کیا گیا ہے کہ مختلف تبلیغوں کی تربیت کا کیا طریقہ ہے کسی دوسرے باب میں وضاحت کی گئی ہے کہ پوری قوم کی تنظیم کس طرح ہو سکتی ہے؟

آج حضرت بہاء اللہ کا قلم اعلیٰ اس کتاب کے اس روشن باب کا افتتاح کر رہا ہے جس میں دانشمندانِ عالم اور اربابِ سیاست کو تعلیم دی گئی ہے کہ تمام مختلف اقوامِ عالم کی شیرازہ بندی کر کے تمام نوعِ انسان کو ایک انجمن واحد کی شکل و صورت میں منظم اور مرتب کرنے کے طریقے کیا ہو سکتے ہیں اور کس طرح یہ دنیا بہشتِ عدن بن سکتی ہے۔ ان ہی قوانین اور طریقوں کا نام دینِ بہائی ہے۔ یہ وہی دین ہے جس کا ذکر جزئے تین کے سلسلہ میں قرآن مجید کی سورۂ نور میں اس طرح کیا گیا ہے کہ:

یومئذ یوفیهم الله دینهم الحق یعنی اس دن خدا ان کو کامل درجہ دین عطا کرے گا۔

اور یہ ہے وہ دین جس کی تعریف حضرات آئمہ اطہار نے بکثرت فرمائی ہے کہ جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی تو وہ اس زمین کو عدل و داد سے بھر دے گا۔ اس خدائی دستور العمل کے چند اصول و قوانین ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عرفانِ الٰہی: خدا نے سب سے پہلا حکم یہ دیا ہے کہ تم سب سے پہلے اس مقدس انسان کو شناخت کرو جو خدا کے کمال کا جلوہ گاہ ہے جو اس کا نائب اور خلیفہ ہے جو خدا کی شریعت دنیا کو دیتا ہے کیونکہ کامل اور بے عیب ہدایت وہی ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور یہ ہدایت اس کا پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ خدا کے پیغمبر کی شناخت، خدا کی شناخت اس کا عرفان، خدا کا عرفان اس سے ملاقات کرنا خدا سے ملاقات کرنا ہے۔ اور

فانوس رنگا رنگ ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم روشنی پر نظر رکھیں فانوسوں کی مختلف شکلیں اور رنگوں کو لڑائی جھگڑے کا ذریعہ نہ بنائیں۔ خدا کی جو تجلی پیغمبروں میں ظاہر ہوئی تھی وہ ایک ہی تھی اگرچہ زمان و مکان مختلف تھے مگر حقیقت واحد تھی۔ مقصد سب کا ایک ہی تھا۔ حقیقت پر نظر رکھنی چاہئے اور سب پیغمبروں کو اپنا بزرگ اور اپنے آپ کو ان سب کا خادم سمجھنا چاہئے اگر ہم ایک پیغمبر کو تسلیم کرلیں اور جب دوسرا ظاہر ہو تو ہم انکار کردیں تو یہ ہماری نادانی اور کوتاہی ہوگی وہ روشنی جو پہلے ظاہر ہوئی تھی اگر وہی دوسرے رنگ کے فانوس میں نظر آئے تو محض فانوس کی تبدیلی کی وجہ سے روشنی کا انکار نہ کرنا چاہئے ورنہ ہم روشنی کے عاشق نہ ہوں گے بلکہ صرف فانوس کے پرستار کہلائیں گے۔

(۵) وحدت عالم انسانی: جب حقیقت ایک ہے اصول ایک ہیں مقصد ایک ہے تمام مقدس کتابیں باہم متحد ہیں سب دین ایک ہیں سب پیغمبر ایک ہیں تو ہم سب جو انسان کہلاتے ہیں کیوں متحد نہ ہوں۔ درحقیقت انسان ایک ہی ذات ہے اس لئے تمام انسانوں کو ایک ہو کر رہنا چاہئے۔ خدا نے صرف انسان پیدا کیا ہے ہم نے اپنی غلطی اور وہم پرستی سے آپس میں تفرقے پیدا کر لئے ہیں۔ ہم نے کچھ لوگوں کو مومن اور کچھ لوگوں کو کافر کچھ لوگوں کو اعلیٰ اور کچھ لوگوں کو اچھوت اور نیچ ذات بنا رکھا ہے یہ ہمارا صریح ظلم ہے جو خدا کو پسند نہیں۔ خدا کے نزدیک سب انسان برابر ہیں جو اچھے اعمال کرتا ہے وہ متقی ہے اور جس کے اعمال ناپسندیدہ ہیں

وہ رذیل ہے خواہ کسی قوم اور کسی خاندان کا ہو۔ لہذا ہم سب کو اپنا بھائی
سمجھیں۔ سب کے ساتھ مل کر خوشی سے زندگی بسر کریں۔ سب کے ساتھ
ازدواجی تعلقات پیدا کریں تاکہ محبت و الفت کے رشتے زیادہ مضبوط ہوتے
چلے جائیں۔ وحدت ذاتی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور ہر اس کام کو
چھوڑ دینا چاہیے جس سے محبت و وحدت میں فرق آتا ہو۔

(۶) مساواتِ مرد و زن: روح کے لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں روح نہ مرد ہے نہ عورت ہے۔ انسانیت
کے لحاظ سے مرد و عورت میں کوئی تفاوت نہیں۔ خدا نے مرد کو بھی انسان بنایا ہے
عورت کو بھی۔ مرد نے عورتوں کو ان کے حقوق دیدیے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم، مال،
اور نیک سلوک میں مردوں اور عورتوں کو مساوی ہونا چاہیے انسانیت ایک
پرندے کی مانند ہے جس کے دو بازو ہیں ایک مرد دوسرا عورت۔ جب تک
اس پرندے کے دونو بازو مضبوط اور طاقتور نہ ہوں گے تو انسانیت ترقی و
رفعت کی فضاؤں میں پرواز نہ کر سکے گا۔ تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید میں
عورت و مرد کی مساوات کے متعلق اعلان کر دیا گیا تھا۔ یعنی کہا گیا تھا کہ:

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ — قیامت کے دن زندہ درگور عورت کے متعلق سوال
ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ — کیا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی جا رہی ہے۔

آج جبکہ یومِ قیامت سامنے ہے اور فیاضِ حقیقی کی لسانِ قدرت سے
یہ کلمہ جاری ہوا کہ مرد و عورت کے حقوق میں مساوات ہونی چاہیے تمام عالمِ نسوان
بیدار ہو گیا ہے اور تمام دنیا عالم کی زندہ درگور عورتیں اپنے حقوق حاصل

(۱۰) حل اقتصادیات: آج سرمایہ دار اور مزدور کی باہمی آویزش ایک جنگ کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار نے مزدوروں کو غلام بنا رکھا ہے وہ ان سے جیسا اور جتنی دیر چاہیں کام لیتے رہتے ہیں اور اُجرت بہت ہی کم دیتے ہیں۔ غریب لوگ اپنا خون پسینہ ایک کرتے رہتے ہیں مگر جو اُجرت ان کو ملتی ہے وہ ان کے روزانہ اخراجات کو کافی نہیں ہوتی۔ ایک شخص محلوں میں رہتا ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی آسائش کے سامان مہیا ہیں۔ مگر دوسرے شخص کو سر چھپانے کی جگہ اور پیٹ بھرنے کے لئے ایک خشک روٹی تک میسر نہیں۔ یہ حالت خطرناک ہے جو تمام دنیا کو ایک دن جھلس کر رکھ دے گی۔

اس لئے خدا کا حکم ہے کہ مزدوروں کو منصفانہ اُجرت دینی چاہئے کارخانوں میں ان کو حصہ دار بنانا چاہئے تاکہ اس افراط و تفریط کا خاتمہ ہو جائے اور نوعِ انسان امن و صلح اور اتحاد کی طرف روز بروز بڑھتی چلی جائے۔

(۱۱) لیگ آف نیشنز یعنی مجلسِ اقوام: تمام قوموں میں ایک مضبوط اور پائیدار صلح کے قیام کے لئے ایک بین الاقوامی محکمۂ کبریٰ ہونا چاہئے۔ ہر گاؤں سے نمائندے اپنی تحصیل میں آئیں۔ وہاں پھر انتخاب کے ذریعہ منتخب شدہ لوگ ضلع میں آئیں۔ ہر ضلع کے منتخب شدہ نمائندے صوبہ کے صدر مقام پر آئیں اور وہاں تمام ملک کے مشترکہ نمائندے منتخب کئے جائیں یہ ملکی نمائندے

جو ہر ملک سے منتخب ہو کر ایک مشترکہ انجمن عالم میں جمع ہوں۔ یہ انجمن تمام قوموں اور ملکوں کی واحد انجمن ہو اس میں ہر ملک اور قوم کے مفاد پر غور کیا جائے اس انجمن کا یہ فرض ہو کہ اگر ایک قوم یا ایک ملک کسی دوسری قوم یا ملک پر حملہ آور ہو تو یہ اس کو روکے تاکہ فساد نہ ہونے پائے۔

(۱۲) **بین الاقوامی عدالت:** تمام ملکوں اور قوموں کے متنازعہ امور کو مجلس مذکورہ اس بین الاقوامی عدالت میں بھیجے اور یہ عدالت ان جھگڑوں کا منصفانہ فیصلہ کرے۔

(۱۳) **بین الاقوامی فوج:** بین الاقوامی عدالت کا فیصلہ ماننے سے جو ملک انکار کرے اس کے خلاف یہ مشترکہ فوج حرکت میں آ جائے اور فلاں ملک پر حملہ آور ہونا گویا تمام دنیا اس ملک پر حملہ آور ہو گی۔ وہ ملک مقابلہ پر کس طرح ٹھہر سکتا ہے اس کو اقدام کرنے سے قبل یہ خیال ہی کافی ہے کہ اگر میں نے زیادتی کی تو اس کو تمام دنیا کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس طرح تمام سیاسی جنگوں کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہو جائے گا۔ دین بہائی کا یہ قانون کس طرح نافذ ہوتا جاتا ہے۔ یہ آپ کے سامنے ہے۔

(۱۴) **بھیک مانگنا:** سوال کرنا اور بھیک مانگنا بالکل حرام ہے گداگری کو قطعاً بند کر دینا چاہیے۔ انسانیت کے دامن پر یہ ایک بدنما داغ ہے البتہ اپاہجوں اور ناکارہ لوگوں کے لئے محتاج خانے بننے چاہئیں اور ان کی خوراک و لباس کا انتظام کر دینا چاہیے تاکہ وہ آرام

جس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنی و عداوت اور تعصب و نفرت کو دلوں سے نکال پھینکے اگر کسی دین یا مذہب سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو ایسے دین کا ترک کر دینا بہتر ہے۔

(۱۹) دین اور سائنس: دین اور سائنس ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے دین اور سائنس کو ایک ہونا چاہئے دین کا اگر کوئی مسئلہ عقل اور سائنس کے خلاف ہے تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہئے دین اگر سائنس کے خلاف ہوگا تو وہ توہمات کی دلدل میں پھنس جائے گا اور اگر سائنس دین کی عداوت اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے گی تو وہ دنیا کو خطرات میں گرفتار کر دے گی۔ جب سائنس اور دین کے ملاپ ہی سے تہذیب حقیقی جلوہ گر ہو سکتی ہے۔

(۲۰) احادیث و روایات: مختلف اقوام و ادیان و مذاہب کے درمیان منافرت اور فساد کی بہت بڑی ذمہ دار مختلف احادیث و روایات ہیں جنہوں نے دنیا کو بڑی بڑی مذہبی جنگوں کا اکھاڑہ بنا دیا ہے۔ ہمارے دین بہائی نے اس زہر قاتل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا ہے۔ دین بہائی میں کوئی حدیث اور روایت اس وقت تک قانونی درجہ حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ مقررہ ولی امر اس کی تصدیق نہ کر دے۔

(۲۱) ضیافت: ہر بہائی پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو اپنے دوستوں کو ضیافت دے۔ خواہ یہ ضیافت

پانی کے ایک گھونٹ ہی سے ہو۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم اسباب آسمان و زمین کے وسیلہ سے اپنے بندوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

(۲۲) بہائی جنتری: بہائی شریعت نے مروجہ جنتریوں کے خلاف ایک الگ جنتری معین کی ہے۔ ہر برس ۱۹ مہینے کا اور ہر ماہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ہر سال چار یا پانچ دن باقی رہتے ہیں جن کو لوند کے دن کہتے ہیں وہ دین بہائی میں ایام ہا یا ایام زائدہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان ایام میں اہل بہا خیرات کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جس قدر جنتریاں رائج ہیں ان میں کچھ نہ کچھ مشکلات ہیں اور مجلس اقوام میں یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے۔ در آخر دنیا میں بہائی جنتری رائج ہو کر رہے گی جس سے نوع انسان کو اقتصادیات میں بھی مدد ملے گی۔

(۲۳) تنخواہ دار مبلغین: جب دین کی باگ ڈور علماء کے ہاتھ میں آتی ہے تو بتدریج دین کو ذریعہ معاش بنایا جاتا ہے اور دینی ریاست حاصل کرنے کے لئے آپس میں اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔

اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین میں تفرقہ پھیل جاتا ہے دین اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہتا ہے۔ وحدتِ ملی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مگر دینِ بہائی میں تنخواہ دار علماء و مبلغین کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تبلیغ دین کی قیمت لینا علماء و مبلغین کے لئے قطعاً حرام ہے۔

(۲۴) کسبِ معاش: ہر شخص پر جو بالغ اور ناکارہ نہیں ہے کسی نہ کسی پیشہ میں مشغول ہونا واجب ہے کسبِ معاش کا درجہ عبادت قرار دیا گیا ہے۔ حکومت پر یہ بھی فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر شخص کے لئے کام مہیا کرے اور کسی کو بیکار نہ رہنے دے۔

(۲۵) خلافت: حضرت بہاء اللہ کے وصیت نامہ یعنی کتاب عہدی میں جس میں صاف اور واضح طور پر آپ کے جانشین اور مفسر آپ کے بڑے بیٹے حضرت عبد البہاء عباس قرار پائے اور آپ نے اپنا جانشین اپنے نواسہ حضرت شوقی آفندی ربانی کو قرار دیا اس طرح ہر ولی امر اپنا جانشین مقرر کرتا رہے گا۔ اس واضح حکم خداوندی نے دینِ بہائی کو اختلافات اور فرقہ بندی کی لعنت سے ہمیشہ کے لئے نجات دیدی ہے۔

مختصراً دینِ بہائی کے یہ چند اصول و قوانین آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ایک سرسری نظر یہ بات ثابت کر دے گی کہ یہ دین دینِ فطرت ہے۔ موجودہ زمانہ کی ضروریات و مشکلات کا واحد علاج ہے اور تمام دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی صلاحیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ دین دنیا کی رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے اور سردی و گرمی کی طرح گھروں میں گھس گیا ہے آج صرف ان ہی قوانین پر دنیا کی نجات ممکن ہے۔

آباؤ اجداد اور علماء کی اندھی تقلید سے دنیا آزاد ہوتی جارہی ہے۔ تعصب و نفرت سے بھری ہوئی دنیا میں بتدریج یہ صلاحیت پیدا ہوتی جارہی ہے کہ وہ اپنی قوم اپنے دین کے علاوہ دوسرے دین اور دوسری قوموں سے بھی محبت کرے اور ان کی عزت کرنا سیکھے۔

عالم نسواں بیدار ہو گیا ہے۔ عورتوں نے حصول آزادی کی جنگ جاری کر دی ہے اور عنقریب تمام دنیا کی عورتیں اپنے مساویانہ حقوق حاصل کر لیں گی۔ لازمی اور جبریہ تعلیم تمام دنیا کے اسکولوں میں نافذ ہو چکی ہے۔ اور اس سلسلہ میں غفلت کرنے والدین کو جرمانہ کی سزائیں دی جاتی ہیں۔

بین الاقوامی شادیوں کی ابتدا ہو چکی ہے اور نسلی و قومی عصبیت میں روز بروز کمی ہو رہی ہے۔ ۱۹۱۴-۱۹۱۸ء کی جنگ نے سلطنتوں کو لیگ آف نیشنز کے قیام پر مجبور کر دیا ہے۔ بین الاقوامی عدالت وجود میں آگئی ہے لیکن مجلس اقوام متحدہ اسی وقت اپنا عمل دے گی۔ جب وہ حضرت بہاء اللہ کی شرائط کو پورا کر دے گی۔ مسائل مختلفہ پیش ہو چکے ہیں اور انجمن کارپرداز یہ اختلافات ایک مشترکہ زبان کی ضرورت پر متفق ہیں مسئلہ اقتصادیات کو حل کرنے کی طرف تمام دنیا کے ارباب سیاست کی توجہ مبذول ہو چکی ہے اور ان کو یقیناً وہی اصول اختیار کرنے ہوں گے جو دین بہائی میں معین ہو چکے ہیں۔

نیز حضرت بہاء اللہ کا یہ حکم بھی عنقریب نافذ ہونے والا ہے بغیر

اتمام حجت

هاتوا برهانکم

(۱) اگر کسی پیغمبر کی صداقت کے ثابت ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اس کی کلی زندگی بے داغ، بے عیب، تمام انسانوں سے ممتاز اور ملکوتی صفات سے متصف ہو تو حضرت بہاء اللہ کی شاندار عملی زندگی گذشتہ تمام پیغمبروں سے کم نہیں ہے حتیٰ کہ انکے دشمنوں کو بھی کسی قسم کی انگشت نمائی کا موقعہ نہیں مل سکا ہے۔

(۲) اگر کسی سچے پیغمبر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ وحی تشریعی کے نزول کا دعویٰ کھلے اور واضح لفظوں میں پیش کرے تو حضرت بہاء اللہ نے واضح لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ وہ تمام گذشتہ مقدس آسمانی کتابوں کے موعود ہیں اور خدا نے ان کو اصلاح عالم و اتحاد عالم کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

(۳) اگر کسی صاحب شریعت پیغمبر کی سچائی کا معیار یہ ہے کہ اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں اس کے بارے میں پیشگوئیاں ہوں تو ایسی پیشگوئیاں تمام مذاہب عالم کی کتابوں میں بے شمار موجود ہیں جو

حضرت بہاء اللہ کا نام لیکر ان کی آمد و ظہور کو منفصل طور پر بیان کرتی ہیں۔

(۴) اگر قربانی۔ غیر معمولی عزم۔ ثبات قدم اور استقلال کسی پیغمبر صادق کا بہترین معیار ہے تو حضرت بہاء اللہ اور ان کے ماننے والوں سے ایسی بے نظیر قربانی، غیر معمولی عزم اور ثبات قدم و استقلال کا ثبوت دیا ہے کہ کسی بانی دین اور کسی قوم کو ان کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دو ظالم و جابر بادشاہوں کی متفقہ طاقت نے حضرت بہاء اللہ کو مٹانا چاہا لیکن خود ان کا نام و نشان مٹ گیا اور حضرت بہاء اللہ بڑی جرأت سے اپنے دعویٰ پر قائم رہے۔ ان کے ماننے والے ۲۰ ہزار کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دئے گئے نہ صرف یہ بلکہ آج تک ایران میں اہل بہاء کا خون مباح ہے اور ان کی جان۔ مال۔ عزت و ناموس اب تک محفوظ نہیں ہے۔ اس کے باوجود ایران میں امر بہائی ترقی پذیر ہے۔

(۵) اگر کسی پیغمبر کی صداقت کا یہ نشان ہو کہ اس کی امت موجود ہو جو اس کو من اللہ سمجھتی ہو اور اپنے ایمان کو اپنے قول و عمل اور خون سے ثابت کرتی ہو تو اس وقت حضرت بہاء اللہ کی امت موجود ہے جس نے اپنے قول و فعل سے ان کی صداقت کی گواہی دی ہے۔

(۶) اگر کسی پیغمبر کی سچائی کی یہ دلیل ہے کہ اس کے دعویٰ کو مختلف قوموں نے

انہوں نے بیس نصاریٰ و منادِ اور علماء کی کثیر تعداد اس وقت وجود سب ایمان رکھتے ہیں مزید برآں ایک اور امتیازی صفت یہ ہے کہ فلسطین، شام و مصر کے فصحا و بلغا نے جن میں مسلمان اور عیسائی دونوں قسم کے لوگ شامل ہیں۔ حضرت بہاء اللہ کے کلام کو بے نظیر ان کو کہہ فصحا تسلیم کیا ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں باب مختصر میں ہم امین زیدان کی شہادت پیش کر چکے ہیں اور اگر ضرورت ہو تو مزید شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں جو ہمارے پاس مطبوعہ موجود ہیں۔

(۹) اگر خدا کے ایک سچے پیغمبر کی سچائی کا یہ بہترین امتحان ہے کہ اس کی پیش کردہ شریعت قابل عمل ہو تو اس وقت دنیا کی کوئی قوم اپنی شریعت کے قابل عمل ہونے کا عملی ثبوت نہیں دے سکتی نہ صرف یہ بلکہ ہر قوم کے سمجھدار لوگ اپنی اپنی شریعتوں کے ناقابل عمل ہونے کا کھلا اعتراف کر رہے ہیں چونکہ بہائی شریعت کے عنوان خدا اپنی طرف سے نازل کی ہوئی شریعتوں کو واپس لے چکا ہے اس لئے آج کسی شریعت کے احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا ہے مثلاً ایک حکم ایسا ہے جو تمام شریعتوں میں مشترک ہے اور سب متفق ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل نہ کیا جائے تو ایمان ہی سلامت نہیں رہ سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ خواہش اور کوشش کے باوجود اس حکم پر عمل کرنا محال ہے وہ حکم یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً — خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

ولا تفرقوا۔ — فرقہ بندی نہ کرنا۔

آج اگر علماء مذاہب کوشش بھی کریں کہ اپنی اپنی مذہبی فرقہ بندیوں کو مٹا دیں اور متحد ہو جائیں تو ممکن نہ محال ہے لیکن اسم اعظم حضرت بہاء اللہ کی تاثیر ملاحظہ ہو کہ بہائی قوم متحد ہے بلکہ ذرہ بھر نہیں ہے گفتار و کردار اور عقائد میں تمام قوم متحد ہے۔ یہی فرق تمام احکام کا حال ہے۔

(۱۰) اگر سچے پیغمبر کی یہ پہچان ہے کہ وہ گذشتہ تمام ادیان اور پیغمبروں کا مصدق ہو تو حضرت بہاء اللہ کے دین کی یہ پہلی امتیازی شان ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک پیغمبر کی صداقت سے بھی انکار کرے تو وہ ہرگز بہائی نہیں ہے۔ اس اصول کے تحت تمام عیسائی یہودی مسلمان۔ ہندو۔ بدھ۔ زرتشتی۔ غرض ہر قوم کے لوگ جو دین بہائی پر ایمان لائے ہیں۔ وہ حضرت پیغمبر اسلام سمیت تمام ان پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں جو اب تک دنیا میں آئے ہیں یا آئندہ آئیں گے۔ حضرت بہاء اللہ کی یہ ایسی اعلیٰ و بے مثل خدمت ہے کہ جس کا مقابلہ تمام عالم کے علماء نہیں کر سکتے خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

(۱۱) اگر خدا کے صادق پیغمبروں کی صداقت کا یہ بے مثل و بے نظیر معیار ہے کہ اس کی شریعت دنیا میں نافذ ہو اور دنیا اس پر

عمل کرنے کے لئے مجبور ہو تو اس وقت دنیا کا ہر ضابطۂ سیاست بہائی نظام کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ ہر قوم اور مذہب و ملت کے لوگ بلکہ دنیا کی تمام سلطنتیں غیر شعوری طور پر بہائی شریعت کے اصل اور بے مثل احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو گئی ہیں اور یہ دین بہائی کے نفوذ کی ناقابل انکار دلیل ہے۔

(۲) اگر مذکورہ بالا دلائل حضرت بہاء اللہ کو امور من اللہ ماننے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ تو حضرات علمائے شیعہ از راہ نوازش اپنا معیار پیش کریں جس سے ایک سچے پیغمبر کی شناخت ہو سکے۔

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

معذرت

تمام حضرات علماء شیعہ اور جملہ ناظرین محترم کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ ہم نے انتہائی کوشش کی ہے کہ قلم سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلنے پائے جو اخلاق و ادب اور شائستگی کے خلاف ہو اور احساسات کو مجروح کرے لیکن خطا و نسیان فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے اس لئے سہواً اگر کچھ ایسے الفاظ اس رسالہ میں درج ہو گئے ہوں تو ان کو ہماری طرف سے لغزش سمجھ کر پیشگی معذرت قبول فرمائیے " والعذر عند کرام الناس مقبول "۔

آنحضرت کے اثر قدم پر چلیں گے اور خطا و نسیان سے بری ہوں گے۔	معیار پر پورا اُترتا ہے اور آنحضرت کی طرح سے ایمان لائے۔ اُس کلامِ الٰہی پر جو خدا نے نازل کیا خود اُن پر اور حضرت آدم سے لیکر حضرت خاتم ص تک، تمام انبیاء علیہم السّلام پر اور عمل کیا لانفرق بین احدٍ من رسلہٖ پر۔
۱۷۔ امام مہدی بعض انبیاء سے بھی افضل ہوں گے (چنانچہ کہا گیا ہے کہ) وہ امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰ جیسے صاحب عزم رسول ان کے مقتدی ہوں گے۔	۱۷۔ حضرت باب نے کہا کہ خدا نے ان کا مقام انبیاء علیہم السّلام سے افضل قرار دیا ہے۔
۱۸۔ امام مہدی کے پیچھے حضرت عیسیٰ روح اللہ نماز ادا کریں گے۔	۱۸۔ حضرت باب کی زندگی میں حضرت بہاء اللہ نے اُن کی صداقت کی تبلیغ کی اور حضرت باب کی شہادت کے بعد جب موعود وقت آگیا تو اپنے مسیح موعودؑ ہونے کا اعلان کر دیا۔
۱۹۔ امام مہدیؑ کے اصحاب کا ایک حفاظت کرنے والا ہوگا جو ان اصحاب کی جنس میں سے نہیں ہے مگر امام مہدی کے خاص وزیروں اور افضل امناء	۱۹۔ شیخ ابن عربیؒ کے کشف کے مطابق یہ عیسیٰ علیہ السّلام ہیں اور تاریخ کی رو سے یہ حضرت باب کے اصحاب کے حافظ اور ان کے افضل امناء حضرت بہاء اللہ تھے جن کی بعثت و ماموریت سے وہ احادیث و آیات پوری ہوئیں

میں شامل ہوگا۔	جو مسیح موعودؑ سے تعلق رکھتی تھیں۔

اب حضرت باب کو صادق مہدی موعودؑ ماننے کے علاوہ کیا چارہ ہے؟ ورنہ بارہ سو سال تک بزرگانِ دین جو مانتے اور تعلیم دیتے رہے اس متفقہ عقیدے کا کیا کیجئے گا؟ خاص کر جب وہ واقع بھی ہو چکا۔

"علامہ نواب صدیق حسن خاں والد ماجد نواب حمید اللہ خاں والی بھوپال نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "حجج الکرامہ" میں اپنی بڑی گہری اور وسیع تحقیقات کا خلاصہ حضرت امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ سے متعلق آیات، احادیث اور تفاسیر کا شائع کرایا ہے جو صاحب مذکورہ بالا بیانات (مندرجہ درست راستہ) کی تفصیل ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں وہ حجج الکرامہ اور دیگر کتب اہل سنت میں دیکھیں اور سوچیں کہ اگر خدانخواستہ ان کا موجودہ شخصی عقیدہ بزرگانِ دین کے بارہ سو سال کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے تو کیوں نہ اس کی اصلاح کرلی جائے۔ راقم الحروف اس سلسلہ میں ہر محقق کی خدمت اور مدد کے لئے آمادہ ہے۔"

(ایس۔ایچ۔قریشی)

غلطنامہ کتاب ظہورِ قائمِ آلِ محمدؐ (طبع سوئم)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	ی	۴	الزمانَ	الزمانِ
۲	ع	۴	کی	کے
۳	۶	۱۸	رعد	یونس
۴	۲۴	۱۵	یعلم	یحکم
۵	۵۴	۱۲	۵ر	۱۵ر
۶	۹۸	۱۸	بعدہی	متعلق
۷	۱۰۰	۱۸	والی	والے
۸	۱۱۱	۱۶	فرمائیں	یعنی
۹	۲۰۳	۹	نذیرًا	نذیرٌ
۱۰	۲۱۰	۵	ان جندنا لغالبون	ان جندنا لھم الغالبون
۱۱	۲۲۲	۸	قائم کی (دو دفعہ)	قائم کی
۱۲	۲۸۰	۱۵	کی	کے
۱۳	۳۱۵	۳	بیّنات	بیّنات
۱۴	۳۳۳	۴	جنت	در جنت
۱۵	۳۸۹	۱۰	کنارں	گناہوں
۱۶	۳۹۶	۹	جائیگی	پائینگی
۱۷	۴۰۲	۱۱	تبدل الارض	تبدل الارض غیر الارض